إرشاد السالكين إلىٰ رياض الصالحين

المعروف بہ

حدیث

کے

اصلاحی مضامین

جلد یازدہم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:.................. حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد یازدہم)

افادات:.................. حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

بہ اہتمام:..........................خدّام حضرت اقدس دامت برکاتہم

صفحات:............................... ۴۷۲

ناشر:........................... مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

ان مضامین کو انٹرنیٹ سے حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہ راست حضرت اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- شعبۂ فیض محمود، سورت 99988,31838
- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، 9913319190
- مفتی سلیمان شاہوی (دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر) 88666,21229
- مکتبۂ انور (مفتی عبدالقیوم راجکوٹی) جامعہ ڈابھیل 99246,93470
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند 97562,02118
- مکتبۃ الاتحاد دیوبند 9897296985
- حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر)
- مولانا بک ڈپو، رانی تالاب، سورت

اجمالی فہرست مضامین ...... جلد یازدہم

تفصیلی فہرست مضامین ...... جلد یازدہم

کتاب الفضائل
باب فضل قراءة القرآن
قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت

باب الأمر بتعهد القرآن والتحذير عن تعريضه للنسيان

قرآنِ پاک کو یاد کر لینے کے بعد اس کو یاد رکھنے کا اہتمام کرنا

باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن وطلب القراءة من حسن الصوت والاستماع لها

باب الحث علىٰ سور وآيات مخصوصة

قرآنِ پاک کی بعض سورتوں اور آیتوں کے فضائل

بَابُ فَضْلِ الْوُضُوْءِ/ وضو کی فضیلت کا بیان

بَابُ فَضْلِ الْأَذَانِ

اذان کی فضیلت کا بیان

بَابُ فَضْلِ الصَّلَوَاتِ

نمازوں کی فضیلت کا بیان

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِالصُّبْحِ والْعَصْرِ

فجر اور عصر کی نماز کی فضیلت کا بیان

بَابُ فَضْلِ الْمَشْيِ اِلَى الْمَسَاجِدِ

مسجدوں کی طرف چل کر جانے کی فضیلت کا بیان

بَابُ فَضْلِ إِنْتِظَارِ الصَّلَاةِ
نماز کے انتظار کی فضیلت

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ
باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان

بَابُ الْأَمْرِ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ وَالنَّهْيِ الأَكِيْدِ وَالْوَعِيْدِ الشَّدِيْدِ فِيْ تَرْكِهِنَّ

پنج وقتہ فرض نمازوں کی پابندی کی تاکید اوران کو چھوڑنے پر سخت وعید

بَابُ فَضْلِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ وَالْأَمْرِ بِإِتْمَامِ الصُّفُوْفِ الْأُوَلِ وَتَسْوِيَتِهَا وَالتَّرَاصِّ فِيْهَا

پہلی صف کی فضیلت اور اگلی صفوں کو مکمل و درست کرنا

فَضْلُ السُّنَنِ الرَّاتِبَةِ مَعَ الْفَرَائِضِ وَبَيَانِ أَقَلِّهَا وَأَكْمَلِهَا وَمَا بَيْنَهُمَا

سننِ مؤکدہ کی تعداد اور اس کی فضیلت

بَابُ تَخْفِيْفِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَبَيَانِ مَا يُقْرَأُ فِيْهِمَا وَبَيَانِ وَقْتِهِمَا

فجر کی دوسنتیں مختصر اور ہلکی پڑھی جائیں، اس میں قراءت کیا ہو؟ اس کا وقت کیا ہے؟

بَابُ سُنَّةِ الظُّهْرِ

ظہر کی سنتوں کا بیان

بَابُ سُنَّةِ الْمَغْرِبِ بَعْدَهَا وَقَبْلَهَا

مغرب کے بعد اور پہلے کی سنتوں کا بیان

بَابُ اِسْتِحْبَابِ جَعل النَّوَافِلِ فِیْ الْبَیْتِ سَوَاءالرَّاتِبَةُ وَغَیْرُهَا وَالْاَمْرِبِالتَّحَوُّلِ لِلنَّافِلَةِمِنْ مَوْضِعِ الْفَرِیْضَةِ إلخ

نفل نمازوں کا گھر میں پڑھنا اور فرض ونوافل کی جگہوں کو بدلنا

بَابُ فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَوُجُوْبِهَا، وَمَايَتَعَلَّقُ بِهَا

یوم جمعہ کی فضیلت، جمعہ کی نماز کا فرض اور ضروری ہونا اور دیگر متعلقات جمعہ کا بیان

بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ
تہجد کی نماز کی فضیلت

باب استحباب قیام رمضان وَهُوَ التراويح

قیامِ رمضان یعنی تراویح مستحب ہے

بَابُ فَضْلِ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَبَيَانِ أَرْجَى لَيَلِهَا

لیلۃ القدر میں عبادت کی فضیلت

اورکونسی رات کے متعلق شبِ قدر ہونے کی زیادہ امید ہے

فَضْلُ السِّوَاكِ وَخِصَالُ الْفِطْرَةِ

مسواک کے فضائل اورفطرت کی باتیں

بَابُ تَأْكِيْدِ وُجُوْبِ الزَّكٰوةِ وَبَيَانِ فَضْلِها وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا

زکوٰۃ کے واجب ہونے کا مؤکداور پختہ ہونا

اس کی فضیلت اور اس سے متعلق دوسری چیزوں کا بیان

بَابُ وُجُوْبِ صَوْمِ رَمَضَانَ وَبَيَانِ فَضْلِ الصِّيَامِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهٖ

رمضان کے روزوں کا فرض ہونا، روزوں کی فضیلت اور اس سے متعلق دوسری چیزوں کا بیان

بَابُ الْجُوْدِ وَفِعْلِ الْمَعْرُوْفِ وَالْاِكْثَارِ مِنَ الْخَيْرِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَالزِّيَادَةِ مِنْ ذٰلِكَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْهُ

رمضان کے مہینہ میں نیکی کے کام اور سخاوت کی کثرت ہونی چاہئے خاص طور پر رمضان کے آخری عشرہ میں اور زیادہ ترقی ہونی چاہئے

باب النهي عن تقدم رمضان بصوم بعد نصف شعبان

نصف شعبان کے بعد رمضان سے پہلے روزے رکھنے کا ناپسندیدہ ہونا

باب فضل السحور وتأخيره مَا لَمْ يخش طلوع الفجر

سحری کی فضیلت۔ جب تک کہ صبحِ صادق کے طلوع ہوجانے کا ڈر نہ ہو وہاں تک سحری کو مؤخر کرنا۔ برکت والا کھانا

بَابُ فِيْ مَسَائِلِ مِنَ الصَّوْم

روزے کے چند مسائل

أبواب شتىٰ من فضائل الصوم

كتَاب الحَجّ

باب وجوب الحج وفضله

کلماتِ بابرکات

از: حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی دامت برکاتہم العالیہ

جامع ومرتبِ فتاویٰ محمودیہ- خلیفہ ومجازِ حضرت اقدس فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ
وبانیٔ جامعہ محمودیہ،علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ (یوپی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم ہمارے حضرت اقدس فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے بہت ہی اخص الخواص حضرات میں ہیں، بلکہ ہمارے حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو تمام متعلقین میں جن پر بہت زیادہ اعتماد تھا؛ ان میں بندۂ عاجز کے ظن اور نظریہ کے مطابق دو حضرات سرِ فہرست ہیں: ایک تو حضرت اقدس مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم العالیہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور دوسرے حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ۔

ہمارے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں ان دونوں حضرات کا جو احترام تھا وہ دوسرے تمام حضرات میں سب سے زیادہ تھا۔ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ اپنے خطوط میں بھی ان دونوں حضرات کے لیے جو القاب لکھواتے تھے وہ بہت اونچے ہوتے تھے۔ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ ان دونوں حضرات کے لیے عامۃً ’’جامع الکمالات والمحاسن، مجمع الکمالات والمحاسن، مجمع البرکات والحسنات، جامع الکمالات الظاہرۃ والباطنۃ‘‘ جیسے کلمات استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے اتنے اونچے کلمات اور القاب سے نوازا جانا ظاہر ہے کہ کوئی

معمولی بات نہیں ہے۔ جب کہ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں انتہائی اعتدال پسندی تھی، ہر کسی کے لئے انتہائی جچے تلے الفاظ ہی استعمال ہوتے تھے، نہ افراط تھی نہ تفریط۔

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے سب سے پہلے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے مشورہ سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں بیعت وسلوک کا تعلق قائم کر کے تربیتِ باطنی حاصل کی، اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے مراسلت ومکاتبت کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا اور موقع بموقع حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمتِ بابرکت میں حاضری بھی دیتے اور قیام بھی فرماتے، اور اکثر وبیشتر ماہِ مبارک بھی حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں گزارتے۔ آٹھ نو سال برابر یہ سلسلہ رہا اور یہ سب فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے مشورہ مطابق ہوتا تھا، اس طرح حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے اعتماد کے ساتھ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں بھی اعتمادِ خاص کا درجہ حاصل تھا۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء والله ذو الفضل العظيم

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اصلاح وتربیت کا تعلق کامل طور پر حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ قائم رہا، معمولات کی کامل پابندی کے ساتھ اپنی زندگی میں پیش آمدہ ہر ہر واقعہ کی اطلاع دے کر ہدایت حاصل کرنا اور اس ہدایت پر پورا پورا عمل کرنا برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تقرر، تدریس، دار الافتاء کا قیام، فتویٰ نویسی، تمرینِ افتاء، درسِ حدیث، کتابوں کی ترقی یا تنزلی، تبدیلی وغیرہ، فتویٰ نویسی میں کسی مسئلہ میں اشکال ہوا تو

اس کو حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ سے حل کرنا، اور بھی اپنی ذات سے متعلق یا طلبہ کی تعلیم وتربیت سے متعلق پیش آمدہ ایک ایک جزئی کی اطلاع دے کر ہدایت حاصل کرنے کا مستقل معمول تھا۔ اپنے یہاں دارالافتاء سے فارغ ہونے والے طلبہ کو سالانہ امتحان کے لیے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں بھیجنا، خانقاہ کا قیام، اور خانقاہ سے متعلق ہر ہر امر میں مشورہ کر کے ہدایت حاصل کرنا، اور ڈابھیل کی خانقاہِ محمودی واحمدی کی ترقی اور استحکام کے لئے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کا ماہِ مبارک میں ڈابھیل قیام فرمانا؛ یہ سب چیزیں سب کو معلوم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب شاگردِ رشید اور مریدِ باصفا اس درجہ لائق اور کامل اتباع کرنے والا ہو، تو شیخِ کامل کی توجہ اس پر کس درجہ ہوگی، اور ایسے شیخِ کامل کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے ایسا لائق مریدِ باصفا کس مرتبہ پر پہنچ جائے گا! آج اس کو دنیا دیکھ رہی ہے۔ خواجہ مجذوب علیہ الرحمہ نے اسی کو فرمایا ہے:-

چار چیزیں لازمی ہیں استفادہ کے لیے		اطلاع واتباع واعتقاد وانقیاد

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری زید مجدہم نے ان سب چیزوں کی پوری پابندی فرمائی، جس کی وجہ سے ان کو حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں انتہائی قرب واختصاص بلکہ مقبولیت ومحبوبیت کا درجہ حاصل ہوا۔ جو اس طریق میں منتہائے مقصود ہے۔ ہمارے حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خصوصی نظر ان کے اوپر ہمیشہ سے رہی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو علومِ ظاہری کے ساتھ ساتھ علومِ باطنی سے بھی خوب خوب نوازا۔

علومِ ظاہری کے اندر حدیثِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی مہارت عطا

فرمائی ہے، ایک طویل عرصہ سے حدیثِ پاک کی اہم کتابوں کا درس دے رہے ہیں جو طلبہ میں بیحد مقبول ہے اور اسی طرح ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' - ریاض الصالحین سے متعلق جو منظرِ عام پر آرہے ہیں - وہ اس کی گواہی دینے کے لیے کافی ہیں، جن سے آج ایک بڑا طبقہ فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حدیثِ پاک کے مضامین کو آسان کر کے عوام کے سامنے کس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ان پر ہونے والے اشکالات اور ان کے جوابات، اور خوب صورتی کے ساتھ فرقِ ضالّہ کا رد، اور اپنے اکابر کے واقعات کا بہت اچھا ذخیرہ اس میں آ گیا ہے۔ الحمد للہ! اس جیسے اور بھی بہت اہم اصلاحی مضامین کا مستند ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جن کو بے تکلّف کسی بھی جگہ سنا اور سنایا جاسکتا ہے، جن کو خانقاہوں کے لیے اصلاحی نصاب بھی کہا جاسکتا ہے، بلکہ ایسے مفید و مستند مضامین کے سننے سنانے کا سلسلہ مساجد، مدارس، خانقاہوں میں اپنے اپنے مکانوں میں ہر ہر جگہ قائم کرنا چاہیے۔ ہمارے مدرسہ جامعہ محمودیہ میرٹھ میں عصر کے بعد کی مجلس میں جس میں حضراتِ اساتذۂ کرام شرکت فرماتے ہیں ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' کو بالترتیب پڑھوانے اور سنانے کا اہتمام مَیں خود بھی کرتا اور کرواتا ہوں، اور موقعہ بموقعہ دوسرے حضرات کو بھی اس بات کا مشورہ دیتا رہتا ہوں۔

ریاض الصالحین امام نوویؒ کی تصنیف ہے جو مادرزاد ولی ہونے کے ساتھ عظیم محدّث اور مصلحِ اُمت بھی تھے، لوگوں کی اصلاح اور زندگیوں کو سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے حدیثِ پاک کے ذخیرے سے منتخب کر کے ریاض الصالحین کو مرتب فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں قبولیت عطا فرمائی، اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں، دوسری زبانوں میں ترجمے کئے گئے جو بہت مقبول ہوئے۔

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری زید مجدہم نے عوام وخواص کی اصلاح کے لیے ریاض الصالحین کو سامنے رکھ کر اپنے خطابات اور بیانات کا سلسلہ شروع فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے بیحد مقبولیت عطا فرمائی۔ ان بیانات کو کیسٹ اور سی ڈی سے نقل کر کے ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے جس کی اب تک دس جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص قبولیت سے نوازا ہے، اور عوام وخواص اس سے مستفید ہو رہے ہیں، اس طرح ریاض الصالحین کی بہترین آسان شرح تیار ہو گئی ہے، مگر اس کے نام ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' سے اس طرف ذہن نہیں جاتا کہ یہ باقاعدہ ریاض الصالحین کی شرح ہے بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ کیف ما اتفق حدیث کے مضامین بیان کر دئے گئے ہیں، اس لیے اگر اس کا نام ''ارشاد السالکین الیٰ ریاض الصالحین'' یا ''مدارج السالکین فی ریاض الصالحین'' یا اس طرح کوئی اور نام تجویز کر دیا جائے تو زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فتاویٰ نویسی میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کو بڑی مہارت عطا فرمائی ہے۔ جدید اہم اور مشکل مسائل کو حل فرمانے کی کیسی عمدہ صلاحیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے ''محمود الفتاویٰ'' اس بات کی شاہدِ عدل ہیں جس کی اب تک پانچ جلدیں طبع ہو کر قبولیتِ عام حاصل کر چکی ہیں، جن کو اکابر اربابِ فتاویٰ کا اعتماد حاصل ہے اور عوام وخواص ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کی خصوصی توجہ اور تربیت کی برکت سے آپ کو باطنی علوم سے بھی بڑا وافر حصہ نصیب فرمایا ہے۔ اخلاقِ فاضلہ، انتہاء درجہ کی تواضع، عبدیت وعاجزی، ہر کسی کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آنا، ہر ایک کے لیے خیر خواہی کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے، جس کی وجہ سے

حق تعالیٰ شانہٗ نے مرجعیت اور مقبولیت کی خاص شان سے ان کو نوازا ہے اور عوام و خواص کا رجوع ان کی طرف برابر بڑھ رہا ہے اور حضرت والا زیدمجدہم کا فیض ملک و بیرونِ ملک میں جگہ جگہ خوب پھیل رہا ہے۔

قابلیت تو بہت لوگوں میں ہوتی ہے، لیکن ایسی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ فیض رسانی اور اپنے بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے منتخب فرماتے ہیں اور ان کو خاص توفیق سے نوازتے ہیں۔ الحمدللہ! حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس وقت امت کی ہدایت واصلاح اور فیض رسانی کے لیے بطورِ خاص منتخب فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور پوری امت کو حضرت کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے حضرت کے فیوض و برکات کو بہت زیادہ عام و تام فرمائے۔ صحت وعافیت اور اخلاص واستقامت کے ساتھ حضرتِ والا کا سایہ دراز فرمائے۔ اور حضرت کے فیوض اور برکات سے خلقِ کثیر کو فیضیاب و سیراب فرمائے، اور ہر نوع کے مکارہ سے پوری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

فقط

(حضرت مولانا مفتی) محمد فاروق (صاحب میرٹھی) غفرلہٗ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ (یوپی)
۱۳/۷/۱۴۳۵

بسم اللہ الفتاح وبہ أستعین

اداریہ

انسان اگر اپنے مالک وخالق کے اوامر کو بجالائے تو یہ عین اس کی بندگی کا تقاضہ اوراس کی سعادت ہے۔نہ تواس کو یہ حق ہے کہ وہ اس پر خالق ومنعم، محسن ومولیٰ سے کچھ امید رکھے، نہ ہی خالق تعالیٰ پر یہ ضروری ہے، کیوں کہ جو کھلائے پلائے پہنائے، پالے پوسے، سب ہی کچھ جس کا ہو؛اس کی جانب سے سپرد کیا گیا کام اگر انسان سے انجام پا جائے ؛تو یہی اس کی شانِ عبدیت ہے۔اوراگر وہ ان امور کو انجام نہ دے تو پھر آخر وہ کس کام کے لیے ہے؟

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ

اوراس نافرمانی پر مولائے حقیقی کی طرف سے جو کچھ بھی سزادی جائے تو یہ اس کا حق ہے، یہ ساری باتیں تو ''عدل'' کی ہیں۔لیکن بات اگر ''فضل'' کی کی جائے، پھر تو بندہ جتنا بٹور سکتا ہو اس میں ذرا بھی کمی نہ رکھے۔حضرت ایوب علیہ السلام کے باب میں صحیح حدیث میں ہے کہ غسل خانہ میں عین غسل کے دوران سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں اس کو حضرت ایوب علیہ السلام جمع کرنے لگے، وحی آئی: ایوب! کیا ہم نے تم کو اس سے بے ضرورت نہیں بنا رکھا ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا پیارا جواب دیا: ''وَلٰکِنْ لَا غِنیً بِیْ عَنْ بَرَکَتِكَ'' رب کریم! تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے،جس کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت تو نہیں،لیکن تیری عطا اور برکت سے کبھی مستغنی (بے ضرورت) نہیں ہوسکتا:

جو اِس در کا بھکاری ہے، قسمت کا سکندر ہے

انسان محنت، مزدوری، صنعت وحرفت، کھیتی باڑی، ملازمت کے راستہ سے جو کچھ کماتا ہے، اسے ''منفعت یا اجرت'' کہا جاتا ہے، لیکن اعمالِ خیر کی بجا آوری پر اسے جو حاصل ہوتا ہے؛ اسے ''فضیلت'' کہا جاتا ہے۔ یہ خود اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ سب فضلِ خداوندی ہے حالاں کہ ان کو بھی ''فوائد'' یا ''منافع'' کہہ سکتے تھے، لیکن کوئی بھی اس کو نفع یا فائدہ نہیں کہتا، اس کی وجہ یہی ہے۔

''حدیث کے اصلاحی مضامین'' کی گیارہویں جلد کیا ہے؟ بابِ کرم، جود وعطا و سخا ہے۔ محنت ومجاہدہ اور ہمت والے آئیں، اور اپنے جوہر دکھائیں ''لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ، وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ'' طویل وعریض ہال میں بندہ کو چھوڑ دیا ہے، جہاں مختلف الانواع دسترخوان چنے ہوئے ہیں، میزبان کی جانب سے مکمل اختیار وآزادی ہی نہیں؛ بلکہ پیشکش ہے کہ جو چاہے، جب چاہے، جہاں چاہے، جتنا چاہے، جیسے چاہے؛ سمیٹ لے اور بٹور لے:-

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں		راہ بتلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمِ مبارک پر نوافل پڑھتے پڑھتے ورم آجائے، جب وہ یہ فرمادیں کہ مَیں بھی نیکی اور ثواب کا اتنا ہی محتاج ہوں جتنے تم ہو؛ تو پھر محبت کا دَم بھرنے والے امتیوں کے لیے کیا عذر باقی رہ جاتا ہے!۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خوب دل کھول اور جی بھر کر روایات وآیات پیش فرمائی ہیں، جن کا آسان ترجمہ وتشریح علمی فوائد ونکات، بزرگوں اور اسلاف کے واقعات کے ساتھ ہمارے استاذِ مکرم ومرشد محترم دام مجدہم وزیدت معالیہم نے کی ہے جو اس وقت کتابی شکل میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

انسان ہوٹل میں جاتا ہے تو اس کے ہاتھ میں 'Menu' تھما دیا جاتا ہے، انسان اپنی بساط کے مطابق انتخاب کر کے آرڈر کرتا ہے، وہاں اسے خرچ کرنا ہوتا ہے، یہاں ایک 'Menu' ہمیں دیا گیا ہے لیکن یہ بٹورنے والا 'Menu' ہے، یہ پسند کروگے تو اتنا 'Balance'، وہ لوگے تو اتنا..... دراصل ہم لوگ زہد و قناعت اور حرص و طمع غلط جگہ کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، جہاں ہم سے قناعت کا مطالبہ کیا گیا وہاں ہم حرص و طمع کرتے ہیں، اور جہاں حرص و طمع کو کہا گیا وہ ہمارے زہد و قناعت کا میدان ہو چکا ہے۔

یہاں سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حفظِ قرآن اور تلاوتِ کتاب اللہ، وضو، اذان، نماز اور اس میں بھی مختلف اوقات کی فرض، سنت و نوافل نمازوں، روزہ، اعتکاف اور حج کے فضائل کو الگ الگ عنوان دے کر نہایت شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے، جس کا سلسلہ اس جلد کے بعد بارہویں جلد میں بھی چلے گا؛ لہٰذا اس جلد کو **"فضائلِ اعمال"** کا عنوان دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

گذشتہ جلدوں کی اشاعت کے بعد بہت سے قارئین کا تأثر وقتاً فوقتاً یہ سننے کو ملا کہ حضرتِ والا کی زبان سے بہت سے ایسے مضامین بیان ہوتے ہیں جن سے وہ گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جس میں ہم عرصۂ دراز سے الجھے ہوئے تھے۔ "ذٰلك فضل الله، اللّٰهم زد فزد" اس جلد میں کل ۲۹۴/روایات ہیں۔

اس جلد کے مواد کی فراہمی میں حسبِ سابق مولانا مفتی محمد رضوان صاحب احمد آبادی زید مجدہٗ (ناظم مدرسہ ولی اللہ، کالوپور، احمد آباد) اور ان کے رفقاء نے اپنی پوری ہمت صرف فرمائی تب جا کر یہ جلد آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے، ہم ان سب

حضرات کے دل سے ممنون ومشکور ہیں اور دعا گو ہیں کہ باری تعالیٰ وہ تمام خصائل و فضائل سے ان سب کو آراستہ فرمائے جو احادیث کی نشر واشاعت پر دربارِ نبوی سے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

ابوزاہر

كتَاب الفَضَائِل

باب فضل قراءة القرآن

قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أما بعد:

یہ محبت کی بات ہے

اب تک مختلف اعمال کے آداب کا بیان چل رہا تھا، وہ سلسلہ ختم ہوا، اب یہاں سے کتاب الفضائل شروع کر رہے ہیں یعنی مختلف اعمال انجام دینے پر کیا فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق و مالک اور حاکم ہے، اس کے حاکم ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ حکم دے کر بندوں کو پابند کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جہاں خالق و مالک اور حاکم ہے وہیں بندوں سے بہت ہی زیادہ محبت رکھنے والا بھی ہے، اسی لیے شریعت کے جن اعمال واحکام کو انجام دینے کی تاکید کی گئی ہے (جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآنِ پاک کی تلاوت، تسبیح وتحمید اور دوسرے اعمال جن کو اوامر کہتے ہیں) وہاں اللہ تعالیٰ صرف حکم دے دیتا

تب بھی اس کو حق تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کمالِ محبت اور کمالِ رحمت سے حکم دینے ہی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کے فضائل بھی بتلائے۔

جیسے: باپ اپنے بیٹے کو ایک کام کے کرنے کے لیے کہتا ہے کہ بیٹا! یوں کرو۔ تو باپ ہونے کے ناتے وہ صرف حکم دیدے تب بھی کافی ہے، لیکن چوں کہ باپ کو بیٹے کے ساتھ محبت وشفقت بھی ہوتی ہے، اس لیے باپ صرف حکم نہیں دیتا بلکہ ساتھ ہی ساتھ وہ کام کرنے کے فوائد بھی بتاتا ہے، گویا فوائد بتلا کر وہ اس کام کے کرنے کے لیے بیٹے کی طبیعت کے اندر جذبہ اور آمادگی پیدا کرتا ہے، باپ کا یہ طرز دراصل بیٹے کے ساتھ محبت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ جہاں صرف حاکمانہ انداز ہوتا ہے وہاں فوائد نہیں بتائے جاتے، جیسے: حکومتیں کوئی حکم اور آرڈر جاری کرتی ہیں تو اس کے فوائد نہیں بتلاتیں، وہ تو صرف حکمرانی کرنا چاہتے ہیں اس لیے آرڈر جاری کر دیتے ہیں کہ یہ کرو اور وہ کرو، اگر نہیں کروگے تو ایسا ہو جائے گا۔ ہاں! جو حُکّام اپنی رعایا کے ساتھ رابطہ مضبوط رکھنا چاہتے ہیں اور جہاں محبت کا رشتہ بھی ہوتا ہے، شفقت کا معاملہ بھی ہوتا ہے، وہاں صرف آرڈر جاری کرنے پر اکتفاء نہیں کیا جاتا، بلکہ وہاں یہی طرز اختیار کیا جاتا ہے کہ جس کام کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کے فوائد بھی بتائے جاتے ہیں، تاکہ ان کو سن کر دل میں شوق ورغبت اور آمادگی پیدا ہو۔

تو ترغیب اور فضائل کے قبیل کی چیزیں دراصل اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ موجود محبت کا نتیجہ ہوتی ہیں، جیسا کہ پہلے بھی حدیث میں پڑھا اور سنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ محبت کا جتنا تعلق ہے، اس کا سواں (۱۰۰) حصہ بھی بندوں کو آپس میں حاصل نہیں ہے۔ ایک ماں اپنے بچے سے جو محبت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اسی مہربانی اور الفت ورحمت

کا تقاضہ ہے کہ شریعت کی طرف سے جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا گیا، وہاں صرف حکم دے کر بات ختم نہیں کر دی گئی، بلکہ ان اعمال واحکام کی بجا آوری پر کیا کیا فوائد حاصل ہوں گے وہ بھی بتلائے گئے، اسی لیے احادیث کی جو کتابیں ہیں ان میں مستقل ایک عنوان ''فضائل'' کا ہوتا ہے۔

مصنّفین نے کتبِ احادیث کو لکھنے کے مختلف انداز اختیار کئے ہیں۔ بعض مصنّفین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام ارشادات کو آٹھ موضوعات (Subject) پر تقسیم کیا ہے، اور وہ حضرات اپنی کتابوں میں آٹھوں موضوع کی روایات کو لاتے ہیں؛ انہیں میں سے ایک موضوع فضائل کا بھی ہے۔ شریعت نے جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کے فوائد اور فضیلتیں بتلا کر بندوں کو ان اعمال کے کرنے کی ترغیب دی ہے اور ان کے دلوں میں شوق پیدا کیا ہے۔ یہاں سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ یہی سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ آگے بہت سارے اعمال کے فضائل آئیں گے، اور وہ عمل چاہے وجوب، استحباب یا سنت کا درجہ رکھتا ہو؛ ان سب کے فضائل اور فوائد بتلائے گئے ہیں؛ تاکہ ان کو سن کر بندہ شوق اور رغبت کے ساتھ ان اعمال کو انجام دے۔

اور جہاں ترغیبی پہلو ہوتا ہے، وہیں دوسرا پہلو ترہیبی بھی ہوتا ہے، اس لیے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو شوق وترغیب دلانا کافی نہیں ہوتا، اس لیے ترہیب اور ڈرانے والا پہلو بھی رکھا گیا ہے، اور اس موضوع پر ''الترغیب والترہیب'' نامی مستقل کتابیں بھی ہیں، جن میں اعمال کے کرنے پر کیا فوائد اور فضائل ہیں، اور نہ کرنے پر کیا نقصانات اور سزائیں ہیں؛ وہ بتلائے جاتے ہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا عنوان قائم کیا ہے: ''فَضْلِ قِرَاءَةِ الْقُرْآن'' قرآنِ پاک کی تلاوت اور قراءت کے فضائل۔ ویسے تو قراءت کا یہ عمل فرض وواجب

نہیں ہے، ہاں! نماز کے اندر تلاوتِ قرآن رکن کا درجہ رکھتی ہے، لیکن خارجِ نماز یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی شریعت نے تاکید کی ہے، لیکن فرض اور رکن کا درجہ نہیں دیا۔ قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت کے واسطے نبیٔ کریم ﷺ پر اتاری گئی ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے تقاضوں پر عمل کیا جائے، اور اس کو سمجھ کر اپنی زندگی میں اُتارا جائے، لیکن جہاں یہ بات ہے، وہیں صرف اس کا پڑھنا بھی بہت زیادہ باعث خیر و برکت ہے، اس کی تلاوت کے بھی مستقل فوائد ہیں۔ چناں چہ اس باب میں قرآنِ پاک کی تلاوت کے فوائد بتلانا چاہتے ہیں۔

مسائل کا علم فرض ہے، فضائل کا نہیں

فضائل کی کتابوں کی تعلیم کا مقصد صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ اس کو سن کر آدمی ان اعمال کے کرنے پر آمادہ ہو۔ جیسے: آپ کسی کے سامنے نماز کے فضائل بیان کریں تو ان کو سن کر اس کے دل میں نماز کا شوق پیدا ہوگا، لیکن جب عمل کا نمبر آئے گا تو عمل اس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک اس کے مسائل سے آدمی واقف نہ ہو، اس لیے عمل کے لیے مسائل تو ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہیں۔ ہمارے تبلیغی جماعت کے سلسلہ کے اندر صرف فضائل پر اکتفاء اس لیے کیا جاتا ہے کہ مسائل کے اندر ائمہ کے اختلافات ہیں، اور تبلیغی جماعت کا مقصد اُمت کو اعمال کا شوق دلانا ہے، اسی لیے اس کام کے بنیادی اصول میں یہ چیز شامل کی گئی ہے کہ صرف فضائل بیان کرنے پر اکتفاء کیا جائے، مسائل کو چھیڑا نہ جائے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی مسئلہ کا بالکل نام ہی نہ لیا جائے، اس لیے کہ آپ جب کسی کو فضائلِ نماز سنائیں گے تو اس کے دل میں نماز کا شوق پیدا ہوگا، لیکن جب وہ عمل پر آمادہ ہوگا تو نماز کو بغیر مسائل کی واقفیت

کے صحیح طریقہ پرنہیں پڑھ سکے گا۔ اسی لیے فضائل کا علم سیکھنا فرض نہیں ہے، لیکن مسائل کا علم سیکھنا فرض ہے، اگر چہ اس کا نمبر شوق اور رغبت کے بعد آتا ہے، اس لیے تبلیغی جماعت کے مصالح کے پیشِ نظر اس کو چھیڑا نہیں گیا، لیکن اس کا مطلب اور مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی جب فضائل سن کر کسی عمل کے لیے تیار ہو تو اس کو مسائل نہیں بتلائے جائیں۔ خیر! یہاں سے فضائل کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور پہلا باب قرآنِ پاک کی تلاوت کے فضائل کا قائم کیا ہے۔

قرآن قیامت میں شفیع بنے گا

۹۹۱:- عن أبي أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعتُ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اقْرَؤُوا القُرْآنَ؛ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ القِيَامَةِ شَفِيعاً لأَصْحَابِهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: قرآنِ پاک کی تلاوت کرو، اس لیے کہ قرآنِ پاک اپنے لوگوں کے لیے قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔

افادات:- ''لأَصْحَابِهِ'' یعنی قرآن والے۔ اور یہ عام ہے جس میں اس کا پڑھنا پڑھانا، سمجھنا سمجھانا، اور اس پر عمل کرنا؛ سب آجاتا ہے، قرآن والوں کا لفظ ان سب کے لیے بولا جائے گا۔ ہاں! اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ صرف پڑھنے کا تعلق ہو۔

اللہ تعالیٰ کا کلام قیامت کے روز کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اگر سفارش کردے؛ تو پھر اس کے لیے اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی؟ اس کی نجات کے لیے تو یہی کافی ہے۔ اس روایت سے قرآنِ پاک کی تلاوت کی فضیلت معلوم ہوئی کہ

اس کے نتیجہ میں آدمی کو قرآنِ کریم کی سفارش نصیب ہوتی ہے۔

۹۹۲:-وعن النَّوَّاسِ بنِ سَمْعَانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ :سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقولُ : يُؤْتَى يَوْمَ القِيَامَةِ بِالقُرْآنِ وَأَهْلِهِ الذينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ فِي الدُّنْيَا تَقْدُمُهُ سورَةُ البَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ، تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا . (رواہ مسلم)

ترجمہ :-حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے روز قرآنِ پاک کو اور قرآن والوں کو لایا جائے گا (قرآن والے کون ہیں؟) جو دنیا میں اس پر عمل کا اہتمام کرتے تھے۔آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران ہوں گی، اور ان کی طرف سے یہ دونوں سورتیں دفاع کریں گی۔

افادات:-جیسا کہ میں نے اوپر کہا تھا کہ کم سے کم درجہ قرآن پڑھنے والوں کا ہے، اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ اس پر عمل کا اہتمام کرے۔تو جو لوگ قرآن کی ان دو سورتوں کی تلاوت کرتے تھے، ان کے احکام پر عمل کرتے تھے، اس کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے، یہ دونوں سورتیں گویا ان کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچانے کی کوشش کریں گی۔ یہ بہت بڑی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی کے لیے سفارشی بن جائے، اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہوسکتی ہے!

تم میں سے بہترین لوگ

۹۹۳:-وعن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:-حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآنِ پاک سیکھیں اور سکھائیں۔

افادات:- سیکھنے کے بھی مختلف درجات ہیں، کم سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی قرآنِ پاک کے الفاظ سیکھے، اور اس کے بعد دوسروں کو سکھلائے۔ پہلا درجہ اندر دیکھ کر سیکھنا؛ جس کو ہم ''ناظرہ'' کہتے ہیں۔ اس سے اوپر کا درجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ کو زبانی سیکھے اور سکھائے؛ جس کو ہم ''حفظ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے اوپر کا درجہ یہ ہے کہ اس کے معانی، مطالب اور مقاصد کو سمجھے کہ قرآنِ کریم ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے، قرآن کریم کے اندر انسانیت کو کیا پیغام دیا گیا ہے، اور اس میں کیا احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ سب سیکھنے اور سمجھنے کے بعد ان مقاصد کو پورا کرے، اور اس پر عمل کا اہتمام کرے۔ گویا یہ تمام چیزیں قرآنِ پاک کو سیکھنے اور سکھانے میں آجاتی ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی ان سب چیزوں کا جامع ہو؛ تو نورٌ علیٰ نور۔ اس کو سارے ہی فضائل علیٰ وجہ الکمال حاصل ہوں گے؛ ورنہ کم سے کم درجہ ناظرہ کا ہے۔

اس نے قرآن کی ناقدری کی

اسی لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ کسی آدمی نے قرآنِ پاک سیکھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ نعمت عطا فرمائی، اس کے بعد کسی اور صاحبِ نعمت کو اپنے سے افضل سمجھا؛ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک کی شکل میں جو نعمت اس کو دی گئی ہے، اس نے اس کی ناقدری کی (تاریخ الکبیر امام بخاری، ۳/۳۱۱۔ شعب الایمان، ۴/۱۷۸) گویا دنیا میں سب سے اونچی نعمت اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ قرآنِ پاک ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ ویسے بھی قرآنِ پاک دین کی بنیاد اور اصل ہے، دین کے سارے علوم کا منبع ہے، اسی لیے قرآنِ پاک کی ہر ہر چیز کی فضیلت آئی ہے۔

شرحِ احیاء میں علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ

کے عرش کے سایہ میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآنِ پاک پڑھاتے تھے، اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو بچپن میں قرآنِ پاک سیکھتے ہیں اور بڑے ہونے کے بعد تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں (اللآلی المصنوعۃ، ۱/۱۸۱۔ شعب الایمان ۱/۱۶۰) معلوم ہوا کہ ناظرہ قرآنِ پاک پڑھانے پر بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

قرآنِ پاک سیکھنے کے بعد کیا؟

یہ مضمون خاص طور پر اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ ہمارے سماج و معاشرہ میں بچوں کے لیے قرآنِ پاک کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے، مکتب سے اُٹھنے کے بعد اگر اس بچے کا سلسلہ کسی مدرسہ سے جڑ گیا تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر وہ اسکول یا کالج میں چلا گیا یا کسی دنیوی لائن تجارت وغیرہ میں لگ گیا، تو مکتب کے زمانہ میں جو قرآنِ پاک سیکھا تھا تلاوت اور قراءت کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے آدمی وہ بھی بھول جاتا ہے، حالاں کہ قرآنِ پاک کا حق ہے کہ آدمی روزانہ اس کے کچھ متعین حصہ کی تلاوت کرے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہترین ہے وہ شخص جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

ابو عبد الرحمٰن سُلمی رحمۃ اللہ علیہ اور خدمتِ قرآن

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو نقل کرنے والے ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سُلَمِی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بخاری شریف میں جہاں یہ روایت آئی ہے وہاں ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ یہی وہ حدیث ہے جس نے مجھے یہاں بٹھایا ہے۔ چناں چہ اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے شارحِ بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو عبد الرحمٰن سُلَمِی رحمۃ اللہ علیہ پوری زندگی اسی مشغلہ یعنی لوگوں کو قرآنِ پاک کے سکھانے میں لگے رہے، اور لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت سے لے کر حجاج بن

یوسف کے دورِ امارت تک یہی کام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری سال سے حجاج بن یوسف کی امارت کے اوّل سال تک اڑتیس (۳۸) سال ہوتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے پہلے سال سے لے کر حجاج بن یوسف کی امارت کے آخری سال تک بہتّر (۷۲) سال ہوتے ہیں؛ گویا اڑتیس (۳۸) سے لے کر بہتّر (۷۲) سال کے درمیان تک انہوں نے قرآنِ پاک کی تعلیم وتعلّم کا مشغلہ رکھا۔ یہی وہ روایت ہے جس کے پیشِ نظر اللہ کے مقبول بندوں نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کر دیں۔ معلوم ہوا کہ یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

اور ایک بات یہ ہے کہ یہاں ”خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ“ ”واؤ“ کے ساتھ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھلایا، یعنی دونوں کام کئے۔ اور بعض روایتوں میں ”أَوْ“ کے ساتھ بھی آیا ہے، یعنی ”خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ أَوْ عَلَّمَهُ“ (مسند احمد/ حدیث نمبر: ۴۱۳) جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس نے قرآن سیکھا، یا سکھایا، یعنی جو آدمی دونوں میں سے کوئی ایک کام بھی کرے گا؛ اس کو یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

ماہرِ قرآن کو دوہرا اجر

۹۹۴:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ. وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی قرآنِ پاک کو پڑھتا ہے، اور وہ اس کا ماہر ہے، تو وہ باعزت اور نکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو

آدمی قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں اٹکتا ہے جس کی وجہ سے قرآنِ پاک کی تلاوت والا عمل اس کو بھاری معلوم ہوتا ہے؛ تو اس کو دو ثواب ملیں گے۔

افادات:- ماہر یعنی بہت عمدگی کے ساتھ پڑھتا ہے اور خوب پڑھتا ہے، یعنی دونوں باتیں ہوں کہ زیادہ پڑھے اور اچھا پڑھے۔

''باعزت اور نکوکار فرشتے'' یعنی جو فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنے بندوں کے پاس لے کر آتے ہیں، خاص کر حضرت جبرئیل علیہ السلام اور ان کا قافلہ۔ اس لیے کہ اصل وحی لانے والے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی ہیں، لیکن جیسا کہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی آیتیں اور سورتیں وہ ہیں کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو لے کر آتے تھے تو فرشتوں کی ایک بڑی جماعت ساتھ میں ہوتی تھی، گویا قرآنِ پاک کو لانے والے قافلہ میں وہ بھی شامل ہیں۔ تو جو جماعت اوپر سے نیچے قرآنِ پاک لانے والی ہے وہی عمل یہ بندہ بھی کرتا ہے کہ یہ خود بھی پڑھتا ہے اور دوسروں تک پہنچاتا ہے؛ اسی مناسبت سے اس کو ان فرشتوں کے ساتھ مقام عطا کیا جائے گا۔

اٹکنے کی مشقت کا اجر

''اٹکتا ہے'' یعنی ابھی تک اس کو قرآنِ پاک پڑھنے میں مہارت اور پریکٹس نہیں ہوئی، اس لیے پڑھنے میں اٹکتا ہے۔ جس کام کی بھی آدمی کو پریکٹس نہیں ہوتی وہ کام کرنا اس کو بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اس تلاوتِ قرآن والے عمل کو چھوڑتا نہیں ہے، تو اس کو دو ثواب ملیں گے؛ ایک تو قرآنِ پاک کی تلاوت کا، اور دوسرا اس تلاوت میں مشقت و تکلیف اُٹھانے کا۔ گویا اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آدمی عمدہ پڑھنے والوں سے بڑھ جائے گا، بلکہ ان کا تو ایک

مخصوص مقام ہے جو ان کو اپنی حیثیت کی وجہ سے حاصل ہوگا، اور اس کو اس مشقت کی وجہ سے الگ سے اجر دیا جائے گا۔ دین کے اندر جتنے بھی اعمال ہیں ان کی خصوصیت یہی ہے کہ آپ ان میں سے کسی بھی عمل کو انجام دیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر جو جو فضیلتیں بتائی گئی ہیں وہ ساری ہی حاصل ہوں گی۔

معنوی چیزوں کو محسوس چیزوں سے سمجھو

۹۹۵:-عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :
مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الأُتْرُجَّةِ ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لاَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ، لاَرِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ. وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لاَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ مؤمن جو قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال ترنج کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو بھی بڑی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی بڑا اچھا ہوتا ہے (ایمان والے کے دل میں جو صفتِ ایمان ہے، اس کو تو مزہ اور ذائقہ سے تشبیہ دی، اور وہ قرآنِ پاک کی تلاوت کررہا ہے تو اس کی وجہ سے جو مہک پھیل رہی ہے اس کو خوشبو کے ساتھ تشبیہ دی) اور وہ مؤمن جو قرآنِ پاک کی تلاوت نہیں کرتا اس کا حال کھجور کی طرح ہے کہ اس میں کوئی خوشبو تو نہیں ہوتی، لیکن اندر مٹھاس بہت اچھی ہوتی ہے (تو جو مؤمن قرآنِ پاک کی تلاوت نہیں کرتا اس کے قلب میں ایمان ہے، جس کی وجہ سے مزہ تو میٹھا ہے، لیکن چوں کہ تلاوت

نہیں کرتا اس لیے باہر اس کا پتہ نہیں چلتا) اور اس منافق (یعنی وہ آدمی جس کے دل میں ایمان نہ ہو، لیکن باہر ایمان کا اظہار کرے، اس) کی مثال جو قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے اس پھول کی طرح ہے جس کی خوشبو تو بہت اچھی ہے، لیکن اس کا مزہ کڑوا ہے (قلب میں ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اندر تو کڑواہٹ ہے لیکن تلاوت کی مہک باہر پھیلتی ہے) اور اس منافق کی مثال جو قرآن بھی نہیں پڑھتا ہے حنظل جیسی ہے کہ اس میں خوشبو بھی نہیں ہے اور اندر سے مزہ بھی کڑوا ہے (اسی کو کریلا اور نیم چڑھا کہتے ہیں)۔

افادات:- دین کی بعض چیزوں کو سمجھانے کے لیے حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام مثالیں استعمال کرتے ہیں، کوئی مضمون ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب کے ذہن میں بٹھانے کے لیے اور آسانی سے مخاطب کی سمجھ میں آجائے اس کے لیے کسی دوسری چیز سے تشبیہ دے کر سمجھایا جاتا ہے۔ یہ بھی علم کا مستقل شعبہ ہے، اور اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے محدثین احادیث کی کتابوں میں مستقل ایک عنوان ''کتاب الامثال'' کا قائم کرتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی بہت سی چیزوں کو مثالوں کے ذریعہ سے سمجھایا ہے، جیسے فضائل کی تعلیم میں نماز کے بارے میں آپ نے پڑھا اور سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ سے سوال کیا کہ کسی آدمی کے گھر کے سامنے ایک نہر بہہ رہی ہو، اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے؛ تو بتلاؤ کہ اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہے گا؟ صحابہ نے کہا: نہیں رہے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی پانچ وقت کی نماز پڑھے وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک و صاف ہوجاتا ہے۔ دیکھو! گناہوں کی معافی کو سمجھانے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مثال دی اور بات کو بڑی آسانی سے سمجھا دیا۔ تو معنوی چیزوں کو محسوس چیزوں کے ساتھ پیش کر کے سمجھایا جاتا ہے۔ اس روایت میں بھی قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے

والا اور نہ کرنے والا، اور اس میں بھی مؤمن اور منافق؛ اس چیز کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسوس چیز سے تشبیہ دے کر سمجھایا ہے۔

''ترنج''، موسمبی اور سنترہ جیسا ایک پھل ہوتا ہے، جس کو ہمارے یہاں ''میٹھا لیموں'' کہتے ہیں، عرب کے علاقہ میں بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن ہمارے یہاں زمین کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اصلی ذائقہ نہیں پایا جاتا۔ بہت سے پھل ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو ناموافق زمین میں بویا جائے تو وہ پیدا تو ہوجاتے ہیں لیکن ان کی جو خوبیاں ہوتی ہیں وہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتیں، جیسے آم کو ناموافق زمین میں بویا جائے تو اگرچہ اس پر پھل تو آئیں گے لیکن اس کے اصل خواص نہیں آئیں گے۔

خیر! تو یہ ترنج عرب علاقوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے، اور اس کے بہت سے خواص اور فائدے بتلائے گئے ہیں، ایک فائدہ یہ بھی بتلایا ہے کہ یہ پھل جس گھر میں ہوتا ہے وہاں جن نہیں آتے۔ جو لوگ جنات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے تعویذ لینے عاملوں کے پاس دوڑتے رہتے ہیں، ان کو چاہیے کہ یہ پھل اپنے گھر کے کسی کونے میں لٹکا دیں۔

عزت دلانے اور ذلیل کرنے والی کتاب

۹۹۶:- عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الکِتَابِ أَقْوَاماً وَیَضَعُ بِهِ آخرِینَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کتاب (یعنی قرآنِ پاک) کی وجہ سے بہت سی قوموں کو سربلندی اور عزت عطا فرماتے ہیں، اور اسی قرآن کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ذلیل ورسوا کرتے ہیں۔

افادات:- جولوگ قرآنِ پاک کو پڑھتے پڑھاتے، سمجھتے اور دوسروں کو سمجھاتے ہیں، خود عمل کرتے ہیں اور اپنی زندگی میں اس کو اتارتے ہیں، پھر دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کے حقوق کو ادا کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ ان کو عزت و سربلندی عطا فرماتے ہیں۔ اور جولوگ اس کے حقوق کو ادا نہیں کرتے، نہ پڑھتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں، نہ عمل کرتے ہیں؛ تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔ گویا اس قرآن ہی کو اللہ تعالیٰ نے عزت و ذلت کا معیار بنایا ہے، اس لیے جولوگ جس مقدار میں اس کے حقوق کو ادا کریں گے، اسی مقدار میں اللہ تعالیٰ عزت دیں گے۔ جس میں ساری چیزیں آجاتی ہیں اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ مقام ملتا ہے، اور اگر حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام تو کرتے ہیں لیکن پورا پورا نہیں ہے، جیسے: جولوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن عمل کا اہتمام نہیں کرتے، یا عمل تو کرتے ہیں لیکن اس میں کوتاہی کرتے ہیں، تو وہ بالکل ذلیل تو نہیں ہوں گے، لیکن عزت کا اعلیٰ معیار ان کو حاصل نہیں ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قوموں کی عزت اور ذلت کو اسی کے ساتھ جوڑ دیا ہے:-

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہوکر ❁ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک کو چھوڑنے کی وجہ سے رسوائی آتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافع بن عبدالحارث کو مکہ کا گورنر بنایا تھا، اور ان کی عادت تھی کہ اپنے گورنروں کا جائزہ لیتے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا: تم نے جنگلات کا حاکم کس کو بنایا ہے؟ انہوں نے کہا: ابن اُبزیٰ کو۔ پوچھا: یہ ابن اُبزیٰ کون ہے؟ کہا: ہمارا ایک غلام ہے۔ فرمایا: ایک غلام کو تم نے حاکم بنایا؟ انہوں نے جواب دیا: وہ قرآن کا پڑھنے والا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کہا: ہاں! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے

عزت عطا فرماتے ہیں۔ اگر چہ وہ غلام ہے لیکن چوں کہ اس نے قرآنِ پاک پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اونچا مقام عطا فرمایا۔ اور جو آدمی قرآن کو چھوڑتا ہے اس کو یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔

اسی لیے یہ روایت بعض کتبِ حدیث بیہقی وغیرہ میں ذرا تفصیل سے آئی ہے جس میں یہ بھی ہے: ''مَنْ بطّأَبِهٖ عَمَلُهٗ، لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ'' جس کو اس کا عمل پیچھے رکھے گا تو پھر اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ نسب کی شرافت اپنی جگہ پر ہے، لیکن جو آدمی نسبی شرافت کے باوجود اعمال کے معاملہ میں کوتاہی کرتا ہے، تو عملی کمزوری کی وجہ سے وہ پیچھے رہ جائے گا؛ پھر اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔

قابلِ رشک آدمی

۹۹۷:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَاحَسَدَ إِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ یَقُومُ بِهٖ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَهُوَ یُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ. (متفقٌ عَلَیْهِ) ((والآنَاءُ)): السَّاعَاتُ.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسد جائز نہیں ہے مگر دو چیزوں میں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو قرآنِ پاک عطا فرمایا ہو (یعنی جس نے قرآنِ پاک سیکھا ہو، اور اچھی طرح پڑھتا ہو) پھر وہ اس قرآن کو لے کر دن رات کھڑا رہتا ہو (یعنی نمازوں میں کھڑے ہو کر پڑھتا رہتا ہو، اسی طریقہ سے عملی طور پر مستعد ہو اور عمل کا اہتمام کرتا ہو، تو یہ آدمی اس قابل ہے کہ اس کو دیکھ کر تمنا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ چیز عطا فرمادے) اور دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، اور وہ اس کو رات دن اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہو۔

افادات:- کسی کے پاس صرف مال دیکھ کر رشک نہیں کر سکتے، بلکہ جو آدمی اس مال کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں بے دھڑک اور بے دریغ خرچ کرتا ہو؛ تو وہ آدمی اس قابل ہے کہ آپ اس پر رشک کریں اور تمنا کریں کہ اے اللہ! مجھے بھی ایسا بنا تاکہ مَیں بھی اسی طرح نیکی کے کاموں میں مال خرچ کروں۔

''حسد'' اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملی ہو، تو اس کی اس نعمت کو دیکھ کر دل میں جلن پیدا ہو، اور یہ خیال پیدا ہو کہ مجھے مل جائے اور اس کے پاس نہ رہے؛ یہ تو حرام کام ہے۔ تو پھر یہاں دو چیزوں میں کیسے جائز ہے؟ علماء نے اس حدیث کے مطلب کو واضح کیا ہے۔ ایک مطلب تو یہ بیان کیا ہے کہ اگر حسد جائز ہوتا تو ان دو چیزوں میں جائز ہوتا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہاں حسد بول کر غبطہ مراد ہے، جس کو اردو میں رشک کرنا کہتے ہیں، یعنی کسی صاحبِ نعمت سے اس نعمت کے چھن جانے کی تمنا نہ کرے، بلکہ اس کی نعمت دیکھ کر دل میں یہ تمنا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس بھی وہ نعمت باقی رکھے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہو جائے۔ تو علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حسد بول کر غبطہ اور رشک مراد ہے۔ اس لیے کہ انسان کا مزاج ایسا ہے کہ جب کسی کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھتا ہے تو اس کے دل میں بھی یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ مجھے بھی یہ چیز مل جائے۔ تو گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر چیز دیکھ کر دل میں ایسی تمنا نہ کرو؛ ہاں! یہ دو چیزیں اس قابل ہیں کہ اگر کسی کے اندر وہ نظر آئیں تو آپ اپنے دل میں یہ تمنا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ عطا فرما دے۔

ٹینشن دور کرنے کا نسخہ

۹۹۸:- وعن البراءِ بن عازِبٍ رضی اللہ عنہما قال: كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ

الْكَهْفِ، وَعِنْدَهُ فَرَسٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ، فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ، فَجَعَلَتْ تَدْنُو، وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ مِنْهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ.

((الشَّطَنُ)) بفتحِ الشينِ المعجمةِ والطاءِ المهملة: الحَبْلُ.

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک صحابی سورۂ کہف کی تلاوت کرر ہے تھے، اوران کے پاس ان کا گھوڑا دوہری (ڈبل) رسّی سے بندھا ہوا تھا (ان کی اس تلاوت کی وجہ سے) ایک بادل سا ان کے اوپر سایہ ڈالنے لگا اور قریب ہونے لگا، یہ منظر دیکھ کر ان کا گھوڑا بدکنے لگا (دوسری روایت میں ہے کہ وہیں قریب میں ان کا بچہ بھی لیٹا ہوا تھا، ان کو ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گھوڑا بدک کر بچہ کو نقصان پہنچا دے۔ اس لیے انہوں نے تلاوت کا سلسلہ بند کر دیا تو وہ بادل اوپر چلا گیا) جب صبح ہوئی تو نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا تذکرہ کیا (کہ اے اللہ کے رسول! آج رات ایسا قصہ پیش آیا) یہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ایک سکینہ تھا جو قرآنِ پاک کی وجہ سے نازل ہو رہا تھا۔

افادات:- ’’سکینہ‘‘ کی مختلف تشریحات کی گئی ہیں، ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک خاص کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک پڑھنے والے کے اوپر طاری کی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں اس کو ایک خاص قسم کا سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ بعضوں نے اس کی شکل وصورت بھی بیان کی ہے، لیکن اس کا اصل اثر جو دل پر ہوتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے دل کو سکون وطمانینت نصیب ہوتی ہے۔

آج اس زمانہ میں جب کہ ہر آدمی اپنے دل کی بے چینی کی شکایت کر رہا ہے، اور ہر ایک ٹینشن میں ہے، ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ میں بہت پریشان ہوں؛ اور اس کے

لیے بزرگوں سے وظیفے پوچھتے رہتے ہیں؛ تو سکون واطمینان حاصل کرنے کے لیے اس سے عمدہ نسخہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کیا جائے۔

ہر ہر حرف الگ الگ عمل

۹۹۹:- وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ حَسَنَةٌ، وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لاَ أقول: ألم حَرْفٌ، وَلٰكِنْ: أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلاَمٌ حَرْفٌ، وَمِيمٌ حَرْفٌ. (رواه الترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآنِ پاک کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی، اور ایک نیکی دس کے برابر ہے (گویا ایک حرف پر دس نیکی ہوئی) مَیں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، اور لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے۔

افادات:- اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف اعمال پر مختلف اجر کے وعدے کئے گئے ہیں، اور کہیں دس گنا، کہیں سو گنا، کہیں سات سو گنا ملتا ہے۔ اور پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ ثواب پورے عمل کا ہوتا ہے، جیسے نماز کا اتنا ثواب ہے، اور روزہ کا اتنا ثواب ہے، تو اسی طرح اگر آپ سورۂ فاتحہ پڑھیں تو پوری سورۂ فاتحہ ایک عمل ہے، اس لیے قاعدہ کے مطابق تو اس پورے عمل پر دس نیکیاں ملتیں، لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس پورے عمل میں ایسا نہیں ہے بلکہ سورۂ فاتحہ کے ہر ہر حرف پر آپ کو ایک ایک نیکی ملے گی۔ دوسرے اعمال میں تو مجموعی طور پر ایک عمل شمار کیا جاتا ہے، جیسے حج کروگے تو اس کی یہ فضیلت ہے، نماز پڑھوگے تو اس کی یہ فضیلت ہے، اور روزہ رکھوگے تو اس کی یہ فضیلت ہے، لیکن قرآنِ پاک کی تلاوت میں ایسا نہیں ہے کہ اگر پانچ پارے

پڑھے تو یہ ایک عمل ہوا، بلکہ ان پانچ پاروں میں جتنے حروف آئے ہیں ہر ہر حرف پر ایک نیکی، اور ایک نیکی دس گنا؛ تو اندازہ لگائیے کہ کتنا بڑا ثواب ملا۔ گویا اس کے ہر ہر جزو کو الگ الگ عمل شمار کیا گیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: ''الٓم'' سے مراد حروفِ مقطعات ہیں یعنی وہ حروف جو الگ الگ کر کے پڑھے جاتے ہیں۔ حروف دو طرح کے ہیں، عام دستور تو یہ ہے کہ جب ایک حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر لکھا گیا ہو، جیسے ''عینؔ، بآء اور دآل'' کو ملا کر لکھا گیا ہے تو ''عَبْد'' پڑھیں گے، الگ الگ نہیں پڑھیں گے۔ حروف سے کلمات بنتے ہیں اور کلمات جوڑ کر پڑھے جاتے ہیں، لیکن قرآنِ پاک کے اندر بعض حروف ایسے ہیں جو ملا کر لکھے جاتے ہیں تب بھی ان کو الگ الگ ہی پڑھتے ہیں، جیسے سورۂ بقرہ کے شروع میں الف، لام اور میم کو ملا کر لکھا ہوا ہے تو ہم اس کو ''اَلَم'' نہیں پڑھتے حالاں کہ قاعدہ کا تقاضہ تو یہی تھا کہ ''اَلَم'' پڑھا جاتا لیکن الفؔ، لامؔ، میمؔ پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قرآنِ پاک کو جب تک کسی کے پاس پڑھنا نہ سیکھا جائے وہاں تک پڑھنا نہیں آ سکتا، اس لئے کہ جو آدمی اپنی عقل سے پڑھے گا وہ اس کو الفؔ، لامؔ، میمؔ نہیں پڑھے گا، بلکہ ''اَلَم'' پڑھے گا۔ خیر! بعضوں نے کہا کہ اس سے مراد حروفِ مقطعات ہیں، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد ''أَلَمْ تَرَ كَيْفَ'' اور اس طرح کے دوسرے کلمات ہیں جو آیتوں کے شروع میں بھی ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی پوری تلاوت ایک عمل نہیں، بلکہ ہر ہر حرف الگ الگ عمل شمار ہوتا ہے، اور اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ثواب دیا جاتا ہے۔

ویران گھر

۱۰۰۰:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ الَّذِي

لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ. (رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی جس کے دل میں قرآن کا کوئی حصہ نہ ہو؛ ویران گھر کی طرح ہے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ ہر مؤمن کو قرآنِ پاک کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور یاد کرلینا چاہیے۔ ویسے بھی قرآنِ پاک کی اتنی مقدار کا زبانی یاد کرنا فرضِ عین ہے جس کا نماز کے اندر پڑھنا فرض ہے۔ اور جتنی مقدار کا پڑھنا واجب ہے، اتنی مقدار یاد کرنا واجب ہے۔ اور جتنی مقدار پڑھنا سنت ہے اتنی مقدار کا یاد کرنا سنت ہے۔ اس لیے آدمی اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق قرآنِ پاک کا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد اور محفوظ کرلے؛ تو اچھا ہے۔

''ویران گھر کی طرح ہے'' حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ: فارسی میں مثل مشہور ہے: ''خانۂ خالی را دیومی گیرد'' جو گھر ویران ہوتا ہے اس پر شیطانوں کا قبضہ ہوجاتا ہے، اسی طرح جس دل اور جسم میں قرآنِ پاک کا کوئی بھی حصہ محفوظ نہیں ہوتا اس کے اوپر شیاطین کا تسلط ہوجاتا ہے۔ ہاں! اگر وہاں قرآنِ پاک ہوگا تو فرشتوں کی برکتیں شاملِ حال ہوں گی۔

صاحبِ قرآن کون ہے؟

۱۰۰۱:- وعن عبد اللهِ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما عن النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيةٍ تَقْرَؤُهَا. (رواہ أبو داود والترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل

کرتے ہیں: صاحبِ قرآن (یعنی قرآن والے) سے (قیامت کے روز) کہا جائے گا کہ قرآنِ پاک پڑھتا جا، اور جنت کے درجات چڑھتا جا (ترقی کرتا جا) اور اُسی طرح ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھ جس طرح تو دنیا کے اندر پڑھتا تھا؛ اس لیے کہ جنت میں تیرا مقام قرآنِ پاک کی وہ آخری آیت ہے جو تو پڑھے گا۔

افادات:- صاحبِ قرآن (قرآن والے) سے کون مراد ہے؟ تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہاں قرآن والا بول کر حافظِ قرآن مراد لیا گیا ہے۔ گویا اس کا قرآنِ پاک کے ساتھ خصوصی تعلق ہونے اور قرآنِ پاک یاد کر لینے اور محفوظ کر لینے کی وجہ سے اس کو صاحبِ قرآن کہا گیا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا: جو آدمی حافظ نہیں ہے، لیکن ناظرہ بھی خوب کثرت سے پڑھتا رہتا ہے، اور کئی کئی پارے روزانہ پڑھتا ہے؛ وہ بھی صاحبِ قرآن کے مصداق میں آجاتا ہے۔

ترتیل کسے کہتے ہیں؟

ترتیل کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ: چند چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے جب آدمی قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو ترتیل سے تلاوت کرنا کہتے ہیں:-

[۱]:- تصحیح حروف؛ یعنی وہ تمام حروف جن سے قرآنِ پاک کے کلمات بنے ہیں، ان کو اپنے مخارج سے صحیح طریقہ سے ادا کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ بہت سے لوگ قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ہیں لیکن حروف کو صحیح مخارج سے ادا کرنے کی طرف توجہ

نہیں کرتے، تو پھر تلاوت کی جو فضیلت اور ثواب ہے وہ ان کو حاصل نہیں ہوگا، بلکہ جیسا کہ بعض روایت میں آتا ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے (احیاء علوم الدین، ۲/ ۳۲) تو حروف کو صحیح طریقہ سے ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ لوگ اس وعید کے مصداق بنتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ صحیح طریقہ سے حروف کی ادائیگی سیکھ لی جائے، اگر یہ کمزوری ہے تو ہر ایک کو چاہئے کہ اس کی طرف خصوصی توجہ دے، محنت کرے اور اپنی اس کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ اس کی طرف بہت زیادہ توجہ دلاتے تھے اور اہتمام فرماتے تھے، یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء بھی جب آپ کی خدمت میں پہنچتے تھے؛ ان کو بھی اس سلسلہ میں بخشتے نہیں تھے اور بڑی تاکید فرماتے تھے، بلکہ ان سے بھی نورانی قاعدہ درس کے طور پر پڑھواتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت اہم چیز ہے، اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ تو ایک تصحیح حروف ہے۔

۲ :- دوسری چیز رعایتِ اوقاف۔ یعنی قرآن پڑھتے ہوئے کہاں ٹھہرنا چاہئے اور کہاں ملا کر پڑھنا چاہئے۔ اس لیے کہ بہت سی مرتبہ آدمی غلط جگہ پر ٹھہر جاتا ہے، یا جہاں ملانا نہیں چاہئے اس کو ملا کر پڑھتا ہے، تو معنیٰ بدل کر کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس لیے قرآن پڑھتے ہوئے کہاں ٹھہرنا ہے اور کہاں نہیں ٹھہرنا؛ یہ جاننا بھی ضروری ہے۔ اس موضوع پر بھی ماہرینِ قراءت نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

۳ :- اشباعِ حرکات۔ یعنی زبر، زیر، پیش کو پورے طور پر ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ بہت سے لوگ جلدی اور عجلت سے پڑھنے کے شوق میں حرکات کو پورے طور پر ادا نہیں کرتے، یہ بہت غلط طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ مَیں ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے سورۃ اذا زلزلت الارض اور دوسری چھوٹی سورتیں پڑھوں؛ یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ جلدی جلدی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پوری کر دوں۔ تو بہت سے لوگ اس شوق میں ان چیزوں کی رعایت نہیں کرتے تا کہ تلاوتِ قرآن کی مقدار بڑھ جائے؛ تو یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔

۴:- چوتھی چیز یہ ہے کہ جہاں مدّ یا تشدید ہو، اس کو پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۵:- پانچواں: آدمی ذرا سا جہر اور آواز کے ساتھ پڑھے۔

۶:- چھٹا: آواز میں درد کی کیفیت پیدا کرے۔ یعنی پڑھنے والا اس انداز سے پڑھے کہ سننے والے کو محسوس ہو کہ اس کے دل میں خوفِ خدا ہے۔

۷:- ساتویں چیز یہ ہے کہ جہاں آیتِ رحمت ہو وہاں ٹھہر جائے اور اللہ کی رحمت کا سوال کرے۔ اسی طریقہ سے جہاں آیتِ عذاب آئے وہاں بھی ٹھہر جائے اور اللہ کے عذاب سے پناہ چاہے۔

آدمی جب ان سات چیزوں کی رعایت کرے گا تب کہا جائے گا کہ اس نے ترتیل کے ساتھ قرآنِ پاک پڑھا۔ اب ہمارے یہاں اس ساتویں بات کا تو اہتمام ہی نہیں کیا جاتا، پڑھے لکھے لوگ بھی اس طرف دھیان نہیں دیتے، حالاں کہ اسلاف کے حالات میں لکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے ایسے مواقع پر ٹھہر جاتے تھے اور دعا میں مشغول ہو جاتے تھے۔ لہٰذا اہلِ علم کو خاص طور پر متوجہ کرنے کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ اس بات کا خوب اہتمام کریں، آج اس کیفیت کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کے درجات بھی قرآنِ پاک کی آیتوں کے بقدر ہیں۔ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ جو تجوید وقراءت کے ائمہ میں سے شمار ہوتے

ہیں وہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی آیتیں چھ ہزار ہیں اس پر تو سب کا اتفاق ہے، اس کے بعد کی تعداد میں قراء کے یہاں اختلاف ہے۔ گویا قرآنِ پاک کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں، اور اسی تعداد کے مطابق جنت کے درجات بھی ہیں۔

اب یہاں کون سے درجات مراد ہیں؟ تو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی رائے عالی تو یہ ہے کہ نفسِ ایمان پر جنت میں داخلہ تو نصیب ہو جائے گا، اس کے بعد ترقیٔ درجات کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ قرآنِ پاک پڑھتے جاؤ، اور جنت کے درجات میں ترقی کرتے جاؤ۔ اس لیے آدمی جب قرآنِ پاک حفظ کرے گا اور پھر اس کو پڑھنے کا اہتمام بھی کرے گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اتنے ہی درجات سے اس کو مالا مال فرمائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے

باب الأمر بتعهد القرآن والتحذير عن تعريضه للنسيان

قرآنِ پاک کو یاد کر لینے کے بعد اس کو یاد رکھنے کا اہتمام کرنا

دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک تو قرآنِ پاک کا حفظ یاد کر لینا، اس کے بعد دوسری چیز یہ ہے اس کو یاد رکھنے کا اہتمام کرنا۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بچپن میں ماں باپ اپنے شوق اور توجہ سے بچہ کو درجہ ٔحفظ میں بٹھا دیتے ہیں اور بچہ بھی اس وقت قرآنِ پاک کو یاد کر لیتا ہے، لیکن بڑے ہونے کے بعد پھر اس کو یاد رکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ ابھی گذشتہ دنوں ہمارے کچھ احباب نے یہاں سورت میں حفاظ کے لیے مخصوص انداز سے ایک کوشش شروع کی تھی کہ حفظ کر لینے کے بعد اس کی طرف سے جو لوگ غفلت کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کو پڑھنے کے معاملہ میں، حفظ یاد رکھنے کے معاملہ میں اور پھر عمل کے معاملہ میں بھی کمزوریاں آ جاتی ہیں؛ ان سب کو دور کیا جائے۔ یہ بہت اہم چیز ہے جس کی طرف توجہ کرنی چاہیے، اسی کو اس عنوان میں بتلاتے ہیں کہ یاد کر لینے کے بعد اس کی طرف سے غفلت برت کر اس کو بھولنے سے بچایا جائے۔

قرآن اونٹ سے جلدی چھوٹ جاتا ہے

۱۰۰۲:- عن أَبي موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: تَعَاهَدُوا هٰذَا

الْقُرْآنَ فَوَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَھُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتاً مِنَ الإِبِلِ فِی عُقُلِھَا (متفقٌ عَلَیْہِ)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآنِ پاک کی حفاظت کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! یہ قرآن اس سے جلدی چھوٹ جانے والا ہے جتنی جلدی اونٹ اپنی رسی میں سے چھوٹ جاتا ہے۔

افادات:- یعنی اس کو یاد کر لینے کے بعد یاد رکھنے اور حفاظت کا اہتمام کرنا چاہیے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ روزانہ اس کی تلاوت کی جائے، اس پر عمل کا اہتمام کیا جائے اور اس کے حقوق کی رعایت و آداب کا بھی اہتمام کیا جائے۔ قرآنِ پاک کو جتنا کثرت سے پڑھیں گے اتنا ہی وہ محفوظ رہے گا۔

پہلے بھی کبھی مَیں بتلا چکا ہوں کہ جس طرح گائے کے گلے میں باقاعدہ پٹہ ڈالا جاتا ہے، اور رسّی سے اس کو باندھا جاتا ہے، اس طرح اونٹ کو باندھا نہیں جاتا، بلکہ عربی رومال کے اوپر عرب حضرات جو پٹہ جیسا رکھتے ہیں جس کو ''عقال'' کہتے ہیں وہ اسی سے ماخوذ ہے۔ تو اونٹوں کے آگے والے پیروں میں ''عِقَال'' لگا دیتے ہیں، اور اونٹوں کا جہاں باڑا ہوتا ہے جس میں سودوسو اونٹ رہتے ہیں، وہاں سب اونٹوں کے پاؤں میں ''عقال'' لگا کر چھوڑ دیتے ہیں، اور ان کی نگرانی کے لیے ایک آدمی مقرر ہوتا ہے تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ اگر ان کی طرف سے ذرّہ بھی غفلت برتی جائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ رسّی جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہے اس کو نکال کر کوئی اونٹ بھاگ جائے۔ اور جانور کی عادت ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ جب بدک جاتا ہے اور ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو پھر اس کو قابو میں لانا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ جن لوگوں نے قرآنِ پاک کو یاد تو بڑی آسانی سے کر لیا ہوتا ہے، لیکن نہ پڑھنے اور غفلت

کے نتیجہ میں بھول گئے، تو پھر دوبارہ قرآنِ پاک کو یاد کرنا ان کے لیے بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآنِ پاک کا حق یہ ہے کہ اس کو کثرت سے پڑھا جائے اور اس کو یاد رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ حافظ آدمی روزانہ کم سے کم تین پاروں کی تلاوت کا اہتمام کرے، اور اگر ایک منزل یا اس سے زیادہ جتنی اس کی طاقت ہو پڑھے تو بہت اچھا ہے، لیکن حافظ کو کم سے کم تین پاروں کا اہتمام تو کرنا ہی چاہیے۔

۱۰۰۳:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالَ: إنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ الإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أمْسَكَهَا، وَإنْ أطْلَقَهَا ذَهَبَتْ.

(متفقٌ عَلَيْہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صاحبِ قرآن (یعنی حافظِ قرآن) کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے کہ اگر اس کی نگرانی کی جائے تو وہ محفوظ رہے گا، اور اگر اس کی طرف سے غفلت برتی جائے، تو وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

افادات:- مسلم شریف کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ جب حافظِ قرآن رات کو اُٹھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا رہے گا تو قرآن کو محفوظ رکھے گا، لیکن اگر قیام اللیل میں تلاوت نہیں کرے گا؛ تو قرآنِ کریم کو بھول جائے گا۔

قرآن کریم بھول جانے پر وعیدات

حدیثِ پاک میں آتا ہے، حضرت أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ثواب میرے روبرو پیش کئے گئے یہاں تک کہ اس تنکے اور خس وخاشاک کا ثواب بھی پیش ہوا جس کو آدمی مسجد سے باہر نکالتا ہے،

اسی طرح امت کے گناہ بھی مجھ پر پیش کئے گئے تو میں نے ان میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآنِ پاک کی کوئی سورت یا کوئی آیت یاد ہو اور پھر وہ اس کو بھول گیا ہو۔ (ترمذی وابوداود)

ایک روایت میں ہے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآنِ پاک پڑھے پھر اس کو بھول جائے تو قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوڑھی ہو کر (یا ہاتھ کٹا ہوا ہونے کی حالت میں) حاضر ہوگا۔ (کوڑھ وہ بیماری ہے کہ جس سے ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء گل سڑ جاتے ہیں اور انسانی بدن کا گوشت گل سڑ کر گِر جاتا ہے۔)

جمع الفوائد میں یہ روایت نقل فرمانے کے بعد آیتِ ذیل کو دلیل بنایا ہے:

إِقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْراً، قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى۔﴾ اگر تم چاہو تو دلیل کے طور پر یہ آیتیں پڑھ کر دیکھ لو: ''جو شخص ہمارے ذکر (قرآن) سے اعراض کرتا ہے اس کی زندگی تنگ کر دیتے ہیں، اور قیامت کے روز اس کو اندھا کر کے اُٹھائیں گے (کوڑھی بھی اندھے کے حکم میں ہے) وہ عرض کرے گا کہ: یا اللہ! میں تو آنکھوں والا تھا، مجھے اندھا کیوں اُٹھایا؟ ارشاد ہوگا: اس لیے کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئی اور تو نے ان کو بھلا دیا، پس آج تو بھی اسی طرح بھلا دیا جائے گا۔ یعنی تیری کوئی اعانت نہیں''۔

جس نے قرآنِ کریم کی (حفظ یا ناظرہ) تعلیم حاصل کی، اور پھر قرآن کو لٹکا کر رکھ دیا، نہ اس کی منزل پڑھی، اور نہ اس کو دیکھنا تک گوارا کیا؛ تو قرآنِ کریم قیامت کے دن ایسے آدمی کے ساتھ چمٹا ہوا آئے گا اور کہے گا: اے رب العالمین! تیرے اس

بندے نے مجھے بالکل نظر انداز کررکھا تھا، پس میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمائیے (ظاہر ہے کہ وہاں اس آدمی کو کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا، اور قرآن کے حق میں فیصلہ صادر ہوکر ایسے آدمی کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (والعیاذ باللہ) (جامع الاحکام قرطبی)

تفسیر قرطبی میں اُسد بن موسیٰ کی کتاب سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوزخ کے درمیان ایک میدان ہے جس سے خود دوزخ روزانہ سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ اس میدان میں ایک کنواں ہے جس کے شر سے دوزخ اور وہ میدان دونوں روزانہ پناہ مانگتے ہیں۔ اس کنویں میں (زہردار، سخت آواز) ایک سانپ رہتا ہے، اس سانپ کے شر سے روزانہ دوزخ، میدان اور کنواں تینوں؛ سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں، اس کنویں کو اللہ پاک نے ان بدبخت حفاظِ قرآن کے عذاب کے لیے مقرر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کا یہ کہنا کتنا برا ہے کہ مَیں فلاں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ اس کو کسی گناہ کی نحوست کی وجہ سے وہ آیت بھلادی گئی ہے (لہٰذا وہ استغفار کرے) اور تم قرآن کا تکرار کرتے رہا کرو، کیوں کہ وہ بغیر تکرار کے آدمیوں کے سینوں سے چوپایوں سے بھی جلدی اور تیزی کے ساتھ نکل جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

عبد اللہ بن مبارک کی کتاب الزہد سے نقل کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے قرآن سیکھا، پھر بھول بھول گیا، اس کے بارے میں یہ بات یقینی ہے کہ اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے (جس کی سزا میں اس کو قرآن بھلادیا گیا) اس کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾ تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے

پہنچتی ہے، اور بہت سے گناہوں کوتو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرمادیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ قرآنِ پاک کا بھول جانا سب سے بڑی مصیبت ہے، لہٰذا وہ لامحالہ کسی گناہ ہی کی وجہ سے پہنچی ہے۔ (کتاب الزہد لابن مبارک، حاشیۂ تبیان۔ ص:۲۸)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: انتہائی بڑا گناہ جس کی میری امت کو قیامت کے دن پوری پوری سزا ملے گا یہ ہے کہ امت میں سے کسی کو کتاب اللہ کی کوئی سورت یاد ہو، اور پھر وہ اس کو بھول گیا ہو۔ (قیام اللیل)

عکرمہ اور مجاہد دونوں کا قول ہے کہ جب کوئی قرآن سیکھے اور پھر اس کو بھلا دے، قیامت کے دن قرآنِ پاک آئے گا اور اس سے کہے گا: اگر تو مجھے یاد رکھتا تو آج مَیں تجھے اونچے درجے پر پہنچادیتا، لیکن تو نے غفلت و کوتاہی برتی، لہٰذا مَیں بھی آج تیری اس خدمت سے قاصر ہوں۔ (قیام اللیل)

قرآنِ پاک کو بھول جانے والے کے لیے اور بھی بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کی نعمت عطا فرمائی ہے اس کی نہایت ہی قدر کریں، اور اس کی قدر یہی ہے کہ اس کو کثرت سے پڑھا جائے۔

باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن وطلب القراءة من حسن الصوت والاستماع لها

ایک اور عنوان قائم کیا ہے کہ قرآنِ پاک پڑھنے میں آدمی کو یہ کوشش بھی کرنی چاہئے کہ اپنی مقدور بھر جتنی اچھی آواز سے پڑھ سکتا ہو؛ اس کا اہتمام کرے۔ اور جو اچھی طرح پڑھتے ہیں ان سے سننے کی درخواست کرنا بھی قرآنِ پاک کے آداب میں سے ہے۔

بوقتِ تلاوت یہ مراقبہ کیا جائے

۱۰۰۴:- وعن أبي هريرةؓ قال سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول: مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

مَعْنَى ((أَذِنَ الله)) : أي اسْتَمَعَ، وَهُوَ إِشَارَةٌ إِلَى الرِّضَا والقَبولِ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اتنی توجہ نہیں دیتے جتنی اس نبی کی طرف توجہ فرماتے ہیں جو اچھی آواز والے ہوں اور قرآنِ پاک کو جہراً پڑھیں۔

افادات:- ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی قرآنِ پاک کے حقوق و آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہوئے ہی پڑھیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی

بندہ جب قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ اسی لیے اکابر فرماتے ہیں کہ آدمی قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے وقت یہ تصور کرے کہ: **''میں پڑھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ میری تلاوت کو سن رہے ہیں اور توجہ فرما رہے ہیں''** جیسے کوئی بڑا آدمی سن رہا ہو تو آدمی کیسے اہتمام کے ساتھ حقوق و حدود اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرتا ہے، اسی طرح پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

لحنِ داودی عطا کیے ہوئے صحابی

۱۰۰۵:- وعن أبي موسى الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالَ لَهُ: لَقدْ أُوتِيتَ مِزْمَاراً مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

وفي رواية لمسلمٍ: أنَّ رسولَ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالَ لَهُ: لَوْ رَأَيْتَنِي وَأَنَا أَسْتَمِعُ لِقِرَاءتِكَ الْبَارِحَةَ.

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: تم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ایک حصہ عطا فرمایا ہے۔

افادات:- ''مِزْمَار'' اصل میں بنسری کو کہتے ہیں جس میں سے سریلی آواز نکلتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی یعنی اچھی آواز عطا فرمائی تھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب زبور- جو ان پر نازل کی گئی تھی- کی تلاوت کرتے تھے، اور ان کی تلاوت کی طرف تمام مخلوقات متوجہ ہوتی تھیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، ایک مرتبہ وہ رات میں قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر تک ان کی تلاوت کو توجہ سے سنتے رہے، دوسرے روز حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ کل رات تم قرآنِ پاک کی تلاوت کررہے تھے، تو مَیں اس کو خوب توجہ اور دھیان سے سن رہا تھا۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت أبوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں "لَحَبَّرْتُ تَحْبِيْراً" تو مَیں اور اچھا کر کے پڑھتا، یعنی آپ نے جو سنا وہ تو اچھا ہی تھا، لیکن اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ توجہ سے سن رہے ہیں تو مَیں اور زیادہ عمدہ طریقہ سے پڑھتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کو اچھی طرح پڑھنا شریعت کی نگاہوں میں مطلوب ہے۔ اور اللہ کے کسی نیک و مقبول بندہ کو سنانے کے لیے اور اس کو مزید مسرت ہو اس کے لیے مزید اچھا کر کے پڑھنا ریا میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی میں داخل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت کا منظر

۱۰۰۶:- وعن البَرَاءِ بنِ عازِبٍ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ، فَمَا سَمِعْتُ أَحَداً أَحْسَنَ صَوْتاً مِنْهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قراءت فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے عشاء کی نماز میں سورۂ والتین کی تلاوت فرمائی، اور آپ سے اچھی آواز والا مَیں نے کسی کو نہیں سنا۔

افادات:- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام کمالات پورے طور پر عطا فرمائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز بھی ایسی ہی عمدہ تھی، تو ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عمدہ قراءت اور کس کی ہو سکتی ہے!

بہر حال! آداب میں سے یہ ہے کہ آدمی جب قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا ہو تو اچھے سے اچھے ڈھنگ سے پڑھنے کی کوشش کرے۔ البتہ یہ لکھا ہے کہ اہلِ عشق اور گانے بجانے والے جس طرح آوازیں اور سُریں نکالتے ہیں اس سے اپنے آپ کو بچائے، اسی لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ قرآن کو اہلِ عرب کے لہجہ میں پڑھو، اہلِ عشق اور گانے بجانے والوں کے لہجوں میں نہ پڑھو (مشکوٰۃ المصابیح) اس پر بھی بہت سخت وعیدات آئی ہیں۔

قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنا چاہیے

۱۰۰۷:- وعن أَبي لُبَابَةَ بشير بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه أبو داود بإسناد جيدٍ)

معنى ((يَتَغَنَّى)): يُحَسِّنُ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ.

ترجمہ:- حضرت ابولبابہ بشیر بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآنِ کریم کو اچھی آواز سے نہیں پڑھا؛ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

افادات:- معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک کو پڑھنے میں اچھے طرز کی کوشش کرنی چاہیے۔ بعضوں نے ''يَتَغَنَّ'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی ہو، اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت ہی کے اوپر قناعت کرے، دوسری کسی چیز کو حاصل کرنے کی طرف دھیان نہ دے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن والی نعمت عطا فرمائی، پھر دنیا کی کسی دوسری نعمت کو - جو کسی اور کو دی گئی - اپنے سے بہتر سمجھا؛ اس نے اللہ تعالیٰ کی قرآن والی نعمت کی ناقدری کی۔ اس لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک دیا ہو اس کو گویا یوں سمجھنا چاہیے

کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے کہ اس کے بعد اب مجھے کسی اور نعمت کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ''مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ'' کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں: ''مَنْ لَمْ يَضَعِ الْقُرآنَ مَوْضِعَ غِنَاءٍ ''یعنی آدمی کا مزاج اور طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ اس کا جی چاہتا ہے کہ کچھ گائے اور ترنم سے کچھ پڑھے، ایسے موقعہ پر بعض لوگ اشعار وغیرہ گاتے ہیں، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو قرآنِ کریم جیسی نعمت عطا فرمائی ہے، اس لیے جب طبیعت میں ایسا کوئی تقاضہ پیدا ہو تو قرآن ہی کو اچھی آواز سے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ دوسری چیزوں کو گنگنا کر اپنا وقت اس میں لگانے کے بجائے قرآن کریم ہی میں اپنا وقت لگانا چاہیے۔

دوسرے سے قرآن سننا

۱۰۰۸:-وعن ابن مسعودٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ فقلتُ: يَارسولَ الله، أَقْرَأُ عَلَيْكَ، وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟! قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي. فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُورَةَ النِّسَاءِ، حَتَّى جِئْتُ إِلَى هٰذِهِ الآيَةِ: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاَءِ شَهِيداً﴾ قَالَ: حَسْبُكَ الآنَ. فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ، فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: مجھے قرآنِ پاک پڑھ کر سناؤ۔ مَیں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مَیں آپ کو پڑھ کر سناؤں؟ حالاں کہ آپ پر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک

نازل ہوا ہے؟ (مَیں بھلا آپ کو کیا پڑھ کر سناؤں!) حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: مَیں چاہتا ہوں کہ دوسرے کی زبان سے قرآنِ پاک کو سنوں۔ چناں چہ مَیں نے نبیٔ کریم ﷺ کو سورۂ نساء پڑھ کر سنائی۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (جس کا ترجمہ یہ ہے: کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت کے لیے ایک گواہ مانگیں گے، اور ہم آپ کو اے نبی! ان لوگوں کے اوپر یعنی آپ کی امت کے اوپر گواہ کے طور پر طلب کریں گے۔) تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: بس! ٹھہر جاؤ (دورانِ تلاوت تو مَیں نیچے دیکھ رہا تھا، حضور کے ارشاد فرمانے پر جب تلاوت پوری کر دی اور) آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

افادات:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عمدہ قرآن پڑھنے والوں میں سے تھے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے قرآنِ پاک کو جن لوگوں سے سیکھنے کی تاکید فرمائی ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ اور عنوان میں یہ بات بھی آئی تھی کہ اچھی آواز والے سے کبھی کبھی قرآنِ پاک سننا بھی چاہیے۔ اور اس کی وجہ لکھی ہے کہ خود پڑھنے میں آدمی کو بعض مرتبہ ایسا تدبّر وتفکّر نہیں ہوتا اور ایسی توجہ نہیں ہوتی جو دوسرے سے سننے میں ہوتی ہے، تو یہاں حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے امت کو یہ طریقہ بھی سکھایا۔

ایک موقعہ کا قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد حضورِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مَیں بھی بیٹھتا تھا، وہ دونوں مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ کرتے تھے، مَیں بھی وہاں موجود ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ جب ہم وہاں سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی مسجد میں نماز کے اندر قرآنِ پاک

پڑھ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر سننے لگے، اور دیر تک سنتے رہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ قرآنِ کریم کو اسی طرح تر و تازہ سنے جس طرح کہ وہ نازل ہوا ہے، تو اس کو چاہیے کہ وہ ابن مسعود سے سنے (مسند احمد) خیر! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہترین قاریوں میں سے تھے۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بس! ٹھہر جاؤ" اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سے اگر قرآنِ پاک سننے کی فرمائش کی ہو، اور وہ پڑھ رہا ہو پھر سننے والے کی طبیعت یہ چاہے کہ اب وہ پڑھنے کا سلسلہ موقوف کر دے تو اس کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ بھائی! ٹھہر جاؤ۔ اس طرح ٹھہرنے کے لیے کہنا ادب کے خلاف نہیں ہے۔ دیکھو! حضرت ابن مسعود تلاوت کر رہے تھے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کہا کہ بس کرو، ٹھہر جاؤ۔

بہر حال! قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا اور دوسروں سے سننے کا اہتمام کرنا؛ یہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طریقہ ہے۔

باب الحث علیٰ سور وآیات مخصوصة

قرآنِ پاک کی بعض سورتوں اور آیتوں کے فضائل

قرآنِ پاک کی تلاوت کے فضائل بیان کرنے کے بعد اب قرآنِ پاک کی بعض مخصوص سورتوں اور مخصوص آیات جن کے فضائل احادیث میں آئے ہیں ان میں سے بعض کو بیان کر رہے ہیں۔

قرآنِ پاک کی سب سے بڑی سورت

۱۰۰۹:- عن أَبِي سَعِيدٍ رَافِعِ بن الْمُعَلَّى رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ لِي رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ؟ فَأَخَذَ بِيَدِي، فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَخْرُجَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ قُلْتَ: لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ؟ قَالَ: أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید رافع بن معلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآنِ پاک کی (فضیلت و رتبہ، عظمت و بزرگی کے اعتبار سے) جو سب سے بڑی سورت ہے؛ وہ میں تم کو نہ سکھلاؤں؟ پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا (اور آپ چلنے لگے، یہ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگے) جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے (فضیلت و عظمت کے اعتبار سے) قرآنِ پاک کی جو سب سے بڑی سورت ہے وہ میں تمہیں بتاؤں گا (اب

ہم مسجد سے نکل رہے ہیں؛ لہٰذا بتلایئے) چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ نے بتلایا: وہ سورۂ الحمد شریف ہے (یہ سورت اجر و مرتبہ کے اعتبار سے قرآنِ پاک کی سب سے بڑی سورت ہے) یہی سبعِ مثانی اور القرآن العظیم ہے۔

افادات: بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوسعید رافع بن معلّٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، نبیٔ کریم ﷺ نے نام لے کر ان کو پکارا، نماز میں ہونے کی وجہ سے وہ جواب نہ دے سکے، سلام پھیرنے کے بعد جب حاضرِ خدمت ہوئے تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَیں نے تم کو بلایا لیکن تم نے جواب نہیں دیا؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مَیں نماز میں تھا، اس لیے جواب نہیں دیا۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: قرآنِ پاک کی یہ آیت تم نے نہیں پڑھی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال:۲۴)﴾ اللہ اور اس کا رسول جب تمہیں پکاریں کسی ایسی چیز کے لیے جس میں تمہاری روحانی زندگی ہے، تو تم ان کی پکار کا جواب دو۔ گویا حضورِ اکرم ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ میرے اس پکارنے پر نماز کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی تم کو جواب دینا چاہیے تھا۔ چناں چہ علماء نے لکھا ہے حضورِ اکرم ﷺ کی پکار اور بلاوے کا جواب دینا ضروری ہے چاہے آدمی نماز کی حالت میں ہو۔

اب نماز کی حالت میں جواب دینے سے نماز ٹوٹے گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہا ہے، احناف اور مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ نماز فاسد ہو جائے گی اور اس کو لوٹانی پڑے گی۔ شوافع اس طرف گئے ہیں کہ نماز فاسد بھی نہیں ہوگی۔

''یہی سبعِ مثانی اور القرآن العظیم ہے'' یہ دراصل اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان بتلاتے ہوئے نبیٔ کریم ﷺ کو فرمایا کہ ہم نے تم کو ایسی سات

آیتیں دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے۔اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی کی تشریح فرمادی کہ قرآنِ پاک میں جن آیتوں کو اللہ تعالیٰ نے بطورِ احسان کے عطا فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے وہ سات آیتیں سورۂ فاتحہ کی ہیں۔ بلکہ اپنے مضامین کی جامعیت کے اعتبار سے اس سورت کو "وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُوْتِيْتُهٗ" فرمایا کہ یہ قرآنِ عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے، گویا پورے قرآن کا اطلاق اس سورت پر کیا گیا ہے علماء نے لکھا ہے کہ قرآنِ پاک میں جتنے بھی مضامین اور چیزیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں ان سب کا خلاصہ اجمالی طور پر اور مختصراً سورۂ فاتحہ میں آگئے ہیں۔گویا پورا قرآنِ پاک تفصیلی قرآن ہے اور سورۂ فاتحہ اجمالی قرآن ہے۔اس سے سورۂ فاتحہ کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ثواب کے اعتبار سے اس کا مقام بڑا اونچا ہے۔

سلسلۂ چشتیہ کا ایک معمول

اور اس کے بڑے فوائد بھی ہیں، خاص طور پر بیماریوں سے شفا پانے کے سلسلہ میں اس کی خصوصی تاثیر ہے کہ اگر اس کو پڑھ کر کسی بیمار پر دم کیا جائے تو اس بیماری سے وہ شفا پاتا ہے۔اور حاجتیں پوری ہونے کے سلسلہ میں بھی بہت فائدہ مند ہے۔ چناں چہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے اور ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ سلسلۂ چشتیہ کا یہ معمول ہے کہ اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے تو فجر کی سنت اور فرض کے درمیان چالیس دن تک روزانہ اکتالیس مرتبہ سورۂ فاتحہ کو بسم اللہ سمیت اس طرح پڑھے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میمؔ کو الحمد للہ کی الفؔ کے ساتھ ملائے؛ تو ان شاء اللہ اس کی وہ حاجت ضرور پوری ہوگی۔

سورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے

۱۰۱۰:-وعن أَبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنّ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ فی "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.

وفی روایةٍ: أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لأَصْحَابِہٖ: أَیَعْجِزُ أَحَدُکُمْ أَنْ یَقْرَأَ بِثُلُثِ الْقُرْآنِ فِی لَیْلَةٍ. فَشَقَّ ذٰلِکَ عَلَیْهِمْ، وَقَالُوا: أَیُّنَا یُطِیقُ ذٰلِکَ یَا رسولَ اللّٰہ؟ فَقَالَ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ: ثُلُثُ الْقُرْآنِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ اخلاص کے متعلق ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ (سورۂ اخلاص) تہائی قرآن کے برابر ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ہر رات تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ (یعنی تم میں سے کوئی آدمی یہ کر سکتا ہے کہ روزانہ تہائی قرآن پڑھے؟ ظاہر ہے کہ روزانہ تہائی قرآن پڑھنا بڑا مشکل تھا) اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سوال اور مطالبہ حضراتِ صحابہ کو گراں گزرا (اور ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں ہے کہ ہر رات ایک تہائی قرآن پڑھ سکے) اس لیے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کی کون طاقت رکھ سکتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا آسان طریقہ بتلایا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" والی پوری سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

افادات:- ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا۔ بعضوں نے مضامین کے اعتبار سے بھی بتلایا ہے کہ قرآنِ پاک کے اندر جو مضامین بیان کیے گئے ہیں اس میں ایک بنیادی مضمون توحید کا ہے، اور وہ

سورۂ اخلاص کے اندر بیان کیا گیا ہے۔اس سے اس سورت کی فضیلت معلوم ہوئی۔

۱۰۱۱:–وعنه: أَنَّ رَجُلاً سَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ: ((قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ)) يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَكَانَ الرَّجُلُ يَتَقَالُّهَا. فَقَالَ رسول الله ﷺ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ)) (رواه البخاری)

ترجمہ:– حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو پڑھتے ہوئے سنا کہ رات کو تہجد کی نماز میں ہر رکعت میں ''قل ھو اللہ أحد'' ہی کو پڑھ رہے تھے (بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ دوسری سورت بھی پڑھتے تھے لیکن ساتھ میں سورۂ اخلاص بھی پڑھتے تھے) تو سننے والے صحابی صبح میں نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا تذکرہ ایسے ہلکے انداز سے کیا کہ گویا اس کو معمولی اور کم سمجھا ہو۔ نبیٔ کریم ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: (اس کو معمولی نہ سمجھو) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے: یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔

افادات:– اس لیے اگر اس سورت کو تین مرتبہ پڑھ لو تو پورے ایک قرآن کا ثواب ملے گا۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ کوئی آدمی اگر سورۂ اخلاص کو بارہ مرتبہ پڑھے گا تو اس کو چار قرآن کا ثواب ملے گا۔

۱۰۱۲:–وعن أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ((إِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:– حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے سورۂ قل ھو اللہ أحد کے بارے میں ارشاد فرمایا: اس کا ثواب ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

سورۂ اخلاص سے محبت جنت میں داخل کرائے گی

۱۰۱۳:-وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي أُحِبُّ هٰذِهِ السُّورَةَ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ. قَالَ: إِنَّ حُبَّهَا أَدْخَلَكَ الجَنَّةَ.

(رواه الترمذی، وقال: ((حديث حسن)). ورواه البخاری فی صَحِيحِهِ تعليقاً)

ترجمہ:- حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مَیں اس سورت (یعنی) ''قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ'' کو پسند کرتا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کرے گی۔

افادات: ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی نے بتلایا: فلاں آدمی ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھتا ہے اور پھر سورۂ اخلاص بھی پڑھتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو بلا کر پوچھا: بھائی! تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: مجھے یہ سورت بہت پیاری لگتی ہے اور بڑی محبوب ہے۔ یہ سن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی۔

معوذتین کی فضیلت واہمیت

۱۰۱۴:-وعن عقبةَ بنِ عامرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: أَلَمْ تَرَ آيَاتٍ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ؟ {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ} وَ {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ} (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: آج رات جو آیتیں نازل ہوئیں وہ تمہیں معلوم ہیں؟ ایسی آیتیں نہ دیکھی گئیں اور نہ سنی گئیں۔ اور وہ ''قل أعوذ برب الفلق'' اور ''قل أعوذ برب الناس'' ہیں۔

افادات:- ''**ایسی آیتیں نہ دیکھی گئیں اور نہ سنی گئیں**'' یعنی تعوّذ اور شرورو برائیوں سے اللہ کی پناہ حاصل کرنے کے معاملہ میں ان دونوں سورتوں کے مضامین ایسے بے نظیر و بے بدل ہیں کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ یہ سننے کے بعد بھی مجھ پر کوئی زیادہ اثر نہیں ہوا اور میں نے کوئی رسپونس (Response) نہیں دیا تو اس روز فجر کی نماز میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ان ہی دونوں سورتوں کو پڑھا اور نماز کے بعد فرمایا: کیسا لگا؟ یعنی عام طور پر فجر کی نماز میں طویل قراءت کی جاتی ہے، لیکن اس روز انہی دو سورتوں پر اکتفاء فرما کر بتلادیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ جو کافی ہوسکتی ہیں۔ اس سے ان دونوں سورتوں کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

۱۰۱۵:-وعن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ، وَعَيْنِ الإِنْسَانِ، حَتَّى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ، فَلَمَّا نَزَلَتَا، أَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا.** (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات اور انسان کی نظرِ بد وغیرہ سے مختلف کلمات اور الفاظ کے ذریعہ سے پناہ مانگتے تھے۔ لیکن جب یہ دو سورتیں (''قل أعوذ برب الفلق'' اور ''قل أعوذ برب الناس'') نازل ہوئیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ حاصل کرنے کے لیے انہی دو سورتوں کو اختیار کرلیا، باقی سارے کلمات چھوڑ دیئے۔

افادات:- جیسے روایتوں میں آتا ہے کہ کوئی بچہ لایا جاتا تھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کلمات پڑھتے تھے: ''**أُعِيذُكَ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ**''، احادیث میں اس کے علاوہ بھی مختلف کلمات آئے ہیں

جن میں جنات، شیطان اور انسان کی نظرِ بد سے پناہ چاہی گئی ہے، لیکن تعوّذ یعنی مختلف شرور سے پناہ حاصل کرنے کے معاملہ میں یہ دونوں سورتیں ایسی جامع ہیں کہ ان کو پڑھ لینے کے بعد کسی اور کلمہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

سورۂ تبارک کی فضیلت

۱۰۱۶:-وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: مِنَ القُرآنِ سُورَةٌ ثَلاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّى غُفِرَ لَهُ، وَهِيَ: تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ المُلْكُ.

(رواه أَبو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن)). وفي رواية أَبي داود: ((تَشْفَعُ)).

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن پاک کے اندر ایک سورت تیس آیتوں پر مشتمل ہے، اس نے ایک آدمی کی سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کردی؛ اور وہ سورت ’’سورۂ تبارک الذی‘‘ ہے۔

افادات:- اس سے سورۂ تبارک کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا: قرآنِ پاک کی یہ ایسی سورت ہے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے ہر امتی کے دل میں ہو، یعنی اس کو یاد کر لے۔ سورۂ یٰسین کے متعلق بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ اس لیے آدمی کو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ سورۂ یٰسین اور سورۂ تبارک زبانی یاد کرلی جائے۔ اور حدیثِ پاک میں یہ بھی آتا ہے سورۂ تبارک کی تلاوت آدمی کو عذابِ قبر سے بچاتی ہے۔

اواخرِ سورۂ بقرہ کی فضیلت

۱۰۱۷:-وعن أَبي مسعودٍ البَدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: مَنْ قَرَأَ

بِالآيَتَيْنِ مِنْ آخر سُورَةِ البَقَرَةِ فِى لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

قِيلَ: كَفَتَاهُ الْمَكْرُوهَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَقِيلَ: كَفَتَاهُ مِنْ قِيامِ اللَّيْلِ.

ترجمہ:- حضرت ابومسعود بدری انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں ''آمن الرسول سے آخر تک'' رات میں پڑھے گا؛ تو وہ دونوں اس کے لیے کافی ہوجائیں گی۔

افادات:- علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''**کافی ہوجانے**'' کے دو مطلب بتلائے ہیں، ایک تو یہ کہ اس رات میں ہر برائی سے حفاظت کے لیے ان دونوں آیتوں کا پڑھنا کافی ہوجائے گا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ آیتیں قیام اللیل کی طرف سے کافی ہوجائیں گی۔ آدمی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے، تو گویا ان دونوں آیتوں کا پڑھ لینا اس کی طرف سے کافی ہوجائے گا۔

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ

۱۰۱۸:- وعن أَبِي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ البَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ البَقَرَةِ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔

افادات:- قبرستان نہ بنانے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اپنے گھروں میں مردوں کو دفن مت کرو۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جیسے قبرستان میں جو رہتے ہیں

(یعنی مردے) وہ تلاوت نہیں کرتے، تو تم بھی ایسے نہ رہو کہ گھروں میں قرآنِ پاک کی تلاوت نہیں ہورہی ہے، نمازیں نہیں پڑھی جارہی ہیں، بلکہ اس بات کی عادت ڈالو کہ اپنے گھروں میں نفل نمازوں کا اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام ہورہا ہو۔ اور لکھا ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اس گھر میں جن کا اثر نہیں رہتا۔ اس روایت سے سورۂ بقرہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت

۱۰۱۹: وعن أُبَيِّ بنِ كَعبٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: يَاأَبَا الْمُنْذِرِ! أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ مَعَكَ أَعْظَمُ؟ قُلْتُ: {اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الحَيُّ القَيُّومُ} فَضَرَبَ فِي صَدْرِي، وقال: لِيَهْنِكَ العِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے (جن کی کنیت ابوالمنذر ہے) کہ ایک روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: اے ابوالمنذر! تمہارے پاس قرآنِ پاک کی جو آیتیں ہیں اور قرآنِ پاک کا جو حصہ تم حفظ کئے ہوئے ہو اس میں (مرتبہ اور اجر وثواب کے اعتبار سے) سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ مَیں نے عرض کیا: اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الحَيُّ القَيُّومُ (یعنی آیۃ الکرسی) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہوکر میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابوالمنذر! تمہیں علم مبارک ہو (تم نے بڑا صحیح جواب دیا)۔

افادات:- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے اونچے درجے کے صحابی ہیں اور تمام صحابہ میں قرآنِ پاک کی قراءت کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، ان کو "أَقْرَءُهُمْ أُبَيٌّ" کا لقب دیا گیا ہے، بلکہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ مَیں "سورۂ لم یکن الذین"

پڑھ کر تم کو سناؤں۔انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! تمہارا نام لے کر کہا۔ اس پر ان کی آنکھوں میں مارے خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ رتبہ کے اعتبار سے قرآنِ پاک کی سب سے بڑی آیت ''آیۃ الکرسی'' ہے۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت بیان کرنے والے کا عجیب قصہ

۱۰۲۰:- وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قَالَ: وَكَّلَنِي رسولُ الله صلى الله عليه وآله وسلم بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ، فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ، فَأَخَذْتُهُ فقُلتُ: لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رسولِ الله صلى الله عليه وآله وسلم، قَالَ: إِنِّي مُحْتَاجٌ، وَعَلَيَّ عِيَالٌ، وَبِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ، فَخَلَّيْتُ عَنْهُ، فَأَصْبَحْتُ، فَقَالَ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: يَا أَبَا هُرَيرة! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ البَارِحَةَ؟ قُلْتُ: يَا رسول الله! شَكَا حَاجَةً وَعِيَالاً، فَرحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ. فَقَالَ: أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ. فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ، لقولِ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فَرَصَدْتُهُ، فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ، فَقُلْتُ: لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم. قَالَ: دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ، وَعَلَيَّ عِيَالٌ لاَ أَعُودُ، فَرحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: يَا أَبَا هُرَيرة! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ البَارِحَةَ؟ قُلْتُ: يَا رسول الله، شَكَا حَاجَةً وَعِيَالاً، فَرحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ. فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ. فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ، فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ: لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رسولِ الله صلى الله عليه وآله وسلم. وهذا آخِرُ ثلاثِ مَرَّاتٍ أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّكَ لاَ تَعُودُ. فَقَالَ: دَعْنِي فَإِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللهُ بِهَا، قُلْتُ: مَا هُنَّ؟ قَالَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الكُرْسِيِّ، فَإِنَّهُ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ، وَلاَ يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ

حَتّٰی تُصْبِحَ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، فَأَصْبَحْتُ، فَقَالَ لِی رسولُ الله ﷺ: مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ البَارِحَةَ؟ قُلْتُ: يَارسول الله، زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِي اللهُ بِهَا، فَخَلَّيْتُ سَبيلَهُ، قَالَ: مَا هِيَ؟ قُلْتُ: قَالَ لِی: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتّٰی تَخْتِمَ الآية: {اللهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الحَيُّ القَيُّومُ} وقال لِي: لاَ يَزَالُ عَلَيْكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ، وَلَنْ يَقْرَبَكَ شَيْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ. فَقَالَ النبيُّ ﷺ: أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلاَثٍ يَاأَبَاهُرَيْرَةَ؟ قُلْتُ: لاَ. قَالَ: ذَاكَ شَيْطَانٌ. (رواه البخاری)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا قصہ سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں صدقۂ فطر کے اندر جو کھجوریں آئی تھیں اس کا ڈھیر لگا ہوا تھا جس کی نگرانی کی ذمہ داری حضور اکرم ﷺ نے مجھے سونپی۔ رات کے وقت میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ آیا اور اس ڈھیر میں سے لپ بھر کر کھجوریں نکالنے لگا (گویا چوری کر رہا تھا) میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ: صبح کے وقت مَیں تجھے حضور اکرم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے معذرت کرنی شروع کی کہ: مَیں محتاج آدمی ہوں، میرے بال بچے ہیں، بہت ضرورتمند ہوں، مہربانی کرو اور چھوڑ دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَیں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی اور نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ابو ہریرہ! گزشتہ رات تمہارے اس قیدی کا کیا ہوا؟ مَیں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کو گرفتار کیا تھا اور اس سے کہا کہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، لیکن اس نے معذرت کی کہ بڑا محتاج ہوں اور بال بچے والا ہوں؛ مجھے چھوڑ دو، مجھے اس کے حال پر رحم آیا، اس لیے میں نے چھوڑ دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا اور وہ دوبارہ چوری کرنے کے واسطے آئے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے فرمادیا تو مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔ چناں چہ دوسری

رات میں اس کے انتظار ہی میں رہا، وہ آیا اور جو کھجوریں رکھی تھیں اس میں سے لپیں بھرنے لگا، میں نے پھر گرفتار کرلیا اور اس سے کہا: آج تو تجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ اس نے پھر بہانے شروع کیے کہ: میں محتاج ہوں، ضرورت مند ہوں، بال بچے والا ہوں؛ مجھے چھوڑ دو، اب کبھی نہیں آؤں گا۔ مجھے رحم آ گیا اور میں نے پھر اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ابو ہریرہ! رات میں تمہارے قیدی کا کیا معاملہ ہوا؟ مَیں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے اپنی محتاجی اور بال بچوں کی شکایت کی، تو میں نے رحم کھایا اور چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج بھی جھوٹ بول کر گیا ہے، لیکن پھر آئے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تیسری رات پھر میں نے انتظار کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا ہے تو ضرور آئے گا۔ چناں چہ آج بھی وہ آیا اور لپیں بھرنے لگا تو مَیں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: آج تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ یہ تیسری مرتبہ آیا ہے اور ہر وقت تو یہی کہتا ہے کہ اب نہیں آؤں گا، لیکن پھر آتا ہے، اس لیے آج تو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ اس پر اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، مَیں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے۔ میں نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ تو اس نے کہا: جب تم بستر پر پہنچو تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، اس کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حفاظتی دستہ بطورِ محافظ مقرر کر دیا جائے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب بھی نہیں آسکے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب اس نے یہ بتلایا تو مَیں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی اور مَیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ابو ہریرہ! کل رات تمہارے قیدی کا معاملہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے مجھے کہا کہ چند کلمات وہ مجھے سکھائے گا، چناں چہ اس کی بنیاد پر میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: وہ کلمات کون سے ہیں جو اس نے سکھائے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اس نے مجھ سے کہا کہ جب تم رات کو بستر پر سونے

جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، اور اس نے یہ بھی کہا کہ اگر تم یہ پڑھ لو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری حفاظت کے لیے ایک پہرے دار مقرر رہو گا اور شیطان صبح تک تمہارے قریب نہیں آسکے گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھا تو وہ جھوٹا؛ لیکن یہ بات اس نے سچ کہی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: تین دن سے روزانہ تمہارا جس سے واسطہ پڑ رہا تھا، جانتے ہو وہ کون تھا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔

افادات:- معلوم ہوا کہ جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ اور اس روایت سے آیۃ الکرسی کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔

دجّالی فتنوں سے حفاظت کا عمل

۱۰۲۱:- وعن أبي الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ، عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ.

وفي رواية: ((مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْكَهْفِ)) رواهما مسلم.

ترجمہ:- حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سورۂ کہف کی شروع کی دس آیتیں یاد کرلے (دوسری روایت میں ہے کہ آخری دس آیتیں یاد کرلے، اور اس کو روزانہ صبح وشام پڑھا کرے) تو وہ دجال کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

افادات:- ویسے راجح قول یہی ہے کہ شروع کی دس آیتیں جو یاد کرلے گا اور پڑھتا رہے گا تو وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ دجال الگ ہے اور اس کے فتنے الگ چیز ہیں۔ اس لیے موجودہ دور میں آدمی اس کا اہتمام کرے تو ان شاء اللہ اس کے ایمان کی حفاظت ہوگی، اور فتنوں سے بچا رہے گا۔

دونور اور دوروشنیاں

۱۰۲۲:-وعن ابنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما بَيْنَمَا جِبْرِيلُ علیہ السلام قَاعِدٌ عِنْدَ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سَمِعَ نَقِيضاً مِنْ فَوقِهِ، فَرَفَعَ رَأسَهُ، فَقَالَ: هَذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ اليَوْمَ وَلَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إلاَّ اليَوْمَ. فنزل منه مَلَكٌ، فقال: هذا مَلَكٌ نَزَلَ إلى الأرضِ لم ينزلْ قطّ إلاّ اليومَ فَسَلَّمَ وقال: أَبْشِرْ بِنُورَيْنِ أُوتِيتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبيٌّ قَبْلَكَ: فَاتِحَةُ الكِتَابِ، وَخَواتِيمُ سُورَةِ البَقَرَةِ، لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهَا إلاَّ أُعْطِيتَه. (رواہ مسلم)

((النَّقِيضُ)): الصَّوْتُ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج ہی کھولا گیا ہے، اس سے پہلے کبھی وہ کھولا نہیں گیا تھا، اور اس میں سے ایک فرشتہ روئے زمین پر آج ہی اترا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں اترا تھا۔ پھر اس فرشتے نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ان دو نوروں اور دوروشنیوں کی بشارت اور خوشخبری سن لیجئے جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے ہیں، اور آپ سے پہلے کبھی کسی نبی کو یہ دونور اور دوروشنیاں نہیں دی گئیں۔ ایک تو سورۂ فاتحہ، اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں۔ ان میں ایسی دعائیں ہیں کہ ان کو جب پڑھا جائے گا تو اللہ تعالیٰ وہ عطا فرمائیں گے۔

بَابُ اِسْتِحْبَابِ الْاِجْتِمَاعِ عَلَى الْقِرَاءَةِ

قرآنِ پاک کی تلاوت کے لئے جمع ہونے کا مستحب ہونا

درس وتدریس پر چار انعامات

۱۰۲۳:-عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں اس کے پڑھنے پڑھانے، درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھتی ہے؛ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس جو مجمع (فرشتوں کا) ہے اس میں اس کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

افادات:- یہاں گھر بول کر عام مراد ہے، چاہے وہ مسجد ہو، مدرسہ ہو، مکتب ہو، یا کوئی ایسی جگہ ہو جہاں بیٹھ کر لوگ قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور سیکھتے سکھاتے ہیں۔

''سکینہ'' کی تشریح کرتے ہوئے مختلف باتیں کہی گئی ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں: یہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ ایک طشت ہے جس

میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب کو غسل دیا گیا۔ بعض حضرات کہتے ہیں: اس سے مراد طمانینت وسکون کی وہ کیفیت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قلوب پر نازل کی جاتی ہے۔

جو لوگ کہیں جمع ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، ان کے مختلف قسم کے اکرام اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کئے گئے۔ ایک تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینہ نازل ہوا، دوسرا اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور تیسرا فرشتے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں، اور سب سے بڑا اکرام یہ ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کے سامنے تذکرہ کرتے ہیں، اس سے زیادہ بڑا انعام اور اکرام بندوں کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے:-

''ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے''

بَابُ فَضْلِ الْوُضُوْءِ

وضو کی فضیلت کا بیان

چوں کہ فضائل کا بیان چل رہا ہے، اس لیے اس باب میں وضو کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ قرآنِ پاک کی ایک آیت پیش کی ہے، یہ وہ آیت ہے جس میں وضو کے اعضاء کا تذکرہ ہے اور وضو کی تفصیل بتائی گئی ہے، اس لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یہاں ذکر کیا ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الخ﴾

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو، تو اپنے چہروں کو دھوؤ، اور ہاتھوں کو کہنیوں تک، اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

اعضاءِ وضو چمک دار ہوں گے

۱۰۲۴:- عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: إِنَّ أُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجِّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امّت قیامت کے روز ایسی حالت میں بلائی جائے گی کہ ان کی پیشانیاں اور ان کے اعضاء وضو کے نشانات کی وجہ سے چمکدار ہوں گے (اس لیے) جو آدمی اپنے چمک کے نشان کو بڑا بنانا چاہے اس کو چاہئے کہ ایسا کرے۔

افادات:- چوں کہ وضو میں ہاتھ، پاؤں اور چہرہ دھویا جاتا ہے، تو وضو کے ان آثار کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان اعضاء کو قیامت کے روز ایک مخصوص چمک اور نور عطا فرمائیں گے۔ یہ سارے اعضاء چمک رہے ہوں گے اور روشن ہوں گے۔

''**غُرّ**'' اور ''**مُحَجَّل**'' دراصل ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی بھی سفید ہو اور اس کے اگلے اور پچھلے پاؤں میں بھی سفیدی ہو، اور وہ گھوڑے بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ آدمی کو خاص اہتمام سے وضو کرنا چاہئے اور وضو میں جتنا حصہ دھویا جاتا ہے اس سے کچھ زائد حصہ دھونے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یعنی ہاتھ کہنیوں تک دھوئے جاتے ہیں، تو اس کو چاہیے کہ کہنیوں سے کچھ اوپر تک دھوئے۔ اسی طرح ٹخنوں تک پاؤں دھوئے جاتے ہیں تو کچھ زیادہ اوپر تک دھوئے؛ تاکہ چمک کے نشانات بڑے ہوجائیں۔

۱۰۲۵:- **وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ خَلِيْلِي** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **يَقُوْلُ: تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: مؤمن کے زیور (اور اس کے لئے وہ چمکتی چیز جس سے اللہ تعالیٰ مؤمن کے اعضاء کو مزین کریں گے) اس جگہ تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی جاتا ہے۔

اچھی طرح وضو کرنے کی فضیلت

۱۰۲۶:- **وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: **مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ**

ترجمہ:- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: جو آدمی وضو کرے اور اچھے طریقے سے وضو کرے، تو اس کے گناہ اس کے جسم سے نکلتے ہیں یہاں تک کہ ناخن کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔

افادات:- دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی منگوایا اور باقاعدہ پورا وضو کیا، پہلے دونوں ہاتھ گٹّوں تک دھوئے، اس کے بعد چہرے کو تین مرتبہ دھویا، پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک تین تین مرتبہ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر پاؤں کو ٹخنوں تک تین تین مرتبہ دھویا، اس کے بعد فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ جو آدمی وضو کرے اور اچھے طریقے سے وضو کرے، تو اس کے گناہ اس کے جسم سے نکلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ناخن کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔

اس لیے وضو کے اعضاء کو اچھی طرح دھونے کا اہتمام کرنا چاہیے اور بڑے اطمینان اور پوری توجہ کے ساتھ وضو کرنا چاہیے تاکہ جلد بازی میں کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔ بعض لوگ آ کر جلدی جلدی سے پانی چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر دیتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سی مرتبہ دھوئے جانے والے اعضاء کا تھوڑا سا حصہ خشک رہ جاتا ہے اور وضو نہیں ہوتا۔

البتہ اس سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے کہ وضو کی وجہ سے صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ دھلیں گے، کبیرہ گناہ تو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، بلکہ جتنے بھی اعمالِ صالح کے نتیجے میں گناہوں کی معافی کا احادیث میں ذکر آیا ہے، اس سے مراد صغائر ہی ہیں، اس لئے کہ بعض روایتوں میں "مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ" کی قید آئی ہے کہ جب تک اس نے کبائر کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اب کبائر کے معاف کرانے کے لئے توبہ ضروری ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ: مؤمن کی

شان یہ ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں کبیرہ گناہ ہونے ہی نہیں چاہئیں، اس لئے کہ اس کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ جب اس سے کوئی کبیرہ گناہ صادر ہوجائے، تو جب تک کہ توبہ کر کے اور رو دھو کر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی نہ کروالے؛ وہاں تک اس کو چین ہی نہ آئے؛ اس لئے اس کے نامۂ اعمال میں کبائر ہوتے ہی نہیں۔ ہاں! صغائر نادانستہ طور پر وجود میں آجاتے ہیں اور اس کو خیال بھی نہیں ہوتا، تو ایسے گناہ اس طرح کے اعمال سے دُھل جاتے اور صاف ہوجاتے ہیں۔

۱۰۲۷:- وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ تَوَضَّأَ مِثْلَ وَضُوْئِيْ هٰذَا، ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ هٰكَذَا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَكَانَتْ صَلَاتُهُ وَمَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ نَافِلَةً.

ترجمہ:- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح وضو فرمایا جیسا مَیں نے وضو کیا (جیسا کہ ابھی اوپر بتلایا کہ انہوں نے پانی منگوا کر باقاعدہ سنّت طریقہ کے مطابق وضو کر کے لوگوں کو بتلایا) اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جس نے اس طرح وضو کیا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے، اور اس کا اس وضو کے ذریعہ نماز پڑھنا اور مسجد تک چل کر جانا؛ یہ زائد رہے گا۔

افادات:- یعنی گناہ تو وضو سے ہی معاف ہو گئے اور نماز پڑھنا اور مسجد تک چل کر جانا گویا نفع میں رہے گا اور یہ اعمال مزید درجات کی بلندی کا سبب بنیں گے۔

۱۰۲۸:- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ - أَوِ الْمُؤْمِنُ - فَغَسَلَ وَجْهَهُ، خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ، أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ، خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ، أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، فَإِذَا غَسَلَ

رِجْلَيْهِ، خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ، أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ)) رواہ مسلم

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مسلمان یا مؤمن بندہ وضو کرتا ہے اور وضو میں اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں کے ذریعہ سے نگاہ کی تھی (یعنی آنکھوں سے صادر ہوئے تھے) پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ دُھل جاتے ہیں۔ اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر کئے تھے، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ اور جب پاؤں دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جس کی طرف پاؤں چل کر گئے تھے وہ سارے گناہ دُھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوتا ہے (یعنی ظاہری پاکی بھی ملتی ہے اور گناہوں سے روحانی پاکی بھی حاصل ہوجاتی ہے)

افادات:- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے اللہ کے بندے ایسے بھی گزرے ہیں جن کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو وضو کے گرنے والے پانی سے ان کو پتہ چل جاتا تھا کہ اس سے فلاں فلاں گناہ صادر ہوئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتیوں کو قیامت میں کیسے پہچانیں گے؟

۱۰۲۹:- وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَتَى الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ. وَدِدْتُ أَنَّا قَدْ رَأَيْنَا إِخْوَانَنَا. قالوا: أَوَلَسْنَا إِخْوَانَكَ یارسول اللہ؟ قَالَ: أَنْتُمْ أَصْحَابِي، وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ

يَأْتُوا بَعْدُ. قَالُوا: كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلاً لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ، أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ، وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ.

ترجمہ مع تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں تشریف لائے اور قبرستان میں داخل ہوتے وقت آپ نے یہ دعا پڑھی: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ" (جب قبرستان میں داخل ہوں تو یہی دعا پڑھنی چاہیے، جس کا ترجمہ ہے کہ تم پر سلامتی ہو اے ایمان والوں کی بستی، اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: میری دلی خواہش تھی کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے (جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا) تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم تو میرے صحابہ اور ساتھی ہو، ہمارے بھائی تو وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے ہیں، بعد میں آئیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے جو امّتی ابھی تک دنیا میں تشریف نہیں لائے اور جن کو آپ نے اپنی مبارک آنکھوں سے نہیں دیکھا، قیامت میں آپ ان لوگوں کو دوسری امتوں کے درمیان میں کیسے پہچانیں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا بتلاؤ! اگر کسی آدمی کے ایسے گھوڑے ہوں جن کی پیشانی اور پاؤں سفید ہوں اور وہ ایسے گھوڑوں کے درمیان میں ہوں جو پورے سیاہ ہوں، یا ایک ہی رنگ کے ہوں (یعنی ان کی پیشانیوں اور پاؤں کے رنگ میں سفیدی نہ ہو) تو وہ اپنے گھوڑوں کو پہچان لے گا یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (جب نشانی موجود ہے تو پھر ضرور پہچان لے گا) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری

امّت کے جولوگ ہوں گے ان کے وضو کے نتیجے میں ان کے چہروں اور ان کے ہاتھوں پاؤں پر روشنی ہوگی اور وہ روشن چہرے اور چمکدار ہاتھ، پاؤں لے کر آئیں گے، مَیں ان کو پہچان لوں گا کہ یہ میری امّت کے لوگ ہیں اور مَیں ان سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچوں گا (تا کہ ان کے لئے پانی کا انتظام کروں)۔

افادات:- موت تو ہر ایک کو آنے والی ہے، پھر ان شاء اللہ کہنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ تو اصل میں ایمان کے ساتھ موت آنے کی تو کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، اس لیے یہ جملہ بڑھایا کہ ان شاء اللہ ایمان پر موت آئے گی اور اللہ تعالیٰ نے اگر چاہا تو ہم تم لوگوں سے ملنے والے ہیں۔

''**فَرَط**'' جب کوئی قافلہ سفر میں جاتا ہے تو قافلہ والے جہاں آگے پڑاؤ ڈالنے والے ہوتے ہیں اس جگہ پر پہنچنے سے پہلے کچھ لوگوں کو پہلے سے بھیج دیا جاتا ہے، تا کہ وہ قافلہ کے پڑاؤ کے لئے قیام وغیرہ کی سہولتیں مہیا کریں۔ قافلہ والوں کے لئے آگے سے جا کر جو انتظام کرتے ہیں؛ ان کو فرط کہتے ہیں، جیسے ٹور کے جانے سے پہلے اس کا آرگنائزر (Organiser) وہاں جا کر مکان اور ساری سہولتوں کا انتظام کر لیتا ہے کہ ٹور کے آتے ہی ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

ناپسندیدہ حالات میں اچھی طرح وضو کرنے کی فضیلت

۱۰۳۰:- وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قالوا: بَلَى يَا رسول الله. قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الصَّلاَةِ؛ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ؛ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَیں تمہیں ایسا عمل نہ بتلاؤں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتے ہیں، اور درجات کو بلند کرتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (ضرور بتلایئے) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ناپسندیدہ حالات میں وضو کو پورے پورے طور پر کرنا، اور مسجد کی طرف خوب قدموں کا اٹھانا (یعنی پانچوں وقت نماز کے لئے مسجد کی طرف جانا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا؛ یہی ہے سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی، یہی ہے سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی۔

افادات:- ''اسباغ'' کا مطلب یہ ہے کہ تمام اعضاء پر پورے طور پر پانی پہنچانا اور اچھی طرح وضو کرنا۔ مثلاً: سردی کے زمانہ میں ٹھنڈا پانی ہو اور وضو کرنے کا موقعہ آئے تو آدمی کو ذرا بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن اس وقت بھی آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے اس اجر وثواب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلند کئے جانے والے ان درجات کی امید میں پورے اطمینان کے ساتھ اچھے طریقہ سے اعضاء کو دھوئے اور جلد بازی سے کام نہ لے۔

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یا تو نوافل کے بعد فرائض کا انتظار کرنا، یا ایک فرض نماز کے بعد دوسری فرض نماز کا انتظار کرنا کہ کب وقت آئے اور میں فرض ادا کروں۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے جس روز اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس میں ایک وہ آدمی ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو کہ نماز سے جب لوٹتا ہے تو دل مسجد ہی میں اٹکا رہتا ہے کہ دوسری نماز کا وقت کب آئے اور میں مسجد پہنچوں۔

بورڈر کی حفاظت اور سیکورٹی کے لیے فوج رکھی جاتی ہے جو وہاں ڈیوٹی دیتی ہے؛ اس کو ’’رباط‘‘ کہتے ہیں۔ گویا یہ اعمال وہ ہیں جو دشمن اور شیطان کی طرف سے کئے جانے والے حملے سے بچاؤ اور حفاظت کا سبب بنتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی ہمیشہ باوضو رہتا ہے؛ شیطان اس پر حملہ نہیں کرسکتا، اس لئے ہمیشہ باوضو رہنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اور نمازوں کا دلی طور پر انتظار رہے اور مسجد کی طرف چل کر جانے کا اہتمام ہو۔ یہ تینوں اعمال وہ ہیں جن کو ’’رباط‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا ان اعمال کو شیطان کی طرف سے کئے جانے والے حملے سے بچاؤ اور حفاظت میں بڑا دخل ہے۔

پاکی آدھا ایمان ہے

۱۰۳۱:- وَعَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ.

ترجمہ:- حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پاکی آدھا ایمان ہے۔

افادات:- یہ روایت صبر کے بیان میں (جلد اول، ص: ۲۴۲، ۲۴۳ پر بھی) گزر چکی ہے۔ اس جملہ کی ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ اعمال کے دو درجے ہیں، ایک تخلیہ۔ دوسرا تحلیہ۔ جیسے: آپ غسل کریں تو اس کا ایک درجہ تو میل کچیل کو صاف کرنا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا درجہ خوشبو وغیرہ استعمال کرکے اپنے آپ کو مزیّن کرنا ہوتا ہے۔ تو ہر عمل میں پاکی کا اہتمام یہ آدھا عمل اور پہلا درجہ ہوا کرتا ہے، اسی لئے اس کو شطر الایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں

۱۰۳۲:- وَعَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَامِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ أَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ. (رواہ مسلم)

وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ :- أَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ.

ترجمہ مع تشریح وافادات:- یہ روایت **مسلم شریف** (باب الذِّكْرِ الْمُسْتَحَبِّ عَقِبَ الْوُضُوْءِ) میں ہے، وہاں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس کو انہوں نے یہاں بیان نہیں کیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اونٹوں کو چرانے کے لئے ہم کئی لوگ ہوتے تھے، ہر ایک کی باری مقرر کردی گئی تھی کہ سب کی طرف سے ایک چرائے اور دوسرے لوگ اپنے کام میں مشغول رہیں۔ ایک مرتبہ اونٹوں کی چرانے کی میری باری تھی، شام کو سارے اونٹوں کو چرا کر میں گھر پہنچا اور اونٹوں کو چھوڑ کر سیدھا مسجد گیا تو دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کچھ ارشاد فرمارہے تھے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی وضو کرے اور دو رکعت نماز تحیۃ الوضو کے طور پر ادا کرے، اس کے لئے جنّت واجب ہوجاتی ہے۔ جب میں مسجد میں داخل ہورہا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد میں نے سنا اس پر مَیں بول پڑا: ''مَا أَجْوَدَ هٰذِهٖ'' یہ تو بہت عمدہ بات ہے۔ جب میں نے یہ کہا تو پیچھے سے کسی کی آواز آئی: ''الَّتِیْ قَبْلَهَا أَجْوَدُ'' اس سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی وہ اور زیادہ عمدہ اور

بڑھیا تھی۔ میں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو یہ بات کہنے والے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر انھوں نے کہا: تم ابھی آئے ہو، اس سے پہلے جو بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ تم نے نہیں سنی، اور وہ بات یہی ہے جس کو اس روایت میں نقل کیا ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو آدمی وضو کرتا ہے اور اچھے طریقہ سے وضو کرتا ہے، پھر کلمۂ شہادت "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" پڑھتا ہے، تو جنّت کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھول دئے جاتے ہیں، جس میں سے چاہے داخل ہوجائے۔

افادات:- چھوٹا سا عمل ہے، وہاں تو دو رکعت پڑھنے کی بات تھی لیکن یہاں تو دو رکعت پڑھے بغیر صرف وضو کرکے کلمۂ شہادت پڑھ لینے پر یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ جنّت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں کہ جس سے چاہے داخل ہوجائے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے پہلے والی بات اس سے بھی بڑھیا اور عمدہ تھی۔

ترمذی شریف کی روایت میں یہ ہے کہ کلمۂ شہادت کے ساتھ یہ دعا بھی پڑھ لے: "أَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" اے اللہ! مجھے زیادہ سے زیادہ تیری طرف رجوع ہونے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنا۔ یہ ظاہری پاکی ہے اور توبہ روحانی اور باطنی پاکی ہے۔ اس سے وضو کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

بَابُ فَضلِ الْأَذَانِ

اذان کی فضیلت کا بیان

اذان کی ابتدا کیسے ہوئی؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اس وقت پنج وقتہ نمازوں کے لیے بلانے کے واسطے کوئی مستقل نظام نہیں تھا، نماز کے اوقات میں لوگ اپنے طور پر اندازہ لگا کر مسجد میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح آنے میں بڑی دشواری تھی، کوئی بہت جلدی پہنچ گیا تو اس کو دیر تک انتظار رہتا تھا اور کوئی نماز ہو جانے کے بعد پہنچتا تھا، اس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اس سلسلہ میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ لوگ نماز کے وقت پر اس طرح پہنچیں کہ کسی کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو، اس مشورہ میں مختلف تجاویز سامنے آئیں کسی نے کہا: آگ جلا دی جائے جس کو دیکھ کر لوگ آ جایا کریں، اس پر یہ بات آئی کہ آگ تو آتش پرستوں کا شعار ہے، وہ اس کی پوجا کرتے ہیں، اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔

کسی نے کہا: ناقوس بجادیا کریں۔ ناقوس کا مطلب یہ ہے کہ دو لکڑیاں ہوتی ہیں، ایک لمبی اور دوسری چھوٹی؛ اور چھوٹی والی لکڑی کو بڑی لکڑی پر مار کر بجایا جاتا ہے جس سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب ناقوس والی تجویز رکھی گئی تو نصاریٰ کا تذکرہ آیا کہ یہ نصاریٰ کا طریقہ اور علامت ہے، وہ اپنے یہاں عبادت کے واسطے جمع کرنے کے

لئے اسی کو استعمال کرتے ہیں، اگر ہم اس کو استعمال کریں گے تو ان کے ساتھ تشبہ لازم آئے گا۔

کسی نے کہا: سینگ کو منہ لگا کر اس سے آواز نکالی جائے۔ جب یہ تجویز پیش کی گئی تو یہودیوں کا تذکرہ آیا کہ یہودیوں کے وہاں عبادت کے واسطے بلانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، ان سے مشابہت لازم آئے گی۔

اخیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ایسا کیوں نہ کریں کہ ایک آدمی کو بھیج دیا جائے جو لوگوں کو نماز کے وقت بلا لیا کرے، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ ایسا کیا کریں کہ ''اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ'' کے الفاظ سے اعلان کر دیا کریں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جگہ جگہ گھوم کر اس طرح لوگوں کو بلا لیا کرتے تھے، لیکن پانچ وقت اس طرح کرنے میں ان کے لئے بڑی دشواری تھی۔ اس مجلس میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، ان کی طبیعت پر اس کا بڑا اثر ہوا اور وہ اس بارے میں بہت متفکر رہے کہ اس کے لئے کوئی مناسب تدبیر اللہ تعالیٰ ذہن میں ڈال دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بات کی فکر اوڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کو اس کا ذریعہ بنا دیا کرتے ہیں، اگرچہ کرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں ان کو ایک فرشتہ دکھلایا جو ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور اس نے اذان کے وہ کلمات کہے جو ہم سب جانتے ہیں کہ پہلے چار مرتبہ ''اَللّٰهُ أَكْبَر''، پھر دو مرتبہ ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ''، پھر دو مرتبہ ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ''، اس طرح پوری اذان دیکھی۔ جب وہ سو کر اٹھے تو بڑے خوش تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر انہوں

نے خواب سنایا کہ اللہ کے رسول! میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ دوسرے حضرات نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا جنہوں نے آکر بیان کیا۔ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم یہ کلمات اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر کہہ دیا کرو؛ اس طرح اذان کی شروعات ہوئی۔ اور اذان دینا بڑا نیکی کا کام ہے، اذان کو اسلامی شعار قرار دیا گیا ہے۔ اس باب میں اس کی فضیلت بتلاتے ہیں۔

اذان کا ثواب حاصل کرنے کے واسطے قرعہ اندازی

۱۰۳۳:- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا عَلَيْهِ. وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا إِلَيْهِ. وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں نماز پڑھنے میں کیا فضیلت ہے، اور پھر ان کو ان دو کاموں کے لیے قرعہ اندازی اور چٹھی ڈالنے اور ڈرو (Draw) کرنے کی ضرورت پیش آئے؛ تو ضرور قرعہ اندازی کریں گے۔ اور اگر معلوم ہوجائے کہ جلدی سے نماز میں حاضری کی کیا فضیلت ہے؛ تو لوگ دوڑتے ہوئے اور سبقت کرتے ہوئے مسجد میں آئیں گے۔ اور اگر معلوم ہوجائے کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کیا فضیلت ہے تو اس میں حاضری دینے کے واسطے لوگ گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے مسجد میں آئیں گے۔

افادات:- اذان اور پہلی صف کی فضیلت اتنی زیادہ ہے کہ اگر اس کے ثواب کا لوگوں کو پتہ چل جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے یکبارگی اتنے زیادہ لوگ

آجائیں گے کہ ان کو مطمئن کرنے کے لئے سوائے قرعہ اندازی کے کوئی اور طریقہ اختیار نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ کسی چیز کے کئی طلبگار ہوں اور وہ چیز سب کو مل نہ سکتی ہو، تو سب کو اطمینان دلانے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ قرعہ اندازی کرو، جس کا نام نکلے گا اس کو دیں گے، پھر جس کا نام نہیں نکلتا تو وہ اپنی قسمت پر روتا ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جلدی سے نماز میں حاضری کی کیا فضیلت ہے، یہ معلوم ہو جائے؛ تو لوگ دوڑتے ہوئے آئیں۔ لیکن آج تو ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ نماز کے معاملہ میں بہت سستی برتتے ہیں، اگر کبھی جلدی آ بھی جاتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تو بہت دیر ہے، تو وضو کر کے باہر ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور صحن میں باتیں کرتے رہتے ہیں، جماعت خانہ میں آ کر دو رکعت پڑھنے کی یا تسبیح میں مشغول ہونے کی توفیق نہیں ہوتی، گویا جلدی آ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہم اتنی جلدی کیوں آ گئے۔ ایسا ہمارا جو مزاج بنا ہوا ہے اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔

اور عام طور پر لوگ عشاء اور فجر میں سستی کرتے ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: عشاء اور فجر کی نماز کی فضیلت اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے مسجد میں آئیں۔

بہر حال! اس روایت میں سب سے پہلے اذان کی فضیلت کا حال معلوم ہوا، اسی کے پیشِ نظر اس باب میں ذکر کی ہے۔

قیامت کے روز مؤذنوں کا اعزاز

۱۰۳۴:- وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: اَلْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ:- حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اذان دینے والے قیامت کے روز لوگوں میں سب سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔

افادات:- جو آدمی اونچا ہوتا ہے، وہ کسی چیز کو اچھے طریقہ سے دیکھ سکتا ہے اور اس کو دیکھ کر اطمینان حاصل کرسکتا ہے۔ گویا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اذان دینے والے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا نظارہ سب سے زیادہ اچھی طرح کرسکیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اٹھانے کا دوسروں کے مقابلہ میں ان کو زیادہ موقعہ ملے گا

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے روز گرمی کی شدّت اور تکلیف کا یہ عالم ہوگا کہ لوگوں کو پسینہ آئے گا، کسی کا پسینہ اس کے منھ تک پہنچا ہوا ہوگا، گویا پسینے نے اس کو لگام دے رکھی ہوگی۔ لیکن اذان دینے والے اونچی گردن والے ہوں گے، تو گویا ان کو وہ تکلیف نہیں ہوگی اور ان کا پسینہ ان کی گردنوں کے اونچا ہونے کی وجہ سے منھ تک نہیں پہنچ پائے گا۔

بلند آواز سے اذان دینا پسندیدہ ہے

۱۰۳۵:- وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ صَعْصَعَةَ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ لَهُ: إِنِّيْ أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَإِذَا كُنْتَ فِيْ غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ حضرت

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا: میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو پسند کرتے ہو (یعنی تم کو بکریوں سے محبت ہے بکریاں پالتے ہو اور ان کو چرانے کے لئے جنگل میں قیام اختیار کرتے ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جنگل میں رہو گے تو نماز بھی وہیں پڑھنے کی نوبت آئے گی) تو جب تم اپنی بکریاں چرارہے ہو اور نماز کا وقت آئے تو نماز کے لئے اذان دو، اور اپنی آواز کو بلند کرو، اس لئے کہ مؤذن کی آواز کی گونج کو جو کوئی بھی سنتا ہے، چاہے جنّات ہوں، انسان ہوں؛ یا اور کوئی بھی چیز ہو؛ وہ سب قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دیں گی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہا: مَیں نے یہ ارشاد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ اذان کو جتنی زیادہ بلند آواز سے دے سکتے ہوں دینی چاہیے؛ یہ پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ اور جس کے بھی کان میں مؤذن کی آواز خواہی نخواہی پڑے گی، وہ سب لوگ قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دیں گے، چاہے ان کا جی چاہے یا نہ چاہے کہ: اے اللہ! اس بندے نے تیرا نام بلند کیا تھا اور تیرے بندوں کو تیری عبادت کے لئے دعوت دی تھی۔ اس روایت سے اذان کی بہت ہی بڑی فضیلت معلوم ہوئی۔

اذان سے شیطان بھاگتا ہے

۱۰۳۶:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا نُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِيْنَ. فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ أَقْبَلَ، حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا، وَاذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَذْكُرْ مِنْ قَبْلُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ مَا يَدْرِيْ كَمْ صَلَّى.

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب نماز کے لئے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر زور سے ریح نکالتے ہوئے بھاگتا ہے، پھر جب اذان پوری ہوجاتی ہے تو واپس آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کی تکبیر (اقامت) کہی جاتی ہے (توچوں کہ یہ بھی اذان ہی کا حصہ ہے) اس لیے پھر سے وہ بھاگتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت پوری ہوجاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے، اور آدمی جب نماز شروع کرتا ہے تو اس کے دل اور نماز کے درمیان میں آڑ بن جاتا ہے، چناں چہ آکر وہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو، فلاں چیز یاد کرو، اور وہ باتیں جو نماز سے پہلے اس کو کبھی یاد بھی نہیں آتی تھیں، وہ باتیں یاد دلاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی کو یہ یاد بھی نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں۔

افادات:- جیسا کہ اوپر بتلایا کہ جس کے کان میں بھی اذان کی آواز پڑے گی اس کو قیامت کے روز اذان دینے والے کے حق میں گواہی دینی پڑے گی۔ بھلا شیطان اس چیز کو کیسے گوارا کرسکتا ہے؟ جس چیز کے خلاف وہ ہمیشہ کوشش کرتا ہو اسی کے بارے میں مجبوراً گواہ بن کر جانا پڑے؛ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ اس لئے جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے۔ اور اس پر اذان کا ایسا بوجھ پڑتا ہے کہ زور سے ہوا نکل جاتی ہے، جیسے کبھی کوئی آدمی زیادہ وزنی چیز اٹھالیتا ہے تو اس کی ریح خارج ہوجاتی ہے، اسی طرح شیطان کی طبیعت پر بھی اذان کا اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ اس کی ریح خارج ہوجاتی ہے، اور اتنا دور چلا جاتا ہے کہ اس کو اذان کی آواز نہ آئے تاکہ قیامت کے روز اس کو گواہی دینی نہ پڑے۔ پھر نماز کے وقت آکر نمازی کے دل میں ایسے ایسے وسوسے ڈالتا ہے گویا کیسٹ چلتی رہتی ہے، حالاں کہ نماز سے پہلے اپنے کام میں مشغول تھا تب بھی کبھی ادھر دھیان نہیں گیا تھا، لیکن جہاں نماز شروع کی کہ سارے دن کی چیزیں اور ساری باتیں شیطان یاد دلاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی یہ بھی

بھول جاتا ہے کہ کتنی رکعتیں پڑھی۔

دو رکعت تو پوری کر لیتا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا: حضرت! میں نے ایک جگہ پر دراہم کی تھیلی دفن کی ہے، لیکن اب بھول گیا ہوں کہ وہ جگہ کونسی ہے، کوئی علاج بتلائیے تاکہ جگہ یاد آجائے؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایسا کرو کہ وضو کرو اور دو رکعت نماز کی نیت باندھ لو، اور خوب توجہ اور دھیان سے نماز پڑھنا۔ چناں چہ اس نے جیسے ہی وضو کر کے نماز کی نیت باندھی کہ شیطان نے اس کو جگہ یاد دلا دی۔ اب اس نے نماز بھی توڑ دی اور آکر شکریہ ادا کیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ کے بندے! وہ دو رکعت تو پوری کر لیتا۔

میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو

۱۰۳۷:- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ، فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ. فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَة.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب تم اذان کی آواز سنو تو مؤذن جو کلمات کہے وہی تم بھی کہو (یعنی مؤذن نے کہا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر، تو آپ بھی اسی طرح اللہ اکبر اللہ

اکبر کہو) اس کے بعد میرے اوپر درود بھیجو، پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو، یہ جنّت میں ایک اونچا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی کو ملے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ بندہ جس کو یہ مقام دیا جائے گا وہ میں ہی ہوں۔ اس لیے جو میرے لئے وسیلے کی دعا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت ضروری اور واجب ہو جائے گی (یعنی قیامت کے روز مَیں اس کی سفارش کروں گا۔)

اذان کا جواب کیا دیا جائے؟

افادات:- "**مؤذن جو کلمات کہے وہی تم بھی کہو**" اس سے علماء نے یہ بتلایا کہ اس نے جہاں پہلے دو کلمے کہے اور خاموش ہوا، تو آپ بھی وہی کہہ دیجئے، اسی طرح ساتھ ساتھ جواب کا سلسلہ چلتا رہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر وہ آگے بڑھ گیا تو جواب نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر جواب دینے کا خیال نہیں رہا اور جواب دینا بھول گئے، پھر درمیانِ اذان خیال آیا تو شروع سے جو کلمات کہے گئے ہیں ان کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

اس روایت میں ہے "**مؤذن جو کلمات کہے جواب میں وہی کلمات کہتے جاؤ**" اس کا تو تقاضہ یہ ہے کہ جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" کہے، تو ہمیں بھی "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" ہی کہنا چاہیے اور جب "حَيَّ عَلَى الفلاح" کہے تو ہمیں بھی "حَيَّ عَلَى الفلاح" ہی کہنا چاہیے؛ لیکن دوسری روایتوں میں یہ آتا ہے کہ جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" اور "حَيَّ عَلَى الفلاح" کہے تو آدمی کو بجائے "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" اور "حَيَّ عَلَى الفلاح" کے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" کہنا چاہیے۔ دونوں روایتوں سے بظاہر الگ الگ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں بعضوں نے کہا کہ:

کبھی یہ کہے، اور کبھی وہ کہے، یعنی کبھی "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" کے جواب میں "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" کہے، اور کبھی "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم" کہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دونوں کہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" کے جواب میں "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" ہی کہنے پر ایک اشکال ہوتا ہے، اس لیے کہ "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" کا مطلب تو ہوتا ہے کہ ''آؤ نماز کے لئے'' تو جیسے ایک آدمی ہمیں کہے: ''آؤ نماز کے لئے'' اور اس کے جواب میں ہم بھی کہیں: ''آؤ نماز کے لئے'' تو یہ جواب نہیں ہوتا بلکہ مذاق کی سی شکل ہو جاتی ہے۔

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ جو ہمیں کہتا ہے ''آؤ نماز کے لئے'' اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جیسے کوئی بلانے کے لئے آتا ہے اور کہتا ہے کہ ''چلئے''۔ جب بلانے والا ''چلئے'' کہتا ہے تو سامنے والا بھی کہتا ہے کہ ''چلئے'' اور چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اور دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ وہ آپ کو کہہ رہا ہے "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" ''چلئے نماز کے واسطے''۔ اور آپ اپنے جی میں کہہ رہے ہیں اور اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" ''چل نماز کے واسطے اُٹھ''۔ گویا مؤذن نے ہمیں خطاب کیا اور ہم اپنے نفس کو خطاب کریں؛ تو اس صورت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

اور جس روایت میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم" کہنا آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کے اندر گناہ سے بچنے کی قوت نہیں، اور کسی بھی عبادت کو کرنے کی طاقت نہیں، جب تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہ دی جائے۔ گویا یہاں مؤذن کی طرف سے کہا جا رہا ہے: "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة" نماز کے لئے آؤ۔ تو

جواب میں یہ کلمات کہے جا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ایک بہت اونچا عمل ہے، جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توفیق نہ دے وہاں تک کسی آدمی کے بس کا کام نہیں ہے۔ گویا ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کرتے ہیں، اور وہی توفیق دینے والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت سے ایک فرمائش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے فرما رہے ہیں کہ میرے لئے وسیلہ مانگو۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نور اللہ مرقدہٗ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے وہ فرماتے تھے کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پر بڑے احسانات ہیں، آپ ہی کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان عطا فرمایا، اور ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے توسّل سے امّت کو عطا فرمائی ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امّت سے کبھی اپنے لئے ایسا کوئی کام نہیں کہا کہ میرے واسطے فلاں کام کرلو، سوائے ایک چیز کے؛ کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو؛ اور ہم اس میں بھی کوتاہی کریں! جس کے صدقہ وطفیل ہمیں سب کچھ ملا، اس کے لئے ہم اتنا بھی کرنے کے روادار نہ ہوں؛ تو اس سے زیادہ بے مروّتی اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس لئے اذان کی آواز سننے کے بعد اذان کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ اذان پوری ہونے پر اس دعا کو پڑھنے کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ اور پھر اس میں ہمارا ہی بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا؛ اس کے لئے میری شفاعت ضروری اور واجب ہوجائے گی۔

مقامِ وسیلہ، ایک نکتہ

''وسیلہ'' وہی مقام ہے جس کے ملنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کا اختیار دیا جائے گا، جب کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس مقام کے ملنے کی دعا کی، تو ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لئے ضرور شفاعت فرمائیں گے۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہی تجویز کیا ہے، لیکن جب ہم ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے پاس ابوداود شریف پڑھتے تھے اس وقت حضرت نے ایک بات ارشاد فرمائی تھی جو اس وقت سے مجھے یاد رہ گئی ہے۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ: دیکھئے! اصل تو یہ مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی قسمت میں لکھا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے ایک شرط لگائی گئی ہے کہ جس کے لئے اس مرتبہ کو مانگنے والے اتنی تعداد میں ہوں گے، انہی کو یہ مقام دیا جائے گا، گویا جس کو اتنے ووٹ ملیں گے اسی کو یہ مقام و منصب ملے گا۔ ویسے بھی امّتِ محمدیہ کی تعداد دوسری امتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، پھر جب کہ دن میں پانچ مرتبہ اذان دی جاتی ہے تو ہر اذان کو سن کر اس امّت کے افراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے روزانہ پانچ مرتبہ یہ مقام ملنے کی دعا کرتے رہیں گے، تو ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس مرتبہ کی دعا کرنے والوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لیے یہ مقام مقدّر فرمایا ہے، لیکن ظاہری طور پر جو سبب رکھا اس کو اختیار کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے لئے وسیلہ مانگو، اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچنے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ تو اس مقام کے ملنے میں جس نے بھی اپنی دعا لگائی ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی سفارش ضرور فرمائیں گے، جیسے آپ کسی کو چن کر پارلیمنٹ میں بھیجیں، تو وہ آپ کا بھی کام کرتا ہے کہ اس نے ہم کو ووٹ دیا تھا تو اس کا یہ کام کردو۔ خیر! یہ تو صرف ایک نکتہ کی بات ہے۔

اذان کے جواب کی حیثیت کیا ہے؟

۱۰۳۸:- عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا كَمَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اذان کی آواز سنو تو جس طرح مؤذن کہتا ہے اسی طرح تم بھی کہو۔

افادات:- چوں کہ ''قُوْلُوْا'' امر کا صیغہ ہے، اس لیے اذان کا جواب دینا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ واجب ہے، سنّت ہے، یا مستحب؟ احناف میں سے مشائخ کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اذان کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے، لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بحث و تحقیق کرنے کے بعد آخری بات لکھی ہے کہ اذان کے جواب دو طرح دیئے جاتے ہیں، ایک تو زبانی، اور ایک عملی۔ اذان کا عملی جواب دینا تو ضروری ہے۔ اذان دینے والا اذان کے ذریعہ آپ کو اللہ کے گھر میں بلا رہا ہے کہ آجاؤ، اور مسجد میں آ کر نماز ادا کرلو۔ گویا مسجد کی طرف چلنا عملی جواب ہے، اور یہ واجب اور ضروری ہے۔ اور زبان سے جواب دینا سنّت و مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔

کون شفاعت کا محتاج نہیں؟

۱۰۳۹:- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّه، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ :- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اذان کی آواز سن کر یہ دعا پڑھی: "أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّداً نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْداً نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّه" (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں) قیامت کے روز اس کے لئے میری شفاعت ضروری ہوجائے گی

افادات: اذان کا جواب دینے پر یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت حاصل ہوتی ہو۔ اور ہم میں سے کون ہے جو آپ کی شفاعت کا محتاج نہ ہو؟ اس لئے یہ بہت آسان طریقہ ہے، اس کی عادت بنالو کہ جہاں اذان کی آواز سنو، فوراً جواب دینے میں مشغول ہوجاؤ اور آخر میں یہ دعا بھی پڑھنے کا اہتمام کرو۔

ایک چھوٹا سا عمل؛ اور گناہ معاف

۱۰۴۰:- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم أَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، رَضِيْتُ بِاللهِ رَبّاً، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً، وَبِالْإِسْلَامِ دِيْناً، غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنے اور اس پر یہ کہے: "أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، رَضِيْتُ بِاللهِ رَبّاً، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً، وَبِالْاِسْلَامِ دِيْناً" تو اس کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔

افادات:- دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن جب "أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا الله" کہے، تو اس کے جواب میں "أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا الله" کہے، پھر یہ

کہے ’’ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا، وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا ‘‘

بہت چھوٹا سا عمل ہے اور اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چھوٹے سے رسالہ میں ایسے چھوٹے چھوٹے اعمال جمع کئے ہیں جن پر احادیث میں سارے گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے اور ان کو شائع کیا ہے، اُسی میں ایک عمل یہ بھی ہے، اس کی بھی عادت بنالو۔

یہ دربار کھلنے کا وقت ہے

۱۰۴۱:- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: الدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ.

ترجمہ:- حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رَد نہیں کی جاتی۔

افادات:- یہ بھی ایک اہم فضیلت ہے کہ اذان کے بعد سے لے کر نماز کھڑی ہونے تک کے وقفہ میں جو دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبول کی جاتی ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دربار کھلنے کا وقت ہے، جیسے بادشاہوں کے یہاں دربار کے اوقات ہوتے ہیں اور اس وقت جو آدمی جا کر اپنی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کی وہ درخواست رد نہیں کی جاتی، اسی طرح اذان ہوتے ہی گویا اللہ تعالیٰ کا دربار کھل گیا، اب اقامت ہونے تک جو دعا کی جائے گی وہ ان شاء اللہ قبول ہی ہوگی۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلَوَاتِ

نمازوں کی فضیلت کا بیان

نماز کی تاثیر/ ایک عمدہ مثال

باری تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ یقیناً نماز بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے روکتی ہے۔

"فَحْشَآء" اس گناہ کے کام کو کہتے ہیں جس کا گناہ ہونا ہر آدمی سمجھتا ہے، چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ؛ جیسے: زنا، شراب، قتل، چوری؛ یہ سب ایسے کام ہیں کہ ان کا برا ہونا ہر آدمی سمجھتا ہے؛ ایسے کاموں کو "فَحْشَآء" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جس کام کو تمام شریعت والے برا کہتے ہوں؛ اس کو "مُنْکَر" کہتے ہیں۔ اس آیت میں نماز کی ایک خاصیت بتلائی گئی ہے کہ جو آدمی نماز کو اس کے شرائط، حدود و قیود کے ساتھ ادا کرتا ہے، یہ نماز اس کو گناہ اور برائی کے کاموں سے روکنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

بعضوں کو اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، اس کے باوجود گناہ میں مبتلا رہتے ہیں؟ جیسا کہ حدیثِ پاک میں بھی آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی پوچھا گیا کہ: فلاں آدمی نماز کی پابندی کرتا ہے، اس کے باوجود چوری کا ارتکاب بھی کرتا ہے، حالاں کہ قرآنِ کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ نماز بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے روکتی ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عنقریب یہ نماز اس کو گناہ سے روک دے گی،

چناں چہ بعد میں وہ آدمی اپنی حرکت سے تائب ہوا۔ اس لیے ایسا ہوتا ہے کہ عمل کرتے کرتے ایک وقت آنے پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ آدمی کا جیسا جیسا مزاج ہوتا ہے، ویسا ویسا اثر ظاہر ہونے میں وقت لگتا ہے، جیسے: دوائیوں کا اثر کسی پر جلدی ہوتا ہے اور کسی پر دیر سے ہوتا ہے۔ آدمی اگر دوائی کا استعمال جاری رکھے گا تو ایک وقت آئے گا کہ دوائی اپنا اثر دکھلائے گی، اور بیماری دور ہوگی۔ اسی طریقہ سے نماز کی اپنی تاثیر ہے، اگر ان شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی رہے گی تو ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ آدمی کو برائیوں سے روک دے گی۔

پانچوں نمازوں کی مثال

۱۰۴۲:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْراً بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوْا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ. قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: اچھا یہ بتلاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایک نہر بہہ رہی ہو اور وہ دن میں پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو؛ تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہے گا؟ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب میں عرض کیا: کوئی میل باقی نہیں رہے گا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: پانچوں نمازوں کا حال بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعہ گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

۱۰۴۳:- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَثَلُ الصَّلَوَاتِ

الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلَى بَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّةٍ.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازوں کا حال ایسا ہے جیسے تم میں سے کسی کے دروازہ پر بہنے والی گہری نہر ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو۔

مثال ایک علمی قوت

افادات:- مثال ایک علمی قوت ہے جس کے ذریعہ دقیق سے دقیق اور باریک سے باریک اور مشکل سے مشکل چیزوں کو موٹی موٹی مثالوں کے ذریعہ اس طرح آسان اور حل کر دیا کرتے ہیں کہ اَن پڑھ سے اَن پڑھ اور جاہل سے جاہل آدمی بھی اس کو سمجھ لیا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ یہ علمی قوت حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو خصوصیت کے ساتھ عطا فرماتے ہیں، پھر ان کے صدقہ اور طفیل میں ان کے جانشین اہلِ علم کو بھی یہ چیز عطا کی جاتی ہے۔ اسی لئے حدیث کے موضوع پر لکھی جانے کتابوں میں مستقل ایک عنوان ''کتاب الامثال'' کا آتا ہے، جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن جن مسائل کو مثالوں کے ذریعہ سے حل فرمایا اور سمجھایا ہے، ان ساری مثالوں کو بیان کیا جاتا ہے۔ حدیث کے موضوع پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں اس کی مختلف قسمیں ہیں، انہی میں ایک قسم ''جامع'' ہے، یعنی حدیث کی ایسی کتاب جس میں حدیث کے آٹھوں عنوانات سے تعلق رکھنے والی حدیثیں جمع کی گئی ہوں۔ ان آٹھوں عنوانات میں سے ایک عنوان ''امثال'' کا بھی ہے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت علیٰ وجہ الاتم عطا فرمائی تھی کہ آپ مشکل سے مشکل اور باریک سے باریک مسائل کو مثالوں کے ذریعہ سے پیش فرماتے تھے، تاکہ سننے والے آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس روایت میں بھی نماز کی

افادیت کو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے۔

صحبتِ اہل اللہ کی تاثیر/ ایک واقعہ

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں مثال کی افادیت کو واضح کرنے کے لئے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین اور خدّام میں ایک صاحب ''اللہ دین'' نامی تھے، وہ اَن پڑھ آدمی تھے، لیکن حضرت کی صحبت پائے ہوئے تھے۔ ان کا پیشہ اور کاروبار جانور ذبح کر کے گوشت فروخت کرنے کا تھا جس کو قصاب کہا جاتا ہے۔ ویسے بھی اَن پڑھ تھے اور پیشہ و کاروبار بھی ایسا تھا کہ جس میں علم کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، لیکن حضرت کی صحبت کی وجہ سے ان کی سمجھ بڑی اعلیٰ تھی۔ اہل اللہ اور اہلِ علم کی صحبت کی یہ تاثیر ہے کہ جو آدمی ان کے پاس بیٹھتا رہتا ہے، چاہے وہ پڑھا لکھا ہوا نہ ہو، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی برکت سے اس کی سمجھ کو بھی مجلّٰی اور مصفّٰی کر دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال کیا کہ: حضرت! نیک لوگوں کے پڑوس میں دفن ہونے کو شریعت نے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آدمی انتقال کے بعد اپنے دفن ہونے کے لئے اور اپنی قبر کے لئے ایسی جگہ تلاش کرے کہ جہاں نیک لوگ دفن ہوئے ہوں، حالاں کہ دفن ہونے والا اگر نیک آدمی ہے تو اس کے اعمالِ صالحہ اس کے لئے مفید اور کارآمد ہوں گے، اور اگر وہ خود گنہگار ہے تو وہ اپنے گناہوں کے ساتھ دفن ہوگا، اور نیک آدمی کا پڑوس ملنے کے باوجود اس کے گناہ اس کے لئے عذاب کا سبب بن سکتے ہیں؛ تو پھر اس پڑوس کا فائدہ کیا ہو؟ اب دیکھو! انہوں نے عالمِ برزخ سے تعلق رکھنے والا ایک دقیق سوال کیا تھا، اگر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ عالمِ برزخ کے احوال پر بحث

کرتے؛ تو وہ بیچارے کیا سمجھتے؟ اس لیے حضرت نے فرمایا: ٹھیک ہے، پھر کبھی ہم تمہارے اس سوال کا جواب دیں گے۔ مجلس جاری تھی، گرمی کا زمانہ تھا، تھوڑی دیر بعد خود انہوں نے ہی محسوس کیا کہ گرمی زیادہ ہورہی ہے، تو پنکھا لے کر جھلنے کے واسطے کھڑے ہوگئے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: اللہ دین! یہ کیا کررہے ہو؟ کہا: حضرت! پنکھا جھل رہا ہوں۔ پوچھا: کس کو جھل رہے ہو؟ کہا: آپ کو۔ پوچھا: میرے پاس جو بیٹھے ہوئے ہیں ان کو بھی پنکھا جھل رہے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں! میں ان کو پنکھا کیوں جھلنے لگا! یہ نہ تو میرے استاذ ہیں، نہ پیر؛ میں تو صرف آپ کو ہی پنکھا جھل رہا ہوں۔ حضرت نے پوچھا: ٹھیک ہے، تم پنکھا تو مجھے ہی جھل رہے ہو، لیکن ان کو بھی تو ہوا لگ رہی ہے یا نہیں؟ کہا: جی ہاں! لگ رہی ہے۔ تو حضرت نے فرمایا: یہی تمہارے سوال کا جواب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کے جھونکے جب ان نیک لوگوں پر چلیں گے؛ تو وہ گنہگار جو ان کے پڑوس میں دفن ہے؛ وہ کیسے محروم رہ سکتا ہے! اس کو بھی ان جھونکوں سے ضرور نفع ہوگا۔ اس لیے دفن ہونے کے لئے نیک لوگوں کا جوار اور پڑوس تلاش کرنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں دفن ہونے کی درخواست

اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا تو سنا دیتا ہوں۔ کتابوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ آیا ہے کہ جب ان پر حملہ ہوا اور ان کو یہ یقین ہوگیا کہ اب میں زندہ نہیں رہوں گا اور اسی زخم میں میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں، تو انہوں نے اپنی اس تمنّا کا اظہار کیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں مدفون ہیں، وہیں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہو۔ اور چوں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کمرہ تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے

صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ، اوران کے سامنے میری اس خواہش کا اظہار کرو کہ عمر درخواست کرتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں مجھے بھی دفن ہونے کی سعادت حاصل ہو۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گئے، اورانہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلہ میں اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ویسے تو یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی اور میری تمنّا یہ تھی کہ مَیں یہاں دفن ہوتی، لیکن مَیں امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ چناں چہ انہوں نے اجازت دے دی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی اطلاع دی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے اوران کا شکریہ ادا کیا، لیکن پھر بھی تاکید کردی کہ میرے انتقال کے بعد جب جنازہ لے کر جاؤ تو دوبارہ اجازت لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری زندگی میں میری آنکھوں کی شرم کی وجہ سے جی نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے اجازت دے دی ہو۔ موت کے بعد جب اجازت طلب کروگے تو وہ رکاوٹ باقی نہیں رہے گی، اگراس وقت بھی اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کرنا، ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا، جب جنازہ لے کر وہاں پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دوبارہ اجازت مانگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں پہلے ہی اجازت دے چکی ہوں۔ چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا گیا ہے، ان کے بعد ان کے پڑوس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا گیا۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شدتِ احتیاط دیکھئے۔ مشکوٰۃ شریف میں روایت موجود ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون تھے تب تک تو میں اندر جانے میں کسی قسم کے پردہ کا اہتمام نہیں کرتی

تھی، اس لئے کہ اس میں ایک میرے شوہر ہیں، اور ایک میرے ابّا ہیں اور ان سے پردہ کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن جب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں دفن ہوئے ہیں، کبھی بھی میں نے وہاں کوئی ایسا کپڑا نہیں ہٹایا جو حجاب اور پردہ کے خلاف ہو۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنی زیادہ احتیاط کرتی تھیں۔

بہرحال! یہ واقعہ میں نے نمونہ کے طور پر سنایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پڑوس میں دفن ہونے کی سعادت ملے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ چیز شریعت کی نگاہوں میں مطلوب اور پسندیدہ ہے۔

خلاصۂ کلام

خیر! تو مَیں عرض کر رہا تھا کہ مثال ایک عجیب وغریب چیز ہے۔ دیکھو! حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ برزخ سے تعلق رکھنے والا جو مشکل مسئلہ تھا اس کو ایک حسّی مثال دے کر سمجھا دیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی عالمِ آخرت اور دین کی بہت سی باتوں کو- جو معنویات سے تعلق رکھنے والی ہوا کرتی ہیں- ظاہری مثالوں کے ذریعہ سے سمجھاتے ہیں تا کہ سیدھی سادی سمجھ رکھنے والے ایک اُمّتی کے لئے دین کا مشکل مسئلہ سمجھنا آسان ہو جائے۔ تو نماز کی وجہ سے آدمی کے گناہ جو دھلتے ہیں اس کو سمجھانے کے لئے اس روایت میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مثال دی۔ البتہ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں گناہوں سے مراد صغائر اور چھوٹے گناہ ہیں، اس لئے کہ کبیرہ گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک کہ توبہ نہ کرے۔

دوسری روایت میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہی بات ارشاد فرمائی ہے جو پہلی روایت میں آئی تھی، لیکن اس میں نہر کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ بہنے والی نہر جو

۱ بہت زیادہ پانی والی ہو۔ اور ۲ گہری ہو۔ ویسے بھی جس نہر کا پانی بہتا ہو وہ صاف شفاف ہی ہوتا ہے، اور جو پانی بہتا نہیں ہے بلکہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہتا ہے، اس میں میل کچیل اور بدبوسی آجاتی ہے۔

نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں

۱۰۴۴:- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَجُلاً أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَخْبَرَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: أَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ، إِنَّ الحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (هود: ۱۱۴) فَقَالَ الرَّجُلُ أَلِي هَذَا؟ قَالَ: لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر (انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو) وہ فوراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مجھے پاک کیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿أَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ، إِنَّ الحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (هود: ۱۱۴) نماز قائم کیجئے دن کے دونوں کناروں پر، اور رات کی کچھ گھڑیوں میں، بیشک نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں۔ اس آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ حکم خاص میرے لئے ہے (یا پھر عام قانون ہے؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری پوری امّت کے لیے (یہ قانون عام) ہے۔

افادات:- دوسری روایتوں میں ہے کہ وہ کھجور بیچنے والا آدمی تھا، ایک عورت کھجور خریدنے آئی جس کو دیکھ کر اس کے دل میں اس کی طرف میلان اور کشش ہوئی، تو اس سے کہا کہ اندر اچھی کھجوریں ہیں، جب وہ عورت اندر گئی تو بوسہ لے لیا، پھر

اس کو اپنی اس حرکت پر پچھتاوا ہوا کہ میں نے بڑے گناہ کا کام کرلیا، تو خود ہی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک ایسا گناہ کرلیا ہے جس کی وجہ سے حد واجب ہو جاتی ہے، آپ مجھ پر حد جاری کیجئے۔

''حد'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بعض گناہ ایسے ہیں جن کے کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں، جیسے: چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، زنا کرنے والا اگر شادی شدہ نہ ہو تو اس کو سو کوڑے لگائے جاتے ہیں، اور اگر شادی شدہ ہو تو اس کو پتھر مار مار کر ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس آدمی نے بھی چوں کہ عورت کا بوسہ لیا تھا جو منھ کا زنا ہی تھا، اور زنا کی اصل سزا یہی ہے، اس لیے وہ یوں سمجھا کہ میرے اوپر حد واجب ہوگئی، تو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ: مجھ پر سزا جاری کر کے مجھے پاک کر دیجئے۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معصوم نہیں تھے، اس لیے ان میں سے بعض حضرات سے گناہوں کا صدور ہوا ہے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی صحبت اور تربیت کے اثرات سے گناہوں کے صدور کے بعد جب تک وہ اپنے آپ کو گناہ کی نجاستوں سے پاک وصاف نہیں کر لیتے تھے ان کو چین نہیں آتا تھا، یعنی ان کے دل میں ایک بے چینی سی پیدا ہو جاتی تھی، اور نیند حرام ہو جاتی تھی، ان کا کھانا پینا چھوٹ جاتا تھا، مجلسِ نبوی میں حاضر ہو کر درخواست کرتے تھے: اے اللہ کے رسول! مجھ سے یہ قصور اور کوتاہی ہوگئی ہے، اب آپ مجھے پاک کر دیجئے۔ اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم لوگ تو گناہ کرتے رہتے ہیں اور کبھی دل میں کوئی بے چینی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ یہاں بھی ان

صحابی سے ایک گناہ وجود میں آیا لیکن ان کے قلب میں ایسی بےچینی پیدا ہوئی کہ فوراً وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مجھے پاک کیجئے۔

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ﴾ نماز قائم کیجئے دن کے دونوں کناروں پر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں۔ اس میں کون سی نمازیں مراد ہیں؟ بعضوں نے کہا کہ دو کنارے بول کر فجر وعصر کی نماز مراد لی گئی ہے، اور رات کی گھڑیاں بول کر مغرب اور عشاء مراد لی گئی ہیں۔ بعض حضرات نے دن کے دونوں کناروں سے فجر و مغرب مراد لی ہے، اور ﴿وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ﴾ سے عشاء مراد لی ہے۔

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ بیشک نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ اس آیت نے آکر ایک اصول بتلا دیا کہ نیکی کے جتنے بھی کام ہیں وہ آدمی کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت ان صحابی کو سنائی اور اطمینان دلایا کہ تم نے ہمارے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لی تو تمہارا وہ گناہ معاف ہو گیا۔

پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام کفارۂ ذنوب

۱۰۴۵:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ کی نماز دوسرے جمعہ تک؛ درمیان میں ہونے والے گناہوں کے لئے کفّارہ ہیں؛ جب تک کہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

افادات:- "مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ" سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اگر کبیرہ گناہ کرتا ہے تو اس صورت میں پانچوں نمازیں اور جمعہ سے لے کر جمعہ مطلق

گناہوں سے معافی کے لیے کفّارہ نہیں بنیں گی۔لیکن عام طور پر شرّاح اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کبائر معاف نہیں ہوں گے،ورنہ صغائر کے لئے یہ کفّارہ بن جائیں گی۔

۱۰۴۶: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ مَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَا لَمْ تُؤْتَ كَبِيْرَةٌ وَذٰلِكَ الدَّهْرُ كُلَّهُ.

ترجمہ:- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوارشاد فرماتے ہوئے سنا: جومسلمان فرض نماز کے وقت اچھے طریقہ سے وضو کرتا ہے،اور نماز کے خشوع کا اہتمام کرتا ہے،اور تمام ارکان اچھے طریقے سے ادا کرتا ہے؛تو یہ نماز اس سے پہلے جتنے بھی گناہ ہو چکے ہیں ان کے لئے کفّارہ بن جاتی ہے،جب تک کوئی کبیرہ گناہ نہ کیا گیا ہو،اور زندگی بھر کے لئے یہی قاعدہ ہے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ وضو کی ادائیگی میں عجلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اطمینان کے ساتھ تمام فرائض اور سنن وآداب کی ادائیگی کے ساتھ بڑے اہتمام سے وضو کرنا چاہیے۔اور نماز میں بھی خشوع کا اہتمام کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی چاہیے،نماز کے ارکان رکوع سجدہ وغیرہ بھی اچھے طریقہ سے ادا کرنے چاہئیں۔

ایسے تمام اعمال سے کبیرہ گناہ معاف نہیں ہوتے بلکہ صغیرہ ہی معاف ہوتے ہیں۔اور یہ ایک دن کی اور ایک نماز کی بات نہیں ہے، بلکہ زندگی بھر کے لئے یہی قاعدہ ہے کہ آدمی اگر پانچوں نمازیں اچھے طریقہ سے پورے اہتمام کے ساتھ اس کے حقوق وحدود کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرتا ہے،تو اس سے آدمی کے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ

فجر اور عصر کی نماز کی فضیلت کا بیان

۱۰۴۷:- عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ. ((الْبَرْدَانِ)): الصُّبْحُ وَالْعَصْرُ.

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دو ٹھنڈے وقت کی نماز پڑھے گا (یعنی فجر اور عصر) تو جنّت میں داخل ہوجائے گا۔

افادات:- اللہ تعالیٰ جس کو ان دو نمازوں کی توفیق دیں گے وہ ان شاء اللہ دوسری نمازوں کا بھی اہتمام کرے گا، اس لئے کہ فجر کا وقت عام طور پر سونے اور سستی کا ہوتا ہے اور آدمی نیند کی محبت میں اس نماز کو چھوڑ دیتا ہے۔ بہت سے دوسری نمازوں کو اہتمام سے ادا کرنے والے بھی فجر کے معاملہ میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور عصر کا وقت عام طور پر کاروبار وتجارت کی مشغولی، اور دنیا کے کاموں میں انہماک کا ہوتا ہے؛ تو اس وقت آدمی اپنی ان تمام مشغولیات کو چھوڑ کر اور کاروبار سے ہٹ کر نماز کا اہتمام کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی طبعی تقاضہ اور دنیوی تقاضہ نماز کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا، اور ان دونوں نمازوں کا اہتمام اس بات کی دلیل ہے؛ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آدمی پانچوں نمازوں کا بھی اہتمام کرے گا اور اس کی وجہ سے جنّت میں داخل ہوجائے گا۔

۱۰۴۸:- وَعَنْ أَبِي زُهَيْرٍ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: لَنْ يَّلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِيْ الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ.

ترجمہ:- حضرت عُمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو آدمی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے (یعنی فجر) اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر) پڑھے؛ تو وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

افادات:- اس روایت میں بھی وہی بات ہے کہ جو ان دونوں کا اہتمام کرے گا اس کو دوسری نمازوں کے اہتمام کی توفیق بھی ان شاء اللہ آسانی سے نصیب ہوگی۔

فجر پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں

۱۰۴۹:- وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ، فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ، فَانْظُرْ يَا ابْنَ آدَمَ! لَا يَطْلُبَنَّكَ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ.

ترجمہ:- حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آگیا، پس اے انسان! اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کے متعلق تم سے کوئی مطالبہ نہ کرے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فجر کی نماز کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے نکل جاؤ۔ یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس آدمی نے فجر کی نماز ادا کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیدیا ہے، اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کرکے تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے مورِد نہ بن جانا۔

فجر اور عصر میں فرشتوں کی حاضری

۱۰۵۰:-وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ، فَيَسْأَلُهُمُ اللهُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ۔

ترجمہ:-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری تمہارے درمیان حاضری دیتے ہیں، فجر اور عصر کی نماز میں دونوں وقت کے فرشتے جمع ہوجاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے درمیان رات گزاری جب وہ آسمان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں کہ اے فرشتو! تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: باری تعالیٰ! ہم ان کو نماز پڑھتا ہوا چھوڑ کر آئے، اور جب ہم پہنچے تھے تب بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔

افادات:- رات کے فرشتے عصر کے وقت آجاتے ہیں جو فجر تک رہتے ہیں، اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں آجاتے ہیں اور عصر کی نماز تک رہتے ہیں۔ ظہر کی نماز میں صرف دن والے فرشتے ہوتے ہیں، اسی طریقہ سے مغرب اور عشاء کی نماز میں صرف رات والے فرشتے ہوتے ہیں، لیکن فجر اور عصر کی نماز میں دونوں وقت کے فرشتے جمع ہوجاتے ہیں، یہ گویا ان دونوں نمازوں کی خصوصیت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ باوجودیکہ خوب واقف ہیں پھر بھی فرشتوں کی زبان سے گواہی دلواتے ہیں، کیوں کہ یہی وہ فرشتے تھے جنھوں نے انسان کی پیدائش کے وقت اللہ

تعالیٰ کے حضور میں اپنی درخواست پیش کی تھی: ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ باری تعالیٰ! آپ زمین میں ایسی مخلوق کو پیدا کرنے والے ہیں جو فساد پھیلائے گی اور خون بہائے گی، حالاں کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیری تکبیر کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ باقاعدہ فرشتوں سے پوچھ کران کی زبان سے اقرار کرواتے ہیں کہ یہی تو وہ مخلوق ہے جن کے متعلق تم کہتے تھے کہ فساد مچائے گی؟ دیکھو تم ہی آ کر بتلا رہے ہو کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اور جب گواہی دینے کی بات آ ہی گئی تو جو پوچھا گیا تھا وہ تو بتلایا ہی، ساتھ ہی ساتھ دوسری ایک چیز بھی بتلادی کہ جب ہم فجر کے وقت لوٹے تو نماز پڑھتا ہوا چھوڑ کر آئے تھے، لیکن عصر کے وقت جب ہم ڈیوٹی پر حاضری دینے کے واسطے گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز ہی میں مشغول تھے۔

''كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟'' اے فرشتو! تم جب یہاں آئے تو میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے؟ اس سے معلوم ہوا کہ آخری حالت ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

دیدارِ باری تعالیٰ کی کیفیت و منظر

۱۰۵۱:- وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا، فَافْعَلُوْا.

ترجمہ:- حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم

ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، نبی کریم ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا: تم لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اسی طرح کروگے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، کہ اس کو دیکھنے میں کوئی دھکّا پیل اور تکلیف نہیں ہورہی ہے۔ اس لیے اگر تم سے ہوسکے کہ وہ نماز جو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہوتی ہے (یعنی فجر) اور جو نماز سورج کے غروب ہونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے (یعنی عصر) ان کے معاملہ میں مغلوب نہ بنو؛ تو ایسا کرو (یعنی ان دونوں کا خصوصی اہتمام کرو)

افادات:- اگر بڑے سے بڑا مجمع ہو، اور سب بیٹھے ہوئے ہوں، تب بھی ہر آدمی اپنے کسی ساتھی کو ذرا سا بھی نقصان اور تکلیف پہنچائے بغیر چاند کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر زمین پر کوئی چیز ہو، اور بڑا مجمع ہو تو اس کو دیکھنے میں دھکّا پیل ہو ہی جاتی ہے، کوئی سر اونچا کرتا ہے تو پیچھے والا کہتا ہے کہ بھائی! ذرا بیٹھ جاؤ، مجھے بھی دیکھنا ہے۔ اور جو چیز اوپر ہوتی ہے وہاں اس کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

''مغلوب نہ بنو'' مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں (فجر اور عصر) تم سے کسی حال میں بھی چھوٹنی نہیں چاہئیں۔ معلوم ہوا کہ کل کو قیامت میں اہلِ جنّت کو اللہ تعالیٰ کا جو دیدار نصیب ہوگا اس میں ان دونوں نمازوں کو بڑا دخل ہے۔

ویسے حدیثِ پاک میں یہ بھی آتا ہے کہ جنتیوں کو جنّت میں اللہ تعالیٰ کا جو دیدار ہوگا وہ انہی دو اوقات فجر اور عصر میں ہوگا، اور جو آدمی ان دونوں نمازوں کا اہتمام کرتا ہے اس کو دونوں اوقات میں دیدار نصیب ہوگا۔ اور جنّت میں جنتیوں کو جو سب سے اونچی چیز نصیب ہوگی وہ دیدارِ خداوندی ہوگا۔ باری تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے کہ تم خوش ہو؟ تو وہ کہیں گے: ہاں! ہم بہت خوش ہیں۔ باری تعالیٰ پوچھیں گے: اور کوئی

نعمت چاہیے؟ جنّتی کہیں گے: باری تعالیٰ! سب کچھ مل گیا ہے، اب کسی چیز کی کمی ہے، نہ ضرورت۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: اب میں تمہیں ایک ایسی چیز دیتا ہوں جس کا تم کو تصوّر بھی نہیں ہوگا۔ پھر باری تعالیٰ اپنا دیدار کروائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا دیدار سب سے اونچی چیز ہے، اور سب سے بڑی نعمت ہے جو جنّتیوں کو جنّت میں دی جائے گی، اور وہ انہیں دونمازوں کے اہتمام پر نصیب ہوگی۔

۱۰۵۲:- وعن بُرَیْدَۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: مَنْ تَرَكَ صَلاَةَ العَصْرِ، فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی؛ اس کے سارے اعمال بے کار ہو گئے۔

بَابُ فَضْلِ الْمَشْيِ اِلَى الْمَسَاجِدِ

مسجدوں کی طرف چل کر جانے کی فضیلت کا بیان

اسلام میں مساجد کی اہمیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادات میں نماز کا حکم دیا اور جو عبادات بندوں پر لازم کی گئی ہیں ان میں نماز بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اور ان نمازوں کی ادائیگی کے لئے اسلام نے ایک نظام مقرر کیا گیا ہے۔ ویسے تمام مسلمان پنج وقتہ نمازیں اپنے اپنے گھروں میں بھی ادا کر سکتے تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ادائیگی کے لئے مستقل مکانات تعمیر کروائے، جن کو مساجد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہ حکم دیا کہ ان مساجد میں ہی فرض نمازیں ادا کرو۔ اسی لیے اسلام میں مساجد کی بڑی اہمیت اور خاص مقام و کردار ہے، اور نماز کی ادائیگی کے لئے جو مسجدیں بنوائی گئی ہیں اس میں بڑی حکمتیں و مصلحتیں بھی ہیں، جو لوگ ان نمازوں کو اپنے گھروں میں ادا کر لیتے ہیں تو اس سے اگرچہ فرض ادا ہو جاتا ہے، ان کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے، نماز کا ذمہ ساقط ہو کر ان پر نماز باقی نہیں رہتی، لیکن ان نمازوں کی ادائیگی کے لئے اسلام نے جو نظام مقرر کیا ہے کہ نمازوں کو باقاعدہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، وہ مصالح حاصل نہیں ہوتی۔ اس باب میں انہیں فضیلتوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ نماز کی ادائیگی کے لئے چل کر مسجد جاتے ہیں ان کے اس عمل کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا قدر و قیمت ہے!

مسجد جانے والے کا عنداللہ اکرام

۱۰۵۳:- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ، أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلاً كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ. (متفقٌ عَلَيْه)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی صبح یا شام کے وقت (نماز کو ادا کرنے کے لئے) مسجد گیا؛ تو جب بھی وہ جائے گا، چاہے صبح یا شام کو؛ اللہ تعالیٰ جنّت میں اس کا اکرام کرتے ہوئے اس کے لئے کھانا تیار کرواتے ہیں۔

افادات:- جیسے: کوئی مہمان کسی کے گھر جاتا ہے تو گھر والا آنے والے مہمان کا اکرام کرتے ہوئے اس کی خدمت میں کھانے پینے کی کوئی بھی چیز پیش کرتا ہے۔ تو اس گھر والے کی طرف سے مہمان کے سامنے اس کے اکرام کے طور پر جو چیز پیش کی جاتی ہے؛ اسی کو عربی میں ''نُزُل'' کہتے ہیں۔ گویا مسجد کی طرف جانے والا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے، اور جیسے دنیوی اعتبار سے شریف میزبان اپنے گھر آنے والے مہمان کا اکرام کرتا ہے؛ اسی طرح جب بھی بندہ مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے گھر جانے والے مہمان کا اکرام کرتے ہوئے جنّت میں اس کے لئے اکرام کے طور پر ناشتہ اور کھانا تیار کرواتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں تیار کروایا تو اس سے اس کو کیا فائدہ پہنچا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ یا تو اس وقت اگر اس کو موت آ گئی تو اس سے اس کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔ یا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے ذریعہ سے بندوں تک یہ بات پہنچا کر یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جب آپ مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو اس تصور کے ساتھ مسجد پہنچئے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت میں آپ کے واسطے خوان تیار

رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کا اکرام کیا جا رہا ہے۔

گھر سے باوضو مسجد جانے کی فضیلت

۱۰۵۴:- وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِي صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ، ثُمَّ مَضَى إِلَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ، لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللهِ؛ كَانَتْ خُطُوَاتُهُ إِحْدَاهَا تَحُطُّ خَطِيئَةً وَالْأُخْرَىٰ تَرْفَعُ دَرَجَةً. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنے گھر میں طہارت و پاکی حاصل کرے (یعنی وضو کر لے) اور پھر اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف آگے بڑھے (یعنی مسجد جائے) تا کہ اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کو ادا کرے؛ تو وہ قدم جو مسجد کی طرف اٹھیں گے؛ ہر ایک قدم اس کے ایک گناہ کو مٹائے گا اور ہر دوسرا قدم اس کے درجہ کو بلند کرے گا۔

افادات:- ویسے مسجد میں بھی وضو کرنے کا انتظام ہوتا ہے اور وہاں وضو کرنا درست بھی ہے، لیکن اپنے گھر سے وضو کر کے طہارت مکمل کر کے مسجد کی طرف چلنا بہت زیادہ ثواب کا کام ہے، اس لئے ہمیں عادت یہی بنانی چاہئے کہ اپنے گھروں ہی سے تیاری کر کے مسجد جانے کے لئے نکلیں۔

مسجد سے دور گھر والے کے لیے خوشخبری

۱۰۵۵:- وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَبْعَدَ مِنَ الْمَسْجِدِ مِنْهُ وَكَانَتْ لَا تُخْطِئُهُ صَلَاةٌ. فَقِيلَ لَهُ: لَوِ اشْتَرَيْتَ حِمَارًا تَرْكَبُهُ فِي الظَّلْمَاءِ وَفِي الرَّمْضَاءِ. قَالَ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّ مَنْزِلِي إِلَى

جَنْبِ الْمَسْجِدِ، إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ يُّكْتَبَ لِيْ مَمْشَايَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَرُجُوْعِيْ إِذَا رَجَعْتُ إِلَى أَهْلِيْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَدْ جَمَعَ اللهُ لَكَ ذٰلِكَ كُلَّه. (رواہ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی کا مکان مسجد سے بہت دور تھا، اس سے زیادہ دور مکان والا کوئی آدمی میرے علم میں نہیں ہے، اوران کی کوئی بھی نماز نہیں چھوٹتی تھی (یعنی ہرنماز میں باقاعدہ پابندی سے جماعت کے ساتھ حاضری دینے کے لئے مسجد میں آتے تھے) ایک مرتبہ ان سے کہا گیا: اگر تم ایک گدھا سواری کے واسطے خرید لو، تا کہ اس پر سوار ہوکر مسجد آتے جاتے رہو، تو تمہارے لئے آسانی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ رات کو اندھیرا ہوتا ہے، اور دن میں گرمی کے زمانہ میں دھوپ سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا: میرے لئے یہ بات بھی خوش کن نہیں (یعنی مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے) کہ میرا مکان مسجد کے برابر میں ہو (میرا مکان دور ہے اور وہاں سے میں آتا جاتا ہوں اور مسجد میں نماز کے لئے آنے جانے کی تکلیف اور مشقّت اٹھا رہا ہوں، یہی مجھے زیادہ پسند ہے) اس لیے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا مسجد آنا اور مسجد سے واپس گھر لوٹنا؛ دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھے جائیں (حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس گفتگو کا تذکرہ کیا تو) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اس کو بتلادو کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے یہ دونوں باتیں جمع فرمادیں (یعنی دونوں ثواب عطا فرمادئے)۔

افادات:- عام طور پر ہم یہی سمجھتے ہیں کہ نماز کے لئے مسجد آنے کا ثواب لکھا جاتا ہے، لیکن اس روایت میں ان صحابی نے دوسری بات بھی کہی کہ میں نماز کے بعد جب واپس لوٹوں تو میری واپسی بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھی جائے۔ یعنی مسجد آنا تو لکھا ہی جاتا ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ واپس گھر لوٹنے کا ثواب بھی لکھا جائے،

اور اپنی اسی خواہش کا اظہار کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا یہ جملہ کہ **''مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میرا مکان مسجد کے پڑوس میں ہو''** بڑا بھاری معلوم ہوا۔ اگرچہ انہوں نے پسند نہ ہونے کی وجہ آگے بتلائی کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے گھر کے دور ہونے کے نتیجہ میں میرا مسجد آنا اور واپس گھر لوٹنا؛ دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کے طور پر لکھے جائیں۔ پھر بھی حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے بتلادو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں باتیں عطا فرمادیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مکان مسجد سے دور ہوگا اس کے باوجود مشقّت اٹھا کر مسجد آئے گا اور تمام نمازوں میں جماعت کے ساتھ حاضری کا اہتمام کرے گا، تو اتنا ہی نہیں کہ مسجد آنے کا ثواب لکھا جائے گا، بلکہ ظاہر ہے کہ واپسی میں بھی اس کو اتنی ہی مشقّت ہوگی؛ تو اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔

دورِ نبوی کا واقعہ

۱۰۵۶:- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَأَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ أَنْ يَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. فَقَالَ لَهُمْ: بَلَغَنِيْ أَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ؟ قَالُوْا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَدْ أَرَدْنَا ذٰلِكَ. فَقَالَ: بَنِيْ سَلِمَةَ! دِيَارَكُمْ، تُكْتَبْ آثَارُكُمْ. دِيَارَكُمْ، تُكْتَبْ آثَارُكُمْ. فَقَالُوْا: مَا يَسُرُّنَا أَنَّا كُنَّا تَحَوَّلْنَا.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کے قریب کچھ زمینیں خالی تھیں (یعنی پہلے تو وہاں لوگ آباد تھے لیکن کچھ لوگ اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں

چلے گئے) تو قبیلۂ بنوسلمہ کے لوگوں نے (جو مسجدِ نبوی سے دور، شہر کے کنارہ پر آباد تھے) ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب (جو جگہیں خالی ہوئی ہیں ان کو خرید کر اپنے مکانات تعمیر کرلیں، اور یہیں) منتقل ہو جائیں (جیسے عام طور پر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ مسجد کے قریب والا مکان مل جائے تو خرید لیں، تاکہ نماز کے لیے آسانی ہو جائے) جب نبیٔ کریم ﷺ کو پتہ چلا (کہ وہ لوگ قریب والی جگہ خرید کر یہاں منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ وہ لوگ شہر کے جس علاقہ میں آباد تھے وہ مدینہ منورہ کا بالکل کنارے والا حصہ تھا، اور مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ شہر کے کنارے پر بھی آبادی باقی رہنی چاہیے تاکہ شہر کی حفاظت ہو۔ اگر وہ لوگ یہاں منتقل ہو جائیں گے تو شہر کا کنارہ والا حصہ خالی ہو جائے گا اور شہر کو خطرہ لاحق ہوگا، اس لیے حضور اکرم ﷺ نے پہلے تو انہیں سے تحقیق فرمائی کہ یہ بات صحیح بھی ہے یا نہیں۔ چناں چہ دریافت فرمایا کہ اے بنوسلمہ!) مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنی آبادی چھوڑ کر مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو (کیا میں نے صحیح سنا ہے؟) انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارا ایسا ہی ارادہ ہے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بنوسلمہ! اپنے موجودہ مکانات کو لازم پکڑے رہو (یعنی وہاں سے مت ہٹنا) تم وہاں سے چل کر جو مسجد نبوی تک آتے ہو، تو تمہارے تمام نشاناتِ قدم اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھے جاتے ہیں، اور اس پر تم کو ثواب دیا جاتا ہے (پھر دوبارہ ارشاد فرمایا) تم اپنے مکانوں کو لازم پکڑے رہو؛ تم لوگ وہاں سے چل کر مسجد نبوی تک آتے ہو، تو تمہارے تمام نشاناتِ قدم اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھے جاتے ہیں (یہ سن کر) ان حضرات نے کہا: ہمارے لئے یہ بات خوشی کی نہیں کہ ہم وہاں سے منتقل ہو کر یہاں آجائیں۔

افادات:- اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ مکان کا مسجد سے قریب ہونا آدمی کے لئے سعادت کی بات ہے، اور جماعت کے حاصل ہونے کے لئے آسانی کا ذریعہ بھی ہے، لیکن اگر دوسری کوئی مصلحتیں اس کے مقابلہ میں موجود ہوں، تو پھر ان

مصلحتوں کو بھی ترجیح دی جائے گی۔ جیسے: دورِ حاضر میں بھی بعض جگہوں پر کالونیاں بنی ہوئی ہیں اور وہاں مسجد بھی بنی ہوئی ہے، اب مسلمان معمولی خطروں کی وجہ سے ان کالونیوں میں سے اپنے مکانات فروخت کرکے دوسری جگہوں پر منتقل ہو رہے ہیں، جس کے نتیجہ میں وہاں کی مسجدیں ویران ہو جائیں گی۔ اس لیے مسجد کی آبادی کو برقرار رکھنے کے لئے وہاں کے رہنے والوں کو اس بات کی تاکید کی جائے کہ بھائیو! تم لوگ وہیں رہو؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اس چیز کی طرف خاص طور پر دھیان وتوجہ دینے کی ضرورت ہے۔

دیکھئے! قبیلۂ بنوسلمہ مدینہ منورہ کے جس حصہ میں آباد تھا، اگر وہ لوگ وہاں سے منتقل ہو کر مسجد نبوی کے قریب آجاتے تو وہ حصہ خالی ہو جاتا اور اُدھر سے دشمنوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہو جاتا؛ جس سے حفاظت کے لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی کے قریب آنے کی اجازت نہیں دی، اور ان کو اس بات کی ترغیب دی کہ تم اپنی جگہوں پر ہی رہو۔ رہی یہ بات کہ دور پڑتا ہے، تو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ جتنا دور سے چل کر آؤ گے اس پر تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا ہی زیادہ ثواب بھی تو لکھا جائے گا، تمہارے تمام نقشِ قدم اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ رہیں گے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خواہش ظاہر فرمائی کہ وہیں رہو، تو وہ لوگ فرمانے لگے: اب ہمیں بھی یہیں رہنا پسند ہے، اگر مسجد کے قریب آنے کے لئے ہمیں کہا بھی جائے تو ہم آنے کو پسند نہیں کریں گے۔

انفرادی تقاضہ پر اجتماعی مصلحت کو ترجیح

اس سے معلوم ہوا کہ کبھی انفرادی مصلحتوں کے مقابلہ میں اجتماعی مصلحتوں کا

لحاظ کیا جاتا ہے۔ مسجد کے قریب مکان ہونا اور اس کی وجہ سے آسانی پیدا ہونا؛ یہ انفرادی مسئلہ اور تقاضہ تھا، لیکن شہر کے باہر کا علاقہ خالی ہوجانے کی وجہ سے خطرات پیدا ہوجانا؛ یہ اجتماعی مصلحت تھی۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انفرادی تقاضہ کے مقابلہ میں اجتماعی مصلحت کو ترجیح دی، اور ان کو وہیں رہنے کی تاکید فرمائی، اور ان حضرات نے بھی بخوشی ومسرّت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلے کو قبول کرلیا۔

زیادہ ثواب پانے والے نمازی

۱۰۵۷:- وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ أَجْرًا فِيْ الصَّلَاةِ: أَبْعَدُهُمْ إِلَيْهَا مَمْشًى فَأَبْعَدُهُمْ. وَالَّذِيْ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ، أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نمازیوں میں سب سے زیادہ ثواب پانے والا وہ آدمی ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر نماز کے لئے آئے۔ اور جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے انتظار کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ امام کے ساتھ (جماعت سے) نماز ادا کرتا ہے، تو وہ اس آدمی کے مقابلہ میں زیادہ ثواب پاتا ہے جو جلدی سے نماز پڑھ کر سوجاتا ہے۔

افادات:- جماعت میں شریک ہونے والوں میں جس کا مکان مسجد سے جتنا زیادہ دور ہوگا اور وہاں سے چل کر مسجد میں آکر جماعت میں حاضری دے گا، وہ لوگوں میں ثواب کے اعتبار سے اتنا ہی زیادہ بڑھا ہوا ہوگا۔

اسی طرح عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوا تو کوئی آدمی سوچتا ہے کہ ابھی تو مسجد میں عشاء کی جماعت میں بہت دیر ہے، اس لئے گھر پر ہی نماز پڑھ کر جلدی سے سوجاتا

ہے،اس کے مقابلہ میں دوسرا آدمی جماعت کا انتظار کرتا ہے اور جماعت سے عشاء پڑھتا ہے؛ توحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس دوسرے آدمی کو زیادہ ثواب ملے گا۔

نورِ کامل کی بشارت

۱۰۵۸:-وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: بَشِّرُوا الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه أبو داؤد والترمذي)

ترجمہ:- حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جولوگ اندھیریوں میں مسجد کی طرف کثرت سے چل کر آتے ہیں،ان کو قیامت کے روز کے پورے پورے نور کی خوش خبری سنادو۔

افادات:- یعنی قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کو کامل نور عطا فرمائیں گے،جیسا کہ قرآنِ پاک میں بھی ہے کہ اہلِ ایمان جب قیامت کے روز چلیں گے تو ان کا نور ان کے آگے دائیں بائیں ہوگا،اسی روشنی میں وہ چلیں گے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے آدمی مسجد نہیں جاتا اور گھر پر ہی نماز پڑھ کر سونے کی سوچتا ہے۔ یہاں بتلایا گیا کہ اگر چہ یہ مشقّت کی چیز ہے،لیکن اگر یہ مشقّت تم اُٹھالوگے تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تم کو اجر ومقام بھی ویسا ہی دیا جائے گا۔

کفارۂ سیئات ورفعِ درجات کے تین اعمال

۱۰۵۹:-وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ:

إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو ایسا عمل نہ بتلاؤں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرتے ہیں اور درجات کو بلند فرماتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ضرور بتلایئے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تکلیف دہ حالات میں کامل طریقہ سے وضو کرنا۔ مسجد کی طرف کثرت سے پاؤں اُٹھانا۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ یہی سرحدوں کی حفاظت ہے۔ یہی سرحدوں کی حفاظت ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ ٹھنڈی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا آدمی کے لئے نہایت ہی مشقّت کا سبب ہوتا ہے، اس کے باوجود ایک آدمی سردی کے زمانہ میں وضو کرتے ہوئے بڑے اہتمام کے ساتھ تمام سنتوں کو ادا کرتا ہے، جلدی میں سنتوں کو چھوڑ کر وضو نہیں کرتا۔ یا کبھی آدمی بیمار ہوتا ہے تو بیماری کی وجہ سے وضو کرنا اس کو بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن کوئی آدمی بیماری کے باوجود وضو کی مشقّت کو برداشت کرتا ہے اور سنت کے مطابق وضو کرنے کا اہتمام کرتا ہے؛ تو یہ چیز گناہوں کو معاف کرنے والی اور درجات کو بلند کرنے والی ہے۔ کسی کا گھر مسجد سے دور ہے اس کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا اتنا اہتمام کرتا ہے کہ ہر حال میں جماعت سے نماز کے لیے مسجد پہنچتا ہے؛ تو یہ چیز بھی گناہوں کو معاف کرنے والی اور درجات کو بلند کرنے والی ہے۔

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، جیسے مغرب کی نماز پڑھ لی، لیکن اب دل میں یہ انتظار رہے کہ کب عشاء کا وقت ہو اور عشاء پڑھ لوں۔ یا ظہر پڑھ لی اور اب دل میں یہ انتظار رہے کہ کب عصر کا وقت ہو اور عصر پڑھ لوں۔ گویا ایک نماز کے

بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے، اور ہر وقت دل پر یہی فکر سوار رہتی ہے۔

یہ تین چیزیں سرحدوں کی حفاظت ہیں۔ جیسے سرحدوں پر فوج کو بٹھا کر دشمن کے حملوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی طرح جو آدمی ان تین اعمال کا اہتمام کرے گا تو وہ نفس وشیطان کے حملوں سے اپنے آپ کو بچالے گا۔ اس لئے کہ انسان کے دو ہی دشمن ہیں، ایک نفس اور دوسرا شیطان؛ ان دونوں کی شرارتوں اور ان کی طرف سے پہنچنے والے ضرر سے بچنے میں یہ تین اعمال بہت زیادہ مؤثر ہیں، چناں چہ جو لوگ ان کا اہتمام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

اُس کے صاحبِ ایمان ہونے کی گواہی دو

۱۰۶۰:- وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسَاجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْإِيْمَانِ. قَالَ اللهُ عزوجل: إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ :الآية. (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم جب کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ مسجد میں برابر حاضری دیتا ہے (یعنی ہر نماز میں مسجد میں آتا ہے) تو تم اس کے لئے ایمان کی گواہی دو (یعنی ایسے آدمی کے متعلق تم کہہ سکتے ہو کہ یہ آدمی صاحبِ ایمان ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دلیل میں فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں (اور یہ آدمی جب مسجد میں حاضری کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے گھر کو آباد کرنے والا ہے۔ اور قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسجدوں کو آباد کرنے والے اہلِ ایمان ہیں؛ تو تم بھی اس کے صاحبِ ایمان ہونے کی گواہی دو۔)

بَابُ فَضْلِ إِنْتِظَارِ الصَّلَاةِ

نماز کے انتظار کی فضیلت

نماز کے انتظار میں جو زحمت ہوتی ہے اس پر بھی بڑی فضیلت ہے، پہلے زمانہ میں جب گھڑیاں نہیں تھیں تو جماعت کھڑی ہونے کے اوقات بھی مقرر نہیں تھے۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نماز اسی وقت کھڑی ہوتی تھی جب آپ تشریف لاتے تھے، اسی طرح خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں بھی یہی معمول تھا کہ خلیفہ خود ہی نماز پڑھاتے تھے، جب وہ آتے تھے تو نماز کھڑی ہوتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اذان ہوئی تو دس منٹ کے بعد ہی جماعت کھڑی ہوگئی، کبھی دس منٹ کے بعد ہو جاتی تھی اور کبھی گھنٹہ آدھا گھنٹہ بھی لگ جاتا تھا، وقت کی کوئی تعیین نہیں تھی، اس لیے پہلے سے آنے والے کو کبھی انتظار بھی کرنا پڑتا تھا۔ آج کل ہم لوگوں سے یہ بھی برداشت نہیں ہوتا، مَیں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ ہمارا مزاج ایسا بن گیا ہے کہ بالکل اخیری وقت میں مسجد پہنچتے ہیں، اور اگر کبھی جلدی پہنچ گئے تو جماعت خانہ میں داخل نہیں ہوتے، باہر ہی کھڑے رہتے ہیں، حالاں کہ جماعت کے اوقات مقرر ہیں اس کے باوجود مسجد میں داخل ہونا اور مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنا بھی ہمارے لیے باعثِ مشقّت ہے، حالاں کہ اس کی بڑی فضیلت ہے اسی کو اس باب میں بتلاتے ہیں۔

آدمی نماز ہی میں شمار ہوتا ہے

۱۰۶۱:- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَا يَزَالُ

أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، لَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ. (متفقٌ عَلَيْه)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی برابر نماز ہی میں شمار ہوتا ہے جب تک کہ وہ نماز کی وجہ سے مسجد میں رکا رہتا ہے، اس کو اپنے گھر جانے سے سوائے نماز کے اور کوئی چیز مانع نہ ہو۔

افادات:- یعنی وہ گھر اس لئے نہیں جا رہا ہے کہ ابھی نماز نہیں ہوئی ہے۔ نماز کا جو انتظار کیا جا رہا ہے اس میں بھی اس کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا نماز پڑھنے میں ملتا ہے۔

فرشتوں کی دعائے رحمت

۱۰۶۲:- وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: أَلْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ صَلَّى فِيْهِ، مَالَمْ يُحْدِثْ، تَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، أَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ. (رواه البُخَارِيُّ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس آدمی کے لیے فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں جو اپنی نماز کی اس جگہ پر بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے، جب تک اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس پر رحمت نازل کر۔

افادات:- جو آدمی نماز پڑھنے کے بعد اسی جگہ باوضو بیٹھا رہے اس کو فرشتوں کی دعا حاصل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ باوضو وہیں کیوں بیٹھا رہے گا؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے، اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ فرض

کے بعد دوسرے فرض ہی کے انتظار میں بیٹھے، بلکہ فرض کے بعد نفل کے انتظار میں بھی بیٹھے گا تو یہ فضیلت حاصل ہوگی، مثلاً: فجر کے بعد اشراق کے انتظار میں، یا عصر کے بعد مغرب کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہے، اور تسبیح تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے؛ تب بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

نماز کے انتظار میں جو وقت گزرا

۱۰۶۳:-وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَخَّرَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ بَعْدَ مَا صَلَّى، فَقَالَ: صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوْا، وَلَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلَاةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوْهَا. (رواه البُخَارِي)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز آدھی رات تک مؤخر کی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر سے تشریف لائے اور آدھی رات کو عشاء کی نماز پڑھائی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ: لوگوں نے تو اپنی اپنی نمازیں پڑھ لیں اور سو گئے، لیکن تم لوگ جب تک نماز کے انتظار میں رہے؛ نماز پڑھنے والوں ہی کے حکم میں رہے (یعنی تم کو اب تک نماز پڑھنے والوں جیسا ثواب ملتا رہا)۔

افادات:- خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے جماعت کے کھڑا ہونے میں تاخیر ہو جائے تو شور مچانے اور ہنگامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم لوگوں کا مزاج ایسا بن گیا ہے کہ بیچارے امام صاحب کبھی کسی وجہ سے دو چار منٹ لیٹ ہو گئے؛ تو مسجد میں ایک ہنگامہ قائم ہو جاتا ہے کہ یہ دو منٹ ہم کو انتظار کیوں کروایا۔ ارے بھائی! اتنا انتظار کرنے میں آپ کو ثواب ہی ملا، آپ کے یہ دو منٹ بے کار نہیں گئے۔ اگر آپ یہ سوچ لیں تو اس ہنگامہ سے بھی بچ سکتے ہیں، اور بلا وجہ امام صاحب کو مخدوش بنانے

سے بھی اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔اس لئے کہ ظاہر ہے قصداً تو ایسا ہوا نہیں ہوگا، کسی وجہ سے اگر کبھی ایسا ہوا تو ایسی چیزوں کو برداشت بھی کر لینا چاہئے۔لیکن ہم لوگوں میں یہ سوچ نہیں رہی۔اگر ان چیزوں کا اہتمام کریں تو ان شاء اللہ یہ فضیلتیں بھی حاصل ہو جائیں گی۔

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۱۰۶۴:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جماعت کی نماز تنہا نماز کے مقابلہ میں ستائیس (۲۷) درجہ بڑھ کر ہے۔

افادات:- یعنی اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں جو ثواب ملتا ہے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں اس کے مقابلہ میں ستائیس (۲۷) گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ ہم لوگوں کو دنیوی اعتبار سے اگر معمولی نفع حاصل ہوتا ہو تو اس کے لئے کتنی مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ جیسے اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ یہاں نشاط سوسائٹی میں بیٹھ کر اپنا مال بیچیں گے تو اس کی قیمت سو روپیہ ملے گی اور اسٹیشن پر جا کر بیچیں گے تو وہاں ستائیس سو روپیہ قیمت ملے گی، تو اگر یہاں سو آدمی بھی ہم سے لینے کے لئے اصرار کریں گے تب بھی ہم اپنا مال فروخت نہیں کریں گے، وہیں جا کر ٹھیلہ لگائیں گے تا کہ ستائیس گنا قیمت حاصل ہو۔ یہ تو میں نے ایک مثال بیان کی ہے، ورنہ اگر یہاں سو ملتے ہوں اور وہاں دو سو ملتے ہوں تب بھی ہم کسی حال میں یہاں فروخت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ جب دنیوی معمولی نفع کے خاطر ہم اتنی مشقّت اٹھاتے ہیں؛ تو اخروی اعتبار سے کیوں نہیں اٹھاتے؟ ایک آدمی گھر پر تنہا نماز پڑھتا ہے تو اس کو جتنا ثواب ملتا ہے، اس کے مقابلہ میں مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر ستائیس گنا زیادہ

ثواب ملتا ہے؛ تو اب ظاہر ہے کہ اس ستائیس گنا ثواب حاصل کرنے کے لئے کتنا اہتمام کرنا چاہیے

جماعت کی اہمیت اسلاف کی نظر میں

آج ہم لوگوں کی نگاہوں میں اخروی اور دینی امور کی وہ اہمیت اور قدر نہیں رہی جو ہمارے اسلاف کی نگاہوں میں تھی، اس لئے ہم اس کا وہ اہتمام نہیں کرتے؛ جو وہ کرتے تھے، وہ حضرات تو اس کے لئے بڑی مشقتیں اٹھاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام ابویوسف اور امام محمد ہیں، ان کے ایک شاگرد محمد بن سلمہ تھے، بڑے مشائخِ حنفیہ میں سے گزرے ہیں، بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ ۱۰۲/سال کی عمر پائی، اور روزانہ دوسو (۲۰۰) رکعات نفل ادا کیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سوائے ایک مرتبہ کے چالیس سال تک تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور وہ ایک مرتبہ بھی اس وقت ہوئی جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا تو ان کی تجہیز و تکفین کی مشغولی کی وجہ سے تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ ان کی جماعت کی نماز فوت ہوگئی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سوچ کر کہ جماعت کے ساتھ پڑھتا تو ستائیس گنا ثواب ملتا؛ اس نماز کو ستائیس مرتبہ ادا کیا (ہم میں کوئی ہے جو اس چیز کا اہتمام کرے؟) خیر! اس کے بعد جب میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: اے ابن سلمہ! فرشتوں کی آمین کا بدل کیا ہوگا؟ دراصل یہ ایک حدیثِ پاک کی طرف اشارہ تھا۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اور امام سورۂ فاتحہ پوری کرتے ہوئے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھتا ہے؛ تو تم آمین

کہو، اس لئے کہ فرشتے بھی اس وقت آمین کہتے ہیں، جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوجاتی ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کردیتے ہیں۔ گویا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں امام کی قراءت میں سورۂ فاتحہ کے مکمل ہونے پر جو آمین کہی جائے گی، صرف اس آمین کی یہ فضیلت ہے۔ گویا ان کو خواب میں اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ آپ نے ستائیس مرتبہ نماز تو پڑھ لی، لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں امام کی قراءت پر جو آمین کہتے ہیں، وہ فضیلت اب آپ کو کہاں حاصل ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ جماعت کی نماز کا جو ثواب ہے اور اس پر جو مختلف چیزیں حاصل ہوتی ہیں، اگر کوئی آدمی تنہا ہزار مرتبہ پڑھ لے؛ تب بھی وہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔

۱۰۶۵:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْ جَمَاعَةٍ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِيْ بَيْتِهِ وَفِيْ سُوْقِهِ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفاً. وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ، مَا لَمْ يُحْدِثْ، تقولُ: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ. (متفقٌ عَلَيهِ، وهذا لفظ البخاری)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر، اس کے اپنے گھر میں، یا بازار میں (یعنی اپنی دوکان پر) نماز پڑھنے کے مقابلہ میں پچیّس گنا ثواب ملتا ہے (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی وجہ بتلاتے ہیں کہ تنہا کے مقابلہ میں جماعت کا ثواب پچیس گنا کیوں ہے؟) اس لئے کہ جب

آدمی وضو کرتا ہے اور اچھے طریقہ سے (وضو کے تمام سنن وآداب کی پوری رعایت کرتے ہوئے) وضو کرتا ہے، پھر مسجد کے لئے چلتا ہے، اور اس کو گھر سے نماز کے علاوہ کوئی اور چیز نکال نہیں رہی ہے، تو وہ قدم نہیں اٹھائے گا مگر یہ کہ اس کے ہر ہر قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ پھر نماز پڑھ کر (دوسری نماز کے انتظار میں، یا تسبیحات وغیرہ میں) اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہتا ہے (مثلاً: فجر کے بعد اشراق کے انتظار میں بیٹھا رہا، یا عصر کے بعد مغرب کے انتظار میں بیٹھا رہا) تو جب تک اس کا وضو نہیں ٹوٹتا تب تک فرشتے برابر اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں (فرشتے یہ دعا کرتے ہیں) اے اللہ! اس پر اپنی رحمت بھیج، اور اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ فرما۔ اور جب تک آدمی نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ نماز ہی میں ہے، اس کو وہی ثواب ملے گا جو نماز میں ملا کرتا ہے۔

افادات:- یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اوپر کی روایت میں ستائیس گنا کا تذکرہ ہے، اور اس روایت میں پچیّس گنا بتلاتے ہیں۔

تو علماء نے ان دونوں روایتوں کو جوڑنے کے لئے مختلف باتیں کہی ہیں۔
بعضوں نے کہا: یہ لوگوں کے حالات کے اعتبار سے ہے، بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کو پچیّس گنا ثواب ملتا ہے، اور بعض لوگوں کو ستائیس گنا ملتا ہے۔ آدمی کے اخلاص، اس کے دل کی نیت، اور مشقت اٹھانے کی وجہ سے ثواب کی مقدار میں بھی فرق پڑ جاتا ہے

بعضوں نے کہا: نمازوں کی وجہ سے فرق ہے کہ جہری نمازوں میں ستائیس گنا ثواب ملے گا، اور سرّی نمازوں میں پچیّس گنا ملے گا۔

اور بعضوں نے کہا: فجر اور عشاء کی نماز میں جماعت کی حاضری مخصوص حالات کے پیشِ نظر ذرا مشکل ہوا کرتی ہے، اس لئے ان دونوں میں ستائیس گنا ملے گا، اور باقی نمازوں میں پچیّس گنا ملے گا۔

بعضوں نے کہا: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے امتِ محمدیہ پر نعمتوں، عنایتوں اور فضل وکرم کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، اور اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، اس لیے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا گیا کہ پچیّس گنا ثواب ملے گا، پھر اس میں اضافہ کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ اب ستائیس گنا ثواب ملے گا۔

یہاں ''خَمْساً وَّ عِشْرِیْنَ ضِعْفاً'' کہا ہے۔ اور اوپر کی روایت میں ''دَرَجَةً'' کہا ہے۔ اس کی توجیہ بعض حضرات نے یہ فرمائی کہ پچیس گنا المضاعف ثواب ملے گا۔ یعنی ایک کا دو، پھر دو کا چار، اور چار کا آٹھ، آٹھ کا سولہ، سولہ کا بتّیس، بتّیس کا چوسٹھ، چوسٹھ کا ایک سو اٹھائیس؛ اس طرح بڑھاتے جاؤ؛ اس صورت میں ایک جماعت کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چوّن ہزار چار سو بتّیس (۳۳۵۵۴۴۳۲) درجہ ہوتا ہے۔

اور پہلے بھی بتلا دیا تھا کہ شریعت کی نگاہ میں مطلوب یہ ہے کہ آدمی گھر ہی سے وضو کر کے نماز کے لیے چلے، کسی وجہ سے اگر کہیں باہر سے آرہا ہے اور وضو کا موقع نہیں ہے تو مسجد میں کر لے، یا کبھی مسجد کے اندر تھا اور وضو ٹوٹ گیا؛ تو الگ بات ہے، ورنہ کوشش یہی ہونی چاہیے کہ گھر ہی سے وضو کر کے نماز کے لئے چلے۔

''خالص نماز کے واسطے ہی مسجد آتا ہے'' کوئی اور مقصد یا دنیوی غرض نہیں ہوتی؛ مثلاً: آج مسجد چلو تا کہ فلاں کام بھی ہو جائے گا اور اس کے ساتھ نماز بھی پڑھ لیں گے؛ تو ہر قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔

''وضو نہیں ٹوٹا'' کی قید اس لئے لگائی کہ وضو ٹوٹنے کے بعد نماز کا انتظار باقی نہیں رہتا۔ نماز کا انتظار تو نماز کی تیاری کے اسباب کے ساتھ ہی ہوا کرتا ہے، اس لئے وضو ٹوٹ جانے کے بعد فوراً وضو کر لینا چاہیے۔

......پھر تو مسجد میں آؤ

۱۰۶۶:-وَعَنْهُ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رَجُلٌ أَعْمٰى فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِيْ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم أَنْ يُّرَخِّصَ لَهُ، فَيُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ: هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَأَجِبْ. (رواہ مُسلِم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے مسجد تک لانے والا کوئی رہبر نہیں ہے۔ گویا انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ پوچھنا چاہا کہ ان کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟ (یا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد ہی میں آنا پڑے گا) تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے حالات کو دیکھتے ہوئے، ان کی یہ بات سن کر (کہ لانے والا کوئی رہبر ہے نہیں) ان کو گنجائش اور اجازت دی (کہ ٹھیک ہے، تم گھر پر نماز پڑھ لیا کرو) جب یہ جواب سن کر وہ جانے لگے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو بلایا اور پوچھا: کیا تمہارے کان میں اذان کی آواز آتی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آتی ہے۔ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: **پھر تو مسجد میں آؤ۔**

افادات:- فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی آدمی نابینا ہو، تو اس کے لیے جماعت کی حاضری ضروری نہیں ہے، اگر جماعت کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا چاہے تو اس کی اجازت ہے، لیکن ایک مؤمن کی غیرتِ ایمانی کا تقاضہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے منادی کی آواز سنے تو اس کے بعد گھر پر ہی رہنے کے بجائے مسجد میں آئے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو اعلیٰ طریقہ ہے وہ ان کو بتلایا۔

۱۰۶۷:-وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ وَقِيْلَ عَمْرِوبْنِ قَيْسٍ أَلْمَعْرُوْفِ بِابْنِ أُمِّ مَكْتُوْمٍ الْمُؤَذِّنِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَثِيْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، فَحَيَّهَلاً.

ومعنى ((حَيَّهَلاً: ((تعال)) (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ بِإِسنادحسن)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن بھی تھے، ان) سے منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مدینہ منورہ میں زہریلے جانوروں (یعنی سانپ بچھو وغیرہ) اور درندوں کی کثرت ہے (درندے بھی قریب سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور وہ نابینا تھے، ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مسجد میں تنہا آنے کی صورت میں ان زہریلے جانوروں کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچ جائے؛ اس لیے کہ مجھے نظر تو آتا نہیں؛ تو کیا مجھے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟) حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کی آواز آتی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آتی ہے۔ تو حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: تب توتم کومسجد میں آنا چاہیے (ان کو بھی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلیٰ مقام کی ترغیب دی گئی)۔

ائمہ کی نظر میں جماعت کی اہمیت

۱۰۶۸:-وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ، فَيُحْتَطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ، فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ.

(متفقٌ عَلَيهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے؛ میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، وہ جمع کی جائیں، اس کے بعد کسی سے کہوں کہ وہ نماز کے لئے اذان کہے، پھر کسی آدمی کو مقرر کروں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، جب جماعت کھڑی ہو تو پھر میں ایسے لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت کی نماز میں حاضری نہیں دیتے؛ اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔

افادات:- اس سے جماعت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض ائمہ اس طرف گئے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، امام احمد بن حنبلؒ اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگرچہ جمہور علماء کے نزدیک بغیر جماعت کے بھی نماز تو ادا ہوجاتی ہے، لیکن ادائے ناقص اور ادھوری ہوجاتی ہے، کامل نماز وہی ہے کہ آدمی جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ اور احناف کے یہاں جماعت سنّتِ مؤکدہ ہے، اگر کوئی آدمی اس کے چھوڑنے کی عادت بنالے، اور کسی بستی کے سب لوگ نماز کو جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتے تو حاکمِ وقت کو چاہئے کہ ان کو اس پر مجبور کرے، اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کے ساتھ قتال و جہاد کرے، یا جنگ کرکے ان کو اس پر آمادہ کرے۔ اور کوئی آدمی جان بوجھ کر نماز چھوڑنے کی عادت بنالیتا ہے، تو وہ فاسق کہلاتا ہے اور اس کی شہادت اور گواہی قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس لئے جماعت کی بڑی اہمیت ہے۔

جس کو یہ پسند ہو کہ قیامت میں......

۱۰۶۹:- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ يَلْقَى اللهَ تَعَالٰى غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ. فَإِنَّ اللهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُنَنَ الْهُدٰى، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُم كَمَا

يُصَلِّي هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ. وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهِ، يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ. (رَوَاهُ مُسْلِم)

وفي رواية له قال: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى؛ وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ.

ترجمہ مع تشریح:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو یہ پسند ہو کہ کل کو قیامت میں اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے؛ تو وہ ان نمازوں کی پابندی وہاں کرے جہاں نمازوں کے لئے آواز دی جاتی ہے (یعنی اذان کہی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے) اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایسے طریقوں کو جاری فرمایا ہے جو ہدایت کا ذریعہ ہیں، اور (پانچوں وقت کی نماز) جماعت کے ساتھ ادا کرنا بھی ہدایت کے راستوں میں سے ہے۔ اگر تم ان نمازوں کو اپنے گھروں میں پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں پیچھے رہنے والا گھر میں پڑھ لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کو چھوڑنے والے قرار دیئے جاؤ گے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کو (جو ہدایت کا ذریعہ ہے) چھوڑ دو گے؛ تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں) مَیں نے (دورِ صحابہ میں) دیکھا ہے کہ جماعت سے غیر حاضر نہیں رہتا مگر وہی آدمی جو ایسا منافق ہوتا تھا جس کا نفاق بالکل کھلا ہوا ہو (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں جماعت کی غیر حاضری کی ہمت منافق لوگ بھی نہیں کرتے تھے، سب ہی مسجد میں آجاتے تھے) اور کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ کوئی بیمار آدمی جماعت کے لئے مسجد میں لایا جاتا تھا تو وہ دو آدمیوں کے درمیان گھِسٹتا ہوا صف میں لا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ہمیں ایسے طریقے سکھائے ہیں جن میں سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے، اور ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی سکھایا ہے کہ ہم نمازوں کو ان مسجدوں میں ادا کرنے کا اہتمام کریں جہاں اذان دی جاتی ہے۔

شریعت کی نگاہوں میں فرائض کی اہمیت

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ جماعت بڑی اہم چیز ہے۔ فرائض کی اہمیت شریعت کی نگاہوں میں بہت زیادہ ہے، اس کو ادا کرنے کے لئے جو طریقہ بتلایا گیا ہے اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں جماعت کا اتنا زیادہ اہتمام فرمایا کہ اس بیماری میں آپ پر بار بار بے ہوشی طاری ہوجاتی تھی، ہوش میں آنے پر آپ پانی منگوا کر وضو فرماتے تھے، یہاں تک کہ دو تین مرتبہ ایسا ہونے کے بعد آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لاتے۔ روایتوں میں ہے کہ ایسی حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے پیر زمین پر گھسٹ رہے تھے، یعنی پیر اُٹھانے کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سکت اور طاقت نہیں تھی، اس کے باوجود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جماعت کا اہتمام فرمایا۔

حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹے صحابی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوگئے تھے، لیکن کم عمر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ نماز میں کسی کو غیر حاضر پاتے تو اس کے متعلق تفتیش فرماتے کہ فلاں کیوں نہیں آیا۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں غیر حاضر تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح میں جب بازار کی طرف نکلے تو ان کے گھر ہوتے ہوئے گئے اور ان کی والدہ شفا سے پوچھا کہ آج صبح کی جماعت میں سلیمان حاضر نہیں تھے؛ کیا بات ہے؟ ان کی والدہ

نے کہا: دراصل وہ رات بھر عبادت میں مشغول رہے، صبح صادق کے وقت ان کی آنکھ لگ گئی، اس لئے جماعت میں حاضر نہیں ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت ارشاد فرمایا: میں فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، یہ مجھے اس کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ ہے کہ رات بھر عبادت کروں اور میری فجر کی جماعت چھوٹ جائے۔

اس لئے باجماعت نماز کا بڑا اہتمام ہونا چاہیے، اس کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی بہت مضر اور خطرناک چیز ہے۔

باجماعت نماز کا اہتمام شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

۱۰۷۰:- وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ.

ترجمہ:- حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کسی بستی، دیہات یا جنگل میں تین آدمی آباد ہوں، اور وہاں جماعت کے ساتھ نماز قائم نہ کی جائے تو شیطان ان پر قابو پالیتا ہے، اس لئے تم جماعت کو لازم پکڑو، اس لئے کہ بھیڑیا ان بکریوں کو کھالیتا ہے جو اکیلی ہوں۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ معمولی اور ایسی چھوٹی بستی جہاں صرف دو تین آدمی ہی رہتے ہوں؛ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم دو تین آدمی ہیں اس لیے تنہا نماز پڑھ لیں گے۔ نہیں! بلکہ ان کو بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان جہاں کہیں بھی آباد ہوں، چاہے دو تین گھرانے ہی کیوں نہ ہوں؛ ان کو بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام کرنا چاہیے۔

جو بکریاں ریوڑ کی شکل میں ہوتی ہیں؛ بھیڑیا ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا، ہمیشہ بھیڑیا اسی بکری پر حملہ کرتا ہے جو تنہا اور اکیلی ہو۔ اگر آپ بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کریں گے تو شیطان کو آپ پر قابو پانے کا موقع نہیں ملے گا، اور اگر آپ تنہا رہیں گے تو شیطان کو آپ پر حملہ کرنے اور آپ کو گمراہ کرنے کا موقع ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز کا اہتمام شیطان کے اپنے اوپر مسلّط ہونے سے حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اسی لیے جو آدمی گھر میں نماز پڑھے گا اس کو نماز کا کوئی اہتمام نہیں رہے گا اور ایسے آدمی کو شیطان کبھی بھی کاہلی اور سستی میں مبتلا کر سکتا ہے۔

بَابُ الْحَثِّ عَلٰی حُضُوْرِ الْجَمَاعَةِ فِیْ الصُّبْحِ وَالْعِشَاءِ

فجر اور عشاء کی جماعت میں حاضری کی ترغیب

۱۰۷۱:-عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ:سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: مَنْ صَلَّى الْعِشَآءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ.

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ شَهِدَ الْعِشَآءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ لَهُ قِيَامُ نِصْفِ لَيْلَةٍ، وَمَنْ صَلَّى الْعِشَآءَ وَالْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ لَهُ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ.

ترجمہ:-حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس آدمی نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی، گویا اس نے آدھی رات قیام کیا (یعنی آدھی رات تہجد پڑھنے پر جو ثواب ملے گا وہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے پر ملے گا) اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی، گویا وہ پوری رات عبادت میں مشغول رہا (اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف صبح کی نماز پر پوری رات کا ثواب ملتا ہے) اسی لئے دوسری روایت لائے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اس بات کی وضاحت کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جو آدمی عشاء کی نماز میں جماعت کے ساتھ حاضر ہوا؛ تو

اس کو آدھی رات نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ اور جو عشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھے گا؛ گویا وہ پوری رات عبادت میں مشغول رہا۔

افادات:- دیکھئے! کتنا بڑا ثواب ہے کہ جماعت کے ساتھ اگر کوئی آدمی عشاء اور فجر کا اہتمام کرتا ہے تو گویا اس کو پوری رات عبادت کا ثواب ملے گا۔ جماعت کی نماز کی کتنی زیادہ اہمیت ہے؟

۱۰۷۲:- **وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **قَالَ: وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَافِيْ الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ، لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً.**

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کیا فضیلت اور ثواب ہے؛ تو وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے سرین کے بل گھسٹ کر مسجد تک آئیں۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ اگر پاؤں پر کھڑے ہو کر چلنے کی طاقت نہ ہو تو جیسے بچّہ سرین سے گھسٹ کر چلتا ہے اس طرح گھسٹ کر مسجد آنا پڑے؛ تب بھی اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے لوگ مسجد میں آئیں گے۔

فجر اور عشاء منافقین پر بڑی شاق ہے

۱۰۷۳:- **وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ** صلی اللہ علیہ وسلم **: لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ. وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَافِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً.**

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی نماز منافقین پر فجر اور عشاء سے بڑھ کر بھاری نہیں ہے (یعنی فجر اور عشاء کی نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا منافقین کے لئے بڑا شاق اور گراں ہے) لیکن اگر ان کو

معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نمازوں میں کیا فضیلت ہے تو وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے سرین سے گھِسٹ کر بھی آئیں گے۔ یا جیسے بچّہ گھٹنوں پر چلتا ہے اس طرح چل کر بھی آئیں گے۔

افادات:- بعض روایتوں میں ہے کہ ان منافقین کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو یہ امید ہو کہ دو کھری ملے گی تو اس کے لئے بھی ضرور حاضری دیں گے۔

اس روایت میں انسان کا ایک مزاج بتلایا ہے کہ معمولی دنیوی نفع کو حاصل کرنے کے واسطے وہ مشقت برداشت کرتا ہے۔ جیسے اگر پتہ چل جائے کہ فجر کی نماز کے بعد نان خطائی تقسیم ہونے والی ہے تو سب لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے، یا اگر اعلان ہو جائے کہ آج عشاء کی نماز کے بعد کولڈ ڈرنک (ColdDrink) تقسیم ہونے والا ہے تو پوری مسجد بھر جائے گی۔ یہ سب دراصل اسی مزاج کا اثر ہے جو حضورِ اکرم ﷺ نے منافقین کا بتلایا ہے کہ دنیوی معمولی فائدہ کے لئے وہ اتنی کوشش کرتے ہیں، اور آخرت کا اتنا بڑا فائدہ مل رہا ہے اس کی طرف اہتمام اور توجہ نہیں ہے۔

بَابُ الْأَمْرِ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ وَالنَّهْيِ الأَكِيْدِ وَالْوَعِيْدِ الشَّدِيْدِ فِيْ تَرْكِهِنَّ

پنج وقتہ فرض نمازوں کی پابندی کی تاکید اوران کوچھوڑنے پرسخت وعید

پانچ وقت کی نمازیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ہیں، ان کی پابندی کی قرآنِ پاک میں اوراحادیثِ مبارکہ میں بڑی تاکید کی گئی ہے اوران کے چھوڑنے پرسخت عذاب کی دھمکیاں سنائی گئی ہیں، اس باب میں انہیں کوبیان کررہے ہیں۔

قرآنِ پاک کی ایک آیت پیش کی ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ پانچوں وقت کی نمازوں کی پابندی کرو، اور خاص طور پر درمیانی نماز کا اہتمام کرو۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس سے مرادعصر کی نماز ہے۔

دوسری آیت پیش کی ہے: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ اس آیت سے پہلے کفّاراورمشرکین کے ساتھ قتال کاحکم دیا گیا تھا، پھر آگے فرمایا گیا کہ: اگروہ اپنے کفروشرک سے توبہ کرلیں اورنمازوں کوقائم کرنے لگیں

اورزکوٰۃ دینے لگیں؛ تو پھران کا راستہ چھوڑ دو، یعنی پھران کے ساتھ قتال نہ کیا جائے، اس لیے اب تو ان کو مسلمان ہوجانے کے ناطے سے وہی سارے حقوق حاصل ہیں جوان مسلمانوں کو حاصل ہیں جو پہلے سے مسلمان ہیں۔ تو ایک کافرومشرک کے ساتھ قتال کا جو حکم دیا گیا تھا، اس کے ختم ہونے کے لئے بھی جن چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا، اس میں ایک چیز نمازوں کو قائم کرنا بھی ہے۔

سب سے افضل عمل کون سا؟

۱۰۷۴:- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا. قلتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: بِرُّ الوَالِدَيْنِ. قلتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ. (متفقٌ عَلَيهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے پھر سوال کیا: اس کے بعد سب سے بہتر عمل کونسا ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا۔ میں نے پھر پوچھا: اس کے بعد کونسا عمل سب سے بہتر اور افضل ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

افادات:- اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز کے لیے کچھ اوقات مقرر کئے گئے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا سب سے افضل عمل ہے، اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۰۷۵:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ

الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (متفقٌ عَلَيهِ.)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (یعنی کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا) دوسرا نماز کو قائم کرنا، تیسرا زکوٰۃ کو ادا کرنا، چوتھا بیت اللہ شریف کا حج کرنا، اور پانچواں رمضان کے روزے رکھنا (گویا یہ پانچ اعمال دین کی بنیاد ہیں)

۱۰۷۶:- وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ. (متفقٌ عَلَيهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ (یعنی کفّار ومشرکین کے ساتھ) قتال کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، پس اگر وہ ان اعمال کو کرنے لگیں تو ان کے ساتھ قتال کا سلسلہ موقوف کیا جائے گا۔ اور وہ لوگ مجھ سے اپنی جان و مال کو محفوظ کرلیں گے؛ البتہ اسلام کا مطالبہ ان پر باقی رہا۔ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

افادات:- یہاں تو یہ روایت اس بات کو بتلانے کے لیے لائے ہیں کہ نماز قائم کرنا ان اعمال میں سے ہے جس کی وجہ سے آدمی کا جان و مال محفوظ ہوجاتا ہے۔ **(اس روایت کی تفصیل حدیث کے اصلاحی مضامین ۶/ ۴۲۹ تا ۴۳۳ پر ملاحظہ کرلیں۔ مرتب۔)**

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحتیں

۱۰۷۷:-وَعَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: إِنَّكَ تَأْتِيْ قَوْماً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَإِنْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔

ترجمہ:- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کے ایک حصہ کا حکمران اور گورنر بنا کر بھیجا (اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نصیحتیں فرمائیں) چناں چہ آپ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! تم جن لوگوں کے پاس جارہے ہو وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس آسمانی کتاب موجود ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اگلے نبیوں پر اتاری تھی (وہ لوگ اس کے ماننے والے ہیں) اس لیے ان کو پہلے (اسلام کی) دعوت دینا، اگر وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور مَیں اللہ کا رسول ہوں تو پھر ان کو بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں (یہی بتلانے کے لئے اس روایت کو لائے ہیں) پھر جب وہ ان نمازوں کو پڑھنے لگیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔ پھر جب یہ بات بھی مان لیں (اور زکوٰۃ دینے کے لئے آمادہ ہوجائیں) تو ان کے بہترین مال کو وصول کرنے سے بچیو۔ اور مظلوم کی بددعا سے بھی بچیو، اس لئے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے

درمیان کوئی حجاب اور آڑ نہیں ہے۔

افادات:- اس زمانہ میں عام طور پر مویشی اور جانوروں کی زکوٰۃ ہوا کرتی تھی، لوگوں کے پاس اونٹ، بکریاں، گائے وغیرہ ہی ہوا کرتے تھے جن کی زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے آدمی جاتا تھا۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ جو جانور ایک دم عمدہ ہوں وہ نہ لئے جائیں، اور جو بالکل گھٹیا قسم کا ہو وہ بھی وصول نہ کیا جائے، بلکہ درمیانی قسم کا جانور لیا جائے جو نہ بالکل گھٹیا اور نہ بالکل بڑھیا ہو۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب وہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنے لگیں تو پھر تم بھی ان کے مال میں جو سب سے اعلیٰ درجہ کا مال ہو، وہ مت لینا؛ بلکہ درمیانی قسم کا مال وصول کرنا۔

اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، اس لئے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب اور آڑ نہیں ہے۔ مظلوم کی بددعا سیدھی پہنچتی ہے، بیچ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی:-

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن ❁ اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

مظلوم کی آہ سے بچنا کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے قبولیت استقبال کے لئے آتی ہے۔

ترکِ نماز؛ شرک وکفر تک پہنچنے کا سبب

۱۰۷۸:- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ : إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: آدمی اور شرک وکفر کے درمیان نماز چھوڑنے ہی کا فرق ہے۔

افادات:- یعنی کوئی آدمی اگر نماز چھوڑ دے گا تو گویا وہ شرک وکفر تک

پہنچ گیا، اس نے شیطان کو اپنے اوپر ان چیزوں کے آزمانے کا موقع دے دیا۔ جو آدمی نماز چھوڑتا ہے، شیطان کو اس کے اوپر تمام گناہوں میں مبتلا کرنے کی جرأت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز بڑی اہم چیز ہے۔

۱۰۷۹:- وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ.

ترجمہ:- حضرت بریدہ اُسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ عہد و پیمان جو ہمارے اور ان (منافقین) کے درمیان ہے؛ وہ صرف نماز ہے، جس آدمی نے نماز چھوڑ دی گویا اس نے دین کا انکار کیا۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ جب تک کہ وہ نماز ادا کرتے رہیں گے، ہم ان کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کرتے رہیں گے اور جب نماز چھوڑ دی تو اب ان کے ساتھ مسلمان والا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

تارکِ نماز کے متعلق صحابہ اور علماء کے نظریے

۱۰۸۰:- وَعَنْ شَقِيْقِ بْنِ عَبْدِ اللهِ التَّابِعِيِّ الْمُتَّفَقِ عَلٰى جَلَالَتِهٖ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لَا يَرَوْنَ شَيْئاً مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ؛ غَيْرَ الصَّلَاةِ.

ترجمہ:- حضرت شقیق بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو تابعی ہیں جن کے مقام اور جلالتِ شان پر تمام حضرات کا اتفاق ہے ان سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ اعمال میں سے کسی چیز کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے، سوائے نماز کے۔

افادات:- یعنی نماز ایک ایسا عمل تھا کہ اگر کوئی آدمی اس کو چھوڑ دیتا تو

حضراتِ صحابہ ایسے آدمی کو کافر سمجھتے تھے۔ نماز کے سلسلہ میں ائمۂ اربعہ کے یہاں بھی بڑی تاکید ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم اسے کافر کہتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ: کوئی آدمی اگر جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے؛ تو وہ کافر و مرتد ہوگیا، اسلام سے نکل گیا۔ اس کے ارتداد کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا جائے، الّا یہ کہ وہ توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لے اور نماز شروع کر دے؛ تب تو چھوڑا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان بوجھ کر نماز چھوڑنے کی وجہ سے مرتد تو نہیں ہوگا، لیکن ان کے یہاں ایسے آدمی کی سزا قتل ہے۔ ایسے آدمی کو زندہ نہیں رکھا جائے گا، بلکہ حاکمِ مسلمان ایسے آدمی کو قتل کر دے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان بوجھ کر نماز چھوڑنے سے آدمی مرتد تو نہیں ہوتا، اور اس کو قتل بھی نہیں کریں گے، لیکن حاکمِ مسلمان ایسے آدمی کو جیل میں ڈال دے گا، اور جیل میں اس کو سزا دی جاتی رہے گی، یہاں تک کہ وہ یا تو نماز پڑھنا شروع کر دے، یا اسی حال میں اس کا انتقال ہو جائے، لیکن اس کو جیل سے چھوڑیں گے نہیں۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہوگا کہ نماز کتنی اہم چیز ہے۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں تو اس کے چھوڑنے کو کفر سمجھا جاتا تھا۔ آج اس کی طرف سے اتنی غفلت ہے کہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا حصّہ وہ ہے جو نماز ادا نہیں کرتا۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہوں میں وہ کفر تک پہنچا ہوا سمجھا جاتا تھا۔ بہر حال! یہ بڑی اہم چیز ہے جس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ہر ہر محلہ میں، اور اس کے تمام مکانوں میں، اور کم سے کم اپنے اپنے گھروں میں تو اس کا اہتمام کیا جائے اور ایسی کوشش کی جائے کہ ہمارے گھر

میں کوئی آدمی ایسا نہ ہو جو نماز چھوڑنے والا ہو۔ اگر ہر محلہ میں ایسی کوشش کی جائے گی؛ تو ان شاء اللہ اس میں کامیابی ہوسکتی ہے۔

نوافل بھی بہت کارآمد ہیں

۱۰۸۱:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ، فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهِ شَيْئاً، قَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ: اُنْظُرُوْا! هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ، فَيُكَمَّلُ مِنْهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ. ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ أَعْمَالِهِ عَلَى هٰذَا.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندے کے اعمال میں سے قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز والا خانہ برابر نکلا تو وہ آدمی کامیاب اور بامراد ہوگا، اور اگر اس میں کوئی خرابی نکلی تو وہ ناکام اور نامراد ہوگا۔ اور اگر بندے کے فرائض میں کچھ کمی رہ جائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے پوچھیں گے: دیکھو! میرے بندے کے پاس کچھ نوافل ہیں یا نہیں؟ اگر کچھ نوافل ہوں گے تو فرائض کی کمی ان نوافل کے ذریعہ پوری کی جائے گی۔ پھر دوسرے تمام اعمال میں اسی قاعدہ کے مطابق حساب وکتاب ہوگا۔

افادات:- مدارس میں ایک کتاب ''کریما'' نامی پڑھائی جاتی ہے، اس میں نماز کے متعلق بیان کیا گیا ہے:-

روزِ محشر کہ جاں گداز بود ❁ اوّلیں پرسش نماز بود

محشر کے دن جب دھوپ اور شدّتِ گرمی کی وجہ سے آدمی پگھل رہے ہوں گے اُس

وقت سب سے پہلا سوال نماز کے متعلق کیا جائے گا۔اس لئے کوئی آدمی اگر نماز کا اہتمام کرلے تو امید کی جاسکتی ہے کہ اس کی برکت سے کل کو قیامت میں اس کا معاملہ آسان ہوجائے گا۔

ہم میں سے بہت سے لوگ نوافل کا اہتمام نہیں کرتے۔اگر کوئی سمجھاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے فرائض ہی کا ٹھکانہ نہیں،تو پھر نوافل کہاں پڑھیں؟ حالاں کہ ایسا نہیں سوچنا چاہیے،جب معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں فرائض میں ہونے والی کمی نوافل سے پوری کی جائے گی؛تو پھر اس کی بھی مقدور بھر کوشش اور اہتمام ہونا چاہیے۔

اسی طرح تمام اعمال کا معاملہ ہوگا کہ روزے کے فرائض میں جو کمی رہ گئی ہوگی وہ نفل روزوں کے ذریعہ سے پوری کی جائے گی۔زکوٰۃ میں جو کمی رہ گئی ہوگی؛وہ نفل صدقات سے پوری کی جائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ نفل اعمال کا بھی آدمی کو اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ وَالْأَمْرِ بِإِتْمَامِ الصُّفُوْفِ الْأُوَلِ وَتَسْوِيَتِهَا وَالتَّرَاصِّ فِيْهَا

پہلی صف کی فضیلت اور اگلی صفوں کو مکمل و درست کرنا

اس میں خالی جگہ نہ چھوڑنا

۱۰۸۲: عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہما قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: أَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ. (رواہ مُسلِم)

ترجمہ مع تشریح: -حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لائے (مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ہم لوگ ٹولیاں اور حلقے بنا بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تم کو حلقے بنا کر بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں) کیا تم اُس طرح صفیں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صفیں بناتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے کس

طرح صف بندی کرتے ہیں؟ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگلی صفوں کو پہلے مکمل کرتے ہیں اور مل مل کر کھڑے رہتے ہیں (بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے)۔

اذان دینے اور پہلی صف کی فضیلت

۱۰۸۳: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا إِلَّا أَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا. (متفقٌ عَلَيهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اذان دینے اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کی کتنی فضیلت ہے اور پھر وہ اس کو حاصل نہ کرسکیں سوائے اس کے کہ قرعہ اندازی ہو؛ تو ضرور قرعہ اندازی کریں۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ اگر اتنے لوگ اس کے طلب گار ہوں کہ سب کو پہلی صف میں جگہ نہیں مل سکتی، یا سب کو اذان دینے کا موقعہ نہیں دیا جاسکتا اور کہا جائے کہ اس کے لئے قرعہ اندازی کرنے کی ضرورت پڑے گی، تو اس کے لئے بھی لوگ آمادہ ہوجائیں گے۔

بہترین صف کون سی؟

۱۰۸۴:- وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا. وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا. (رواہ مُسلِم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے، اور ان کی سب سے بری صف آخری صف ہے۔ اور عورتوں کی بہترین صف سب سے آخر میں ہے اور بری صف پہلی ہے۔

افادات:- پہلی صف آگے ہوتی ہے اور امام کے قریب ہوتی ہے، عورتوں سے دور ہوتی ہے۔ عورتوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں آنے کی اجازت تھی، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ان کی خرابیوں کی وجہ سے ان کو روک دیا گیا۔ عورتوں سے دور ہونے کی وجہ سے پہلی صف میں ہر اعتبار سے خوبی ہی خوبی ہے۔ اور پچھلی صف عورتوں سے قریب ہوگی اس لئے اس کو برا بتلایا۔ اور عورتوں کی بہترین صف سب سے آخر میں ہوگی اور بری صف پہلی ہے کیونکہ وہ مردوں سے قریب ہوتی ہے، جتنی قریب ہوگی اتنے وسوسوں اور فتنوں کے مواقع زیادہ ہوں گے۔

جو پیچھے رہے گا؛ اس کو پیچھے ہی رکھا جائے گا

۱۰۸۵:- عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَأَى فِيْ أَصْحَابِهِ تَأَخُّراً، فَقَالَ لَهُمْ: تَقَدَّمُوْا، فَأْتَمُّوْا بِيْ، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ، لَايَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ، حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ میں پیچھے رہنے کا جذبہ محسوس کیا تو ارشاد فرمایا: آگے بڑھو اور میرے پاس کھڑے رہو، پھر جو بعد میں آئیں وہ تمہارے پیچھے کھڑے رہیں، لوگ برابر پیچھے ہٹتے چلے جائیں گے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو پیچھے کردے گا۔

افادات:- بعض لوگ بہت پہلے سے مسجد میں آجاتے ہیں لیکن مسجد کے کونے میں بیٹھے رہتے ہیں، جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو دوسروں کو پہلی صف میں جانے کا اشارہ کرتے ہیں اور پھر اخیری صف ہی میں کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں؛ یہ "تَأَخُّر" کہلاتا ہے۔ پیچھے رہنے والا یہ جو مزاج ہے اس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند

نہیں فرمایا ہے۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ محسوس کیا کہ صحابۂ کرام پہلی صف کا جیسا اہتمام کرنا چاہیے؛ وہ نہیں کررہے ہیں، یا پہلی صف میں آکر بیٹھنا چاہیے وہ نہیں کرتے؛ تو اس پر ان کو ٹوکا۔

جو آدمی دین کے کاموں میں پیچھے رہنے کا مزاج بنائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو پیچھے رکھیں گے۔ بلکہ بعض روایتوں میں تو ہے: لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللهُ فِي النَّارِ (سنن أبوداود. باب صف النسآء و کراهية التاخر عن الصف الاول) جو آدمی ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے کر کے جہنم میں ڈال دے گا۔ یعنی ابھی تو پہلی صف سے پیچھے رہتا ہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ پیچھے رہنے والا یہ جذبہ آدمی کو یہاں تک پہنچائے گا کہ نیکی کے کاموں کو چھوڑنے والا بن جائے گا اور یہی چیز عذابِ جہنم کا سبب بنے گی۔ اس لیے ایک مؤمن کا مزاج نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والا ہونا چاہیے، پیچھے رہنے والا مزاج نہیں ہونا چاہیے۔ ہر ایک کی کوشش یہ ہو کہ وہ آگے بڑھے اور اس کو پہلی صف میں جگہ ملے۔

صفوں کی عدمِ درستگی کا دنیوی نقصان

۱۰۸۶:- وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ، وَيَقُولُ: اسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ، لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.

ترجمہ:- حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وقت ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھتے تھے (یعنی کندھے پر ہاتھ رکھ کر صفوں کو درست کرتے تھے) اور فرماتے تھے: صفیں سیدھی کرو، آگے پیچھے نہ رہو؛ ورنہ تمہارے دلوں میں اس کا اثر پہنچے گا

تم میں جو بالغ اور عقلمند ہوں وہ میرے قریب رہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں۔

افادات:- دیکھو! صفوں کے درست نہ کرنے کا اثر دلوں تک پہنچتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے۔ تسویۂ صفوف یعنی صفوں کی درستگی کا دنیوی اعتبار سے بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ صفوں کی درستگی کا اہتمام کرتے ہیں ان کے دلوں میں آپس میں جوڑ اور تعلق ومحبت پیدا ہوتی ہے، اور جو لوگ صف درست نہیں کرتے ان کے دلوں میں آپس میں توڑ اور عداوت ونفرت پیدا ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر صفیں درست نہیں کرو گے تو تمہارے دلوں میں بھی اسی طرح سے اختلاف اور نفرت پیدا ہوگی۔

پھر ایک اور بات ارشاد فرمائی کہ تم میں جو بالغ اور عقلمند ہیں وہ میرے قریب رہیں۔ یعنی بڑی عمر کے اہلِ علم اور سمجھدار لوگوں کو پہلی صف میں ہونا چاہئے، اس لئے کہ کبھی امام کو لقمہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور کبھی مسائل کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر اہلِ علم اور سمجھدار آگے نہیں ہوں گے تو پھر لقمہ کون دے گا؟ اور بوقتِ ضرورت جگہ کون سنبھالے گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بالغ اور بڑی عمر کے اور اہلِ علم ہیں، ان کو خود ہی صفوں میں آگے رہنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

صفوں کی درستگی تکمیلِ نماز کا حصہ

۱۰۸۷:- عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ.

وَفِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيْ: فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ.

ترجمہ:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی صفیں درست کرو، اس لئے کہ صفوں کا درست کرنا؛ نماز کے مکمل ہونے کا ایک حصہ ہے۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صفوں کا درست کرنا نماز کے قائم کرنے کا ایک حصہ ہے۔

افادات:- چوں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز قائم کرو۔ تو نماز قائم کرنے میں جہاں نماز کے ارکان، فرائض، واجبات، سنتیں ادا کرنا داخل ہے؛ وہیں صفوں کو درست کرنا بھی نماز کے قائم کرنے کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے جو لوگ صفوں کو درست کرنے کا اہتمام نہیں کرتے؛ یوں سمجھا جائے گا کہ وہ نماز کے قائم کرنے والے حکم میں کوتاہی کے مرتکب ہیں۔

۱۰۸۸:- وعنه، قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: ((أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا؛ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي))

(رواه البُخَارِيُّ بلفظه، ومسلم بمعناه)

وفی روایة للبخاری: وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ.

ترجمہ:- حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے پھر فرمایا: اپنی صفیں درست کرو، اور آپس میں خوب لگ کر کھڑے رہو اس لیے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

افادات:- یعنی میں نماز کے لیے قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا، یہ سمجھ کر صفوں کی درستگی کے معاملہ میں غفلت وکوتاہی سے کام نہ لو کہ مجھے معلوم نہیں، بلکہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

صفیں درست کرو؛ ورنہ......

۱۰۸۹:-وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَأَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ، حَتّٰى رَأٰى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ، فَقَالَ: عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ.

ترجمہ:- حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: تم یا تو اپنی صفوں کو درست کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں اختلاف ڈال دیں گے، یا تمہارے چہروں کو پھیر دیں گے۔

مسلم شریف کی روایت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد کس موقع پر فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفوں کو درست کرنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے ذریعہ تیروں کو درست کیا جارہا ہو (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ روزانہ صفیں اسی طرح درست فرمالیا کرتے تھے) یہاں تک کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ ہم لوگ یہ بات بخوبی سمجھ اور سیکھ گئے ہیں (تو پھر روزانہ صفوں کو سیدھا کرنا چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ جس چیز کی عادت ڈالنی تھی اس کی عادت پڑ چکی، اور صحابہ از خود صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام کرنے لگے؛ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کندھے پکڑ کر صفیں درست کرنا چھوڑ دیا، صرف دیکھ لیا کرتے تھے کہ صفیں درست ہیں یا نہیں) پھر ایک دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنے مصلّے پر کھڑے ہوئے اور تکبیر کہہ کر نماز شروع کرنا چاہتے ہی تھے کہ آپ

کی نظر پڑی کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے آگے نکلا ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو! صفیں درست کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو پھیر دیں گے۔

افادات:- ''قِدَاح'' تیروں کی جو لکڑیاں ہوتی تھیں ان میں لوہا ڈالنے سے پہلے بڑے اہتمام سے ان کو پوری طرح سیدھا کیا جاتا تھا، اس لئے کہ اگر لکڑی برابر سیدھی نہ ہو، تو پھر تیر نشانہ پر نہیں جائے گا۔ تو صحابی فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی صفوں کو نبیٔ کریم ﷺ اتنے اہتمام سے درست کرتے تھے کہ ان صفوں پر تیروں کی لکڑیاں رکھ کر معلوم کیا جا سکتا تھا کہ وہ سیدھی ہیں یا نہیں۔

چہروں کو پھیرنے کا مطلب بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ: دلوں میں نفرت بیٹھ جائے گی اور دلوں میں آپس میں بغض پیدا ہوگا جس کے نتیجہ میں تم میں سے ہر ایک اپنا چہرہ دوسرے سے پھیرنے کی کوشش کرے گا۔ جیسا کہ آپس میں جب اختلاف ہوتا ہے تو ایک کو دیکھ کر دوسرا اپنا منھ پھیر لیتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ: صفوں کو درست نہ کرنے کا نتیجہ چہروں کے بگڑنے کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ گویا یہ چیز چہروں کے مسخ ہو جانے کا سبب بن سکتی ہے، اس لئے اس سے خاص طور پر بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اگلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں

۱۰۹۰:- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَتَخَلَّلُ الصَّفَّ مِنْ نَاحِیَةٍ إِلَی نَاحِیَةٍ یَمْسَحُ صُدُوْرَنَا وَمَنَاکِبَنَا وَیَقُوْلُ لَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ وَکَانَ یَقُوْلُ إِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصُّفُوْفِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ صف میں

ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک تشریف لے جاتے تھے، اور ہمارے سینوں اور کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھتے تھے کہ سیدھے کھڑے ہیں یا نہیں۔ اور یہ بھی ارشاد فرماتے تھے: آگے پیچھے مت کھڑے رہو، ورنہ تمہارے دلوں پر اس کا اثر پڑے گا۔ اور فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اگلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں اور فرشتے ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

بڑا وعدہ اور سخت وعید

۱۰۹۱:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: أَقِيْمُوْا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ، وَسُدُّوا الْخَلَلَ، وَلِينُوا بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ، وَلاَ تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ، وَمَنْ وَصَلَ صَفّاً وَصَلَهُ اللهُ، وَمَنْ قَطَعَ صَفّاً قَطَعَهُ اللهُ.

(رواه أبوداؤد بإسناد صحيح)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صفیں سیدھی کرو اور کندھے ایک دوسرے کے برابر رکھو (یعنی تمہارا اور پاس والے کا کندھا سیدھا ہونا چاہیے) اور بیچ میں خالی جگہ ہو تو اس کو پُر کرلو (ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ دو آدمی کے بیچ میں ایک بالشت کی جگہ خالی رہ جائے) اور اپنے بھائیوں کے ہاتھ میں نرم بن جاؤ۔ اور شیطان کے لئے خالی جگہ بیچ میں مت چھوڑو (اگر بیچ میں خالی جگہ رہ جاتی ہے تو شیطان آکر وہاں کھڑا ہوجاتا ہے) اور جو آدمی صف کو جوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے جوڑے گا، اور جو آدمی صف کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے کاٹے گا۔

افادات:- اس روایت میں صف سیدھی کرنے پر وعدہ بھی بڑا ہے، بہت سخت وعید بھی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے ایک آدمی صف میں برابر کھڑا نہیں ہے، بعد میں

آنے والا محسوس کرتا ہے کہ صف برابر نہیں ہے، تو اس کو ٹھیک کرنے کے لئے کبھی کسی کا کندھا پکڑتا ہے، ایسے موقعہ پر بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ اکڑ جاتے ہیں، نماز میں کچھ کہہ تو سکتے نہیں، لیکن اپنے کندھے اور جسم کو اکڑا کر اس سے گویا اپنے اختلاف کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا مت کرو، بلکہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم بن جاؤ یعنی اگر کوئی صف درست کرنے کے لئے کبھی کسی موقعہ پر تم کو ہاتھ لگائے تو اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ وہ جو کروانا چاہتا ہے وہ کرلو اور صف کو برابر ٹھیک کرلو۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صف کو جوڑنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، اور ذرّہ برابر بھی کوتاہی نہ ہو کہ جس کے نتیجہ میں صف کے ٹوٹنے کی نوبت آجائے۔

شیطان صف کی درمیانی خالی جگہ میں گھس جاتا ہے

۱۰۹۲:- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ، وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْأَعْنَاقِ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! إِنِّيْ لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی صفوں کو مضبوط رکھو، اور صفوں کو قریب قریب رکھو (یعنی صفوں کے درمیان میں بھی جتنی ضرورت ہو اتنا ہی فصل ہونا چاہیے تاکہ پچھلی صف والے اطمینان سے سجدہ کرسکیں، ایسا نہ ہو کہ پہلی اور دوسری صف کے درمیان دس پندرہ فٹ کی دوری رکھی جائے) اور گردنیں آپس میں مقابلہ میں رکھو (کندھوں سے کندھا ملا کر رکھیں گے تو اس کے نتیجہ میں گردنیں بھی ایک لائن میں آجائیں گی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مَیں شیطان کو دیکھ رہا ہوں

کہ صف کے درمیان اس طرح داخل ہوجاتا ہے جیسے چھوٹی بکریاں (گھس جاتی ہیں)۔

افادات:- ''رُصُّوْ'' ''رَصَاصٌ'' سے ماخوذ ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے، اسی طرح درمیان میں کوئی خالی جگہ نہ رہے

''حَذَفٌ'' یمن میں چھوٹی چھوٹی سیاہ بکریاں ہوا کرتی ہیں جو معمولی جگہ بھی پاتی ہیں تو گھس جاتی ہیں، اسی طرح شیطان بھی جب صف میں ذرا سا فصل دیکھتا ہے تو اندر گھس کر اپنی کاروائی شروع کردیتا ہے، اس لئے نمازیوں کو چاہیے کہ صفوں کے درمیان میں ذرّہ برابر بھی فصل اور خالی جگہ نہ چھوڑیں۔

صفوں کی ترتیب

۱۰۹۳:- وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِيْ يَلِيْهِ، فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ. (رواه أبو داؤد بإسناد حسن)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلی صف کو مکمل کرو، پھر اس کے بعد والی (اسی طرح ترتیب سے یکے بعد دیگرے صفوں کو مکمل کرتے رہو) یہاں تک کہ جو کمی رہ جائے وہ اخیری صف میں رہے۔

افادات:- ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پہلی صف بھی ادھوری ہے، دوسری بھی ادھوری ہے، تیسری بھی ادھوری ہے، بلکہ جب تک کہ پہلی صف مکمل نہ ہو وہاں تک دوسری صف شروع نہ کی جائے۔

صفوں کی ترتیب کے سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''وَسِّطُوا الْإِمَامَ'' امام کو بیچ میں رکھو۔ فقہاء نے اس کا طریقہ یہی بتلایا ہے کہ جب امام کھڑا ہوتو پہلا آدمی امام کے پیچھے کھڑا ہو، اس کے بعد پھر دائیں طرف، پھر بائیں طرف، پھر

دائیں طرف، پھر بائیں طرف؛ اسی طرح ہر آنے والا دیکھتا رہے کہ کس طرف زیادہ لوگ کھڑے ہیں، جدھر کم لوگ ہوں اس طرف وہ کھڑا ہو جائے، اسی طرح پہلی صف مکمل ہوگی۔ چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام کو بیچ میں رکھنے کا حکم دیا ہے، اس لیے ہر مصلّی اس بات کا خیال رکھے کہ امام بیچ میں رہے، اور اس کا طریقہ وہی ہوگا جو ابھی بتلایا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ دائیں طرف آٹھ دس آدمی کھڑے ہوتے چلے گئے اور بائیں طرف ایک دو آدمی ہی ہیں، اس صورت میں تو دائیں طرف والا صف کا حصہ لمبا ہو گیا اور بائیں طرف والا چھوٹا رہا؛ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام بیچ میں نہیں آپایا۔

ہاں! اگر قریب ہی میں یہ کمی پوری ہونے کی امید ہو، مثلاً نمازی مسلسل آرہے ہیں، تو اس صورت میں اگر ایک طرف دو چار آدمی زیادہ ہوگئے، اور ایک دو منٹ بعد دوسری طرف بھی آگئے تو کوئی اشکال کی چیز نہیں ہے۔ لیکن اگر ایسی امید نہیں ہے، بلکہ خیال یہ ہے کہ صف اسی طرح آخر تک رہے گی، تو اس صورت میں پہلے ہی سے ہر آنے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور پہلی صف جب مکمل ہو جائے اس کے بعد دوسری صف شروع کی جائے، پہلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف شروع کرنا درست نہیں ہے۔

دائیں جانب کی صف والوں پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی رحمت

۱۰۹۴:- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَفِيْهِ رَجُلٌ مُخْتَلَفٌ فِيْ تَوْثِيْقِهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دائیں

جانب کی صف والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

افادات:- لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صف کی دائیں جانب والا حصہ حاصل کرنے کے لئے صفوں کی اس ترتیب کی خلاف ورزی کی جائے جو نبیٔ کریم ﷺ نے بتلائی ہے، بلکہ اسی طریقہ اور ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اگر دائیں طرف کھڑے رہ سکتے ہیں؛ تب ہی یہ فضیلت حاصل ہوگی، اس لیے وہ طریقہ تو ملحوظ رکھنا ہی چاہئے۔

اگرچہ اس روایت پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: صحیح اس طرح ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ صُفُوْفاً'' (پہلے بھی ایک روایت آ چکی ہے کہ) جو لوگ صفوں کو جوڑنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور بیچ میں خالی جگہ نہیں رہنے دیتے، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں اور اللہ کے فرشتے بھی ان کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ اس صورت میں تو پھر کوئی اشکال باقی ہی نہیں رہے گا۔

سلام کے بعد امام صاحب کس طرف رخ کریں؟

۱۰۹۵:- وَعَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: کُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أَحْبَبْنَا أَنْ نَکُوْنَ عَنْ یَمِیْنِہٖ یُقْبِلُ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ فَسَمِعْتُہُ یَقُوْلُ: رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَکَ.

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے تو اس بات کو پسند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی دائیں طرف کھڑے رہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ اپنے چہرے سے اسی طرف متوجہ ہوتے تھے، اور (سلام کے بعد) میں نے حضورِ اکرم ﷺ کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا: **اے اللہ! تو اپنے بندوں کو جب قیامت کے**

روز دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے گا؛ اس روز مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

افادات:- سلام پھیرنے کے بعد جب مصلیوں کی طرف رخ پھیرنے کا وقت آتا تھا تو عام طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں طرف رخ پھیرتے تھے۔ یہ طریقہ پسندیدہ تو ہے لیکن آدمی اس کو ضروری نہ سمجھے، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت موجود ہے کہ کوئی آدمی اگر ضروری سمجھتا ہو کہ دائیں طرف ہی سے گھومنا چاہئے، تو اس نے اپنی نماز میں شیطان کا حصہ رکھ دیا، اس لیے کہ میں نے بہت سی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بائیں طرف چہرہ گھماتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ طریقہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، البتہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ آپ دائیں طرف گھوم کر نمازیوں کی طرف اپنا رخ فرما کر بیٹھا کرتے تھے۔

یہ محبت کی بات ہے

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت اور تعلق تھا اس کی وجہ سے وہ لوگ ہر وقت آپ کے دیدار کے متمنی رہا کرتے تھے، اسی کے پیشِ نظر وہ حضرات اس بات کو پسند کرتے تھے کہ دائیں طرف کھڑے رہیں تا کہ سلام پھیرنے کے بعد مصلیوں کی طرف جب چہرہ پھیرنے کا وقت آئے تو چوں کہ اکثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں طرف رخ پھیرتے ہیں تو آپ کے چہرے پر ہماری نظر پہلے پڑ جائے۔ یہ محبت کی بات ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا امّت کی تعلیم کے لئے کیا کرتے تھے، اس لئے کہ اصل میں تو یہ دعا امّت ہی کے لئے ہے۔

بہر حال! اس روایت کو اور اگلی روایت کو لا کر صف کے دائیں طرف والے حصہ کے بہتر ہونے کی نشان دہی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتلا دیا کہ

دائیں طرف کو حاصل کرنے میں صفوں کی ترتیب کے سلسلہ میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ اگر صف کی بائیں طرف کوئی نہیں ہے اور آپ دائیں طرف کھڑے ہو گئے، تو گویا صف کے بنانے میں جو ترتیب بتلائی گئی ہے اس کی رعایت نہیں ہوگی، اور ویسے بھی یہ برا معلوم ہوتا ہے۔

امام کو بیچ میں رکھو، اور خالی جگہ پُر کرو

۱۰۹۶:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: وَسِّطُوا الْإِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام کو بیچ میں رکھو، اور خالی جگہ پُر کرو۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ ہر آنے والا اس انداز سے کھڑا ہو کہ امام بیچ میں رہے، امام تو اپنی جگہ پر رہے گا لیکن مصلّی ایک ہی طرف کھڑے ہونا شروع کریں گے تو اس صورت میں امام بیچ میں نہیں رہے گا، اس لئے یہ بتلایا گیا کہ ہر آنے والا صف کی پوزیشن کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے لئے کھڑے ہونے کا فیصلہ کرے۔ اگر دیکھ رہا ہے کہ دائیں طرف لوگ زیادہ ہیں تو بائیں طرف کھڑا رہے، اور اگر بائیں طرف زیادہ ہیں تو دائیں طرف کھڑا رہے؛ تاکہ امام کو بیچ میں رکھنے والا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو حکم ہے اس پر عمل ہو جائے۔ اور صفوں کی خالی جگہوں کو پُر کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے، پہلے بھی روایت گزر چکی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی صف کو جوڑے گا؛ اللہ تعالیٰ اس کو جوڑے گا، اور جو صف کو کاٹے گا؛ اللہ تعالیٰ اس کو کاٹے گا۔ صف کو نہ جوڑنے پر بہت سخت وعید بھی ہے، اس لئے اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

فَضْلُ السُّنَنِ الرَّاتِبَةِ مَعَ الْفَرَائِضِ وَبَيَانِ أَقَلِّهَا وَأَكْمَلِهَا وَمَا بَيْنَهُمَا

سننِ مؤکدہ کی تعداداوراس کی فضیلت

فرض نمازیں جواللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے لازم کی گئی ہیں ان کواپنے اوقات میں ادا کیا جاتا ہے، اس میں فرض کے علاوہ بھی کچھ نمازیں اس سے پہلے اور بعد میں رکھی گئی ہیں، جیسے: فجر میں دو رکعات فرض ہے، لیکن اس سے پہلے دو رکعات بطورِ سنّت ادا کروائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ظہر میں اصل فرض تو چار رکعات ہے، لیکن اس سے پہلے چار رکعات اور بعد میں دو رکعات ہیں۔ تو فرض نماز کے علاوہ جو رکعتیں سنّت اور نفل کے طور پر ادا کی جاتی ہیں ان کی فضیلت کو اس باب میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔

روزانہ بارہ رکعات سنتِ مؤکدہ پڑھنے پر جنت کا مکان

۱۰۹۷:- عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أُمِّ حَبِيْبَةَ رَمْلَةَ بِنْتِ أَبِيْ سُفْيَانَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّي لِلّٰهِ تَعَالٰى كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعاً غَيْرَ الْفَرِيْضَةِ، إِلَّا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ، أَوْ إِلَّا بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ. (رواہ مسلمٌ)

ترجمہ:- امّ المؤمنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہر روز بارہ رکعتیں نفل فرض کے علاوہ ادا کرے گا؛ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت میں ایک مکان بنائے گا، یا یہ کہ اس کے لئے جنّت میں ایک مکان بنایا جائے گا۔

افادات:- اس سے مراد سنتِ مؤکدہ ہے جو فرائض کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ فجر سے پہلے دو سنّت، ظہر سے پہلے چار رکعت اور بعد میں دو، مغرب کے بعد دو، اور عشاء کے بعد دو؛ یہ کل بارہ ہو جاتی ہیں۔ ان کی ادائیگی کی بڑی تاکید آئی ہے، اور ان میں بھی فجر کی دو سنتوں کی سب سے زیادہ تاکید آئی ہے، حتّٰی کہ سفر میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو نہیں چھوڑتے تھے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ فجر کی سنّت کا اہتمام کرو، چاہے تمہیں گھوڑے روند ڈالیں (ابوداود،۱/ ۴۰۲) مطلب یہ ہے کہ چاہے کیسے ہی حالات اور تکلیف کیوں نہ ہو، اس کو پابندی سے ادا کرنا چاہیے۔

بہر حال! یہ سننِ مؤکدہ جن کو سننِ رواتب بھی کہتے ہیں، ان کی ادائیگی کی بڑی تاکید ہے۔ اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ جو آدمی ان سنتوں کو چھوڑے گا وہ ملامت کے قابل ہے، اور جو اس کا عادی بن جائے گا اس کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں۔ آج کل اس کی طرف سے بڑی بے رغبتی برتی جاتی ہے، بہت سے لوگ مسجد میں آتے ہیں اور وقت ہونے کے باوجود ان کو پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے؛ یہ بالکل غلط طریقہ ہے جو قابلِ ترک ہے۔ بہر حال! ان کا خاص اہتمام ہونا چاہیے۔

۱۰۹۸:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الظُّھْرِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَھَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْجُمُعَۃِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں، اور ظہر کے بعد دو رکعتیں، اور جمعہ کی نماز کے بعد دو رکعتیں، اور مغرب کے بعد دو رکعتیں، اور عشاء کے بعد دو رکعتیں ادا کیں۔

افادات:- اس روایت میں ظہر سے پہلے دو رکعت کا تذکرہ ہے، اور فجر سے پہلے کی دو رکعت کا تذکرہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ دوسری روایتوں میں ہے، اس لیے فقہاء نے ان ساری روایتوں کے مجموعے کو سامنے رکھتے ہوئے ان بارہ رکعتوں کی تاکید فرمائی ہے جو میں اوپر بتلا چکا ہوں۔

اذان واقامت کے درمیان سنتیں

۱۰۹۹:- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ. قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَآءَ. (متفقٌ علیه)

اَلْمُرَادُ بِالْأَذَانَيْنِ: اَلْأَذَانُ وَالْإِقَامَةُ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مغفَّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: دونوں اذانوں کے درمیان میں نماز ہے، دونوں اذانوں کے درمیان میں نماز ہے، دونوں اذانوں کے درمیان میں نماز ہے۔ تیسری مرتبہ میں فرمایا کہ جو آدمی پڑھنا چاہے۔

افادات:- دو اذان سے مراد اذان اور اقامت ہے۔ اور ان کے درمیان میں جو نماز کا تذکرہ کیا ہے اس سے مراد نفل یا سنّت ہے۔ ویسے تو تمام نمازوں میں فرض سے پہلے سنن ہیں، جیسے: فجر سے پہلے دو، ظہر میں چار، عصر میں بھی چار یا دو سنتِ غیر مؤکدہ ہیں، اسی طرح عشاء میں بھی فرض سے پہلے چار غیر مؤکدہ ہیں، لیکن

مغرب کی نماز سے پہلے سنّت ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔ احناف کے نزدیک مغرب کی اذان کے بعد اور مغرب کی فرض سے پہلے کوئی سنّت نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مباح کا درجہ ہے یعنی جائز ہے، کوئی آدمی اگر پڑھنا چاہے؛ تو پڑھ سکتا ہے، باقی اس کے مستحب اور سنّت ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ ہاں! شوافع کے نزدیک مستحب ہے۔ اس کی تفصیل مغرب کی سنتوں کے بیان میں آگے آئے گی۔

بَابُ تَاكِيْدِ رَكْعَتَيْ سُنَّةِ الصُّبْحِ

فجر کی دوسنتوں کی تاکید

جیسا کہ ابھی بتلایا کہ بارہ رکعتیں سنت ادا کی جاتی ہیں، ان میں فجر کی دوسنتیں بھی آجاتی ہیں، لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس باب میں اس کو الگ سے بیان کرتے ہیں۔

۱۱۰۰:-عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے کی چار رکعتوں کو، اور فجر سے پہلے دو رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

افادات:- دیکھو! اس روایت میں ظہر سے پہلے کی چار رکعت کا تذکرہ آیا ہے۔ اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا بڑا اہتمام ہے۔

۱۱۰۱:-وَعَنْهَا قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض کے علاوہ دوسری نمازوں میں کسی نماز کا اتنا زیادہ اہتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کا اہتمام فرماتے تھے۔

۱۱۰۲:-وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فجر کی دو رکعتیں؛ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے ان سب سے بہتر ہے۔

افادات:- ویسے تو دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر تو ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا بھی ہے، لیکن عام طور پر آدمی دنیا کے حصول میں مشغولی کے نتیجہ میں جن چیزوں کو چھوڑا کرتا ہے ان میں سنتیں بھی ہیں، اس لئے خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فجر کی سنتوں کا اہتمام/ ایک واقعہ

۱۱۰۳:- وَعَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بِلَالِ بْنِ رِبَاحٍ رضی اللہ تعالی عنہ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنَّهُ أَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِيُؤْذِنَهُ بِصَلَاةِ الْغَدَاةِ فَشَغَلَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا بِلَالاً بِأَمْرٍ سَأَلَتْهُ عَنْهُ حَتَّى أَصْبَحَ جِدّاً فَقَامَ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ وَتَابَعَ أَذَانَهُ، فَلَمْ يَخْرُجْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. فَلَمَّا خَرَجَ صَلَّى بِالنَّاسِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا شَغَلَتْهُ بِأَمْرٍ سَأَلَتْهُ عَنْهُ حَتَّى أَصْبَحَ جِدّاً، وَأَنَّهُ أَبْطَأَ عَلَيْهِ بِالْخُرُوْجِ. فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِنِّيْ كُنْتُ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! إِنَّكَ أَصْبَحْتَ جِدّاً. قَالَ: لَوْ أَصْبَحْتُ أَكْثَرَ مِمَّا أَصْبَحْتُ لَرَكَعْتُهُمَا وَأَحْسَنْتُهُمَا وَأَجْمَلْتُهُمَا.

ترجمہ مع تشریح:- حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن تھے ان سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فجر کی نماز کا وقت ہوجانے کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے (حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے وقت پر اذان دے دیا کرتے تھے اور جب جماعت کا وقت قریب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی اسی عادت کے مطابق فجر کی نماز

کی تیاری کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے تو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال سے کوئی بات دریافت کی اور اُس میں ان کو مشغول کر دیا (ان کے اس سوال و جواب کی گفتگو میں ذرا تاخیر ہوگئی) یہاں تک کہ صبح خوب روشن ہوگئی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دینے کے بعد) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نے محسوس کیا کہ آج اُجالا زیادہ ہو چکا ہے، تو) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دینے لگے (کہ اے اللہ کے رسول! فجر کا وقت ہو گیا ہے) اور مسلسل اطلاع دیتے رہے، لیکن ان کے بار بار اطلاع کرنے کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ سے فوراً نہیں نکلے، بلکہ کچھ دیر بعد باہر تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بار بار متوجہ کرنے کی معذرت کے طور پر) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی، اس گفتگو میں مجھے ایسا مشغول کر دیا کہ صبح کا اُجالا زیادہ ہو گیا (پھر میں نے آپ کو وقت ہو جانے کی اطلاع دی) لیکن آپ نے بھی نماز کے لیے نکلنے میں دیر فرمائی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جب تم نے مجھے جماعت کی اطلاع دی) اس وقت میں فرض سے پہلے کی دو رکعت سنتوں کی ادائیگی میں مشغول تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! صبح تو بہت زیادہ ہو چکی تھی (اس کے باوجود آپ دو رکعت کی ادائیگی میں مشغول ہوئے؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج جتنی دیر ہوئی اُس سے بھی زیادہ دیر ہو جاتی؛ تب بھی میں ان دو رکعتوں کو ادا کرتا اور (مختصر انداز میں، لیکن ہر ہر رکن کو) پورے طور پر ادا کرتے ہوئے اچھے طریقے سے پڑھتا۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ چاہے جتنی بھی دیر ہو جاتی، لیکن جب تک یہ دو رکعتیں ادا نہ کر لیتا؛ وہاں تک نماز پڑھانے کے لئے باہر نہ نکلتا۔ اس سے فجر کی دو سنتوں کی تاکید اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

بَابُ تَخْفِيْفِ رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ وَبَيَانِ مَا يُقْرَأُ فِيْهِمَا وَبَيَانِ وَقْتِهِمَا

فجر کی دو سنتیں مختصر اور ہلکی پڑھی جائیں اس میں قراءت کیا ہو؟ اس کا وقت کیا ہے؟

۱۱۰۴:- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا: يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ فَيُخَفِّفُهُمَا حَتَّى أَقُوْلَ هَلْ قَرَأَ فِيْهِمَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ وَيُخَفِّفُهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فجر کی اذان اور اقامت کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مختصر دو رکعت ادا فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے دوسری روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی اذان سنتے تھے تو فجر کی دو سنتیں ادا فرماتے تھے، اور بہت مختصر ادا فرماتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (اتنی مختصر ہوتی تھیں کہ) میں اپنے جی میں سوچتی تھی کہ آپ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی یا نہیں۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ ہے: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذان سنتے تھے (اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صبحِ صادق ہوتے ہی فوراً اذان ہوتی تھی) تو فوراً آپ دو رکعت سنّت ادا فرماتے تھے اور ہلکی اور مختصر پڑھتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صبحِ صادق طلوع ہوتے ہی آپ وہ ادا فرما لیتے تھے۔

افادات:- ان تمام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی دو سنتوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل قرأت نہیں فرماتے تھے۔ اب کیا پڑھتے تھے تو آگے مستقل آ رہا ہے۔ اسی دوسری روایت کے پیشِ نظر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سنتوں میں صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھی جائے گی، اور کوئی سورۃ نہیں ملائی جائے گی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فجر کی دو سنتیں صبحِ صادق طلوع ہوتے ہی پڑھنا پسندیدہ ہے، اور مختصر پڑھنا بھی پسندیدہ ہے، اور گھر پر پڑھی جائے یہ بھی پسندیدہ ہے۔ اس لیے ان تینوں چیزوں کا اہتمام کیا جائے۔

صبحِ صادق تا طلوعِ آفتاب صرف دو سنتیں اور دو فرض

۱۱۰۵:- وَعَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ؛ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا طَلَعَ صَلَّى الْفَجْرَ لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ.

ترجمہ:- امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مؤذن فجر کی اذان دیتا تھا اور صبحِ صادق نمودار ہوتی تھی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعت (فجر کی سنتیں) مختصر ادا فرماتے تھے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جب صبح صادق طلوع ہوتی تھی تو حضور اکرم

ﷺ صرف یہی دو رکعتیں (یعنی سنتیں) مختصر ادا فرماتے تھے۔

افادات:- ویسے مسئلہ بھی یہی ہے کہ صبح صادق طلوع ہونے کے بعد فجر کی فرض پڑھنے تک درمیان میں صرف یہ دو سنتیں ہی پڑھ سکتے ہیں، اور کوئی نفل نہیں پڑھ سکتے، ہاں! اگر کوئی آدمی قضاء نماز پڑھنا چاہے، تو پڑھ سکتا ہے۔

بعض لوگ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے، اور بعض لوگ صبح صادق کے وقت کو صحیح طور پر معلوم نہ رکھنے کی وجہ سے صبح صادق ہو جانے کے بعد بھی تہجد کے نام سے نوافل پڑھتے رہتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ اگر صبح صادق ہو جانے کے بعد کسی نے تہجد کی نیت سے دو رکعت پڑھ لی، اور بعد میں گھڑی دیکھ کر معلوم ہوا کہ صبح صادق تو ہو چکی تھی؛ تو یہ دو رکعتیں سنّت کی طرف سے کافی ہو جائیں گی، اب اس کو الگ سے سنّت پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور، یہ مسئلہ تو سب کو معلوم ہی ہے کہ فجر کے دو فرض پڑھنے کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک کوئی نفل پڑھنا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک نوافل میں صرف دو سنتیں اور دو فرض ہی پڑھ سکتے ہیں، ہاں! کوئی آدمی قضاء پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

فجر کی دو سنتیں اوّل وقت پڑھنا پسندیدہ ہے

۱۱۰۶:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى وَيُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، وَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات میں (تہجد

کی نماز) دو دو رکعتیں کر کے ادا فرماتے تھے (چوں کہ رات کا اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ کتنی باقی ہے، اس لئے ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیا کرتے تھے) اور اخیر میں جب یہ اندازہ ہوتا کہ اب صبح صادق ہونے والی ہے، تو مزید ایک رکعت ملا کر وتر ادا فرما لیتے تھے۔ اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت ایسے وقت ادا فرماتے تھے گویا آپ کے کانوں میں اذان کی آواز آ رہی ہے۔

افادات:- حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ملانے سے ہی ہوتی ہے، گویا دو دو رکعتیں پڑھتے رہے، اب آخری دو رکعت میں کھڑے ہو کر ایک رکعت کا اضافہ کر لیا تو وہ وتر ہوگئی۔ اور صبح صادق ہوتے ہی اذان ہوتی تھی، تو اذان کی آواز سنتے ہی آپ فجر کی دو سنتیں ادا فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی دو سنتیں بالکل اوّل وقت میں پڑھنی چاہئیں۔

فجر کی سنتوں کی مسنون قراءت

۱۱۰۷:- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِي الْأُوْلٰى مِنْهُمَا: قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا اَلْآيَةُ الَّتِيْ فِي الْبَقَرَةِ، وَفِي الْآخِرَةِ مِنْهُمَا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ: فِي الْآخِرَةِ الَّتِيْ فِيْ آلِ عِمْرَانَ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ.

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی آیت ''قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا'' پڑھتے تھے، اور دوسری رکعت میں ''آمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ'' تلاوت فرماتے تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دوسری رکعت میں سورۂ آلِ عمران کی آیت ''تَعَالَوْا إِلٰى

كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ‘‘ پڑھتے تھے۔

افادات:- ان سب آیتوں میں ایمانیات، ایمان اور اخلاص سے متعلق مضمون ہے، اس لئے ان کے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے۔

۱۱۰۸:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ "قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ" و "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ".

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں میں (یعنی سنتوں کی) پہلی رکعت میں ’’قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ‘‘ اور دوسری میں ’’قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ‘‘ پڑھی۔

۱۱۰۹:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شَهْراً، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ "قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ" و "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ".

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں مہینہ بھر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برابر دیکھتا رہا کہ آپ فجر کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں ’’قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ‘‘ اور دوسری رکعت میں ’’قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ‘‘ تلاوت فرماتے تھے۔

افادات:- بعض روایتوں میں ہے کہ چوبیس روز تک دیکھا۔ اور بعض روایتوں میں چالیس روز تک کا ذکر بھی آیا ہے کہ چالیس دن تک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برابر دیکھتا رہا کہ آپ ہمیشہ فجر کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں ’’قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ‘‘ اور دوسری رکعت میں ’’قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ‘‘ تلاوت فرماتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر انہیں دو سورتوں کو پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی سورۂ بقرہ والی آیتیں بھی ہوتی تھیں۔

اِسْتِحْبَابِ الْاِضْطِجَاعِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عَلٰی جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ وَالْحَثُّ عَلَيْهِ سَوَاءٌ كَانَ تَهَجَّدَ بِاللَّيْلِ أَمْ لَا

فجر کی دوسنتوں کی ادائیگی کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹنے کا مستحب وپسندیدہ ہونا اوراس کی ترغیب؛ چاہے رات کو تہجد پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو

۱۱۱۰:- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اِضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی دوسنتیں ادا فرمالیتے تھے؛تو دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے۔

افادات:- یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل تھا،آگے قولی روایت بھی آرہی ہے۔

فجر کی دوسنتوں کے بعد تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جانا اور پیر لمبے کرنا کیسا ہے؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان اختلاف والا ہے۔ائمہ میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے سنّت

ہونے کے قائل ہیں۔ دوسرے بعض حضرات اس کے سنّت ہونے کے قائل نہیں ہیں، چوں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المسلک ہیں اس لئے اس کی سنیت کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات جیسے: حضرت ابوہریرہ، حضرت أنس حضرت أبوموسیٰ أشعری رضی اللہ عنہم اس کے استحباب کے قائل ہیں۔

بعض علماء اُس کے واجب ہونے کے قائل ہیں، چناں چہ علامہ ابن حزمؒ جو ظاہری المسلک ہیں، وہ تو یوں فرماتے ہیں کہ فجر کی دوسنتوں کے بعد تھوڑی دیر لیٹنا ضروری ہے، اگر نہیں لیٹو گے تو فجر کی فرض ہی ادا نہیں ہوگی، اگرچہ ان کے علاوہ اور کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

بعض حضرات نے اس کو بدعت کہا ہے، چناں چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ائمہ میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کے بدعت ہونے کے قائل ہیں۔ بعضوں نے اس کو خلافِ اولیٰ بتلایا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ فجر کی سنّت اور فرض کے درمیان فصل کرنے کے لئے لیٹ جائے یا اور کوئی کام کرلے، یعنی چاہے تو لیٹ جائے، چاہے تو گھر والوں کے ساتھ بات چیت کرے، یا اور کوئی کام کرلے۔

بعضوں نے کہا کہ گھر میں ہو تو لیٹنا سنت ہے، مسجد میں نہیں، ورنہ تو مسجد مسافر خانہ بن جائے گی۔ اور بعضوں نے کہا کہ جو لوگ رات کو تہجد پڑھتے ہیں اور تہجد میں مشقت اٹھاتے ہیں ان کے لئے سنت ہے، دوسروں کے لئے نہیں۔

لیکن احناف کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سننِ عادیہ میں سے ہے، سننِ تشریعیہ میں سے نہیں۔ لہٰذا کوئی آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں

ثواب کی نیت سے ایسا کرے تو امید ہے کہ اس کو ثواب ملے گا، باقی ہم اس کو سنت قرار نہیں دیتے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت مصنّف عبد الرزّاق اور طبرانی میں موجود ہے جس میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی دو سنتوں کے بعد لیٹتے تھے لیکن اس لئے نہیں کہ سنّت ہے، بلکہ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کی ادائیگی میں بہت مشقت اٹھاتے تھے اور بہت دیر تک تہجد میں مشغول رہتے تھے جس کی وجہ سے تھک جاتے تھے، تو تھوڑی دیر آرام کے لئے اور جسم کو کچھ راحت پہونچانے کے لئے لیٹ جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت نے بات صاف کردی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل سنّت ہونے کی وجہ سے نہیں تھا۔ اس لیے کوئی آدمی رات بھر عبادت میں مشغول رہا، یا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک نوافل اور عبادت کی وجہ سے تھکن ہوئی اور فجر کی سنتوں کے بعد پانچ سات منٹ لیٹ جائے؛ تو اجازت ہے۔ یہاں لفظ اضطجاع آیا ہے جس کا مطلب نیند لینا نہیں ہوتا، بلکہ تھوڑی دیر سستانا یعنی لیٹ جانا ہوتا ہے۔

١١١١:-وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ وَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ هٰكَذَا حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ.

قَوْلُهَا: ((يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ)) هٰكَذَا هُوَ فِي مُسْلِمٍ. وَمَعْنَاهُ بَعْدَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد

سے فجر تک یعنی درمیان رات کا جو وقت ہوتا ہے اس میں گیارہ رکعتیں تہجد کے طور پر پڑھتے تھے، اور اس میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے پھر اخیر میں ایک رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھے۔ پھر جب صبحِ صادق طلوع ہو جاتی اور مؤذن فجر کی اذان کہہ کر خاموش ہو جاتا تو آپ دو رکعت ہلکی اور مختصر پڑھتے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ اقامت یعنی تکبیر کا وقت آتا تو مؤذن آکر اطلاع کرتا۔

افادات:- پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ جب اقامت کا وقت آتا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کرتے تھے پھر حضور گھر سے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

۱۱۱۲:- **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى يَمِيْنِهِ.** (رواه ابوداود والترمذی باسناد صحیحة)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب فجر کی دو سنتیں ادا کرلے؛ تو دائیں کروٹ پر لیٹ جائے۔

افادات:- یہ قولی روایت ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں محدثین نے کلام کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل تو یہ تھا لیکن حضور کے ارشاد کے طور پر اس کو صرف ایک راوی عبد الواحد بن زیاد ہی نقل کرتے ہیں، دوسرے تمام راویوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے طور پر اس روایت کو پیش کیا ہے، ارشاد کے طور پر نہیں۔

ویسے فجر کی دو سنتوں کے بعد لیٹنے والی یہ روایت امام زہری سے ان کے تمام شاگرد نقل کرتے ہیں، لیکن ان کے ایک شاگرد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو یہ فرماتے

ہیں کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جاتے تھے، اس کے بعد دو رکعت ادا فرماتے تھے، اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فجر کی دو سنتوں کے بعد لیٹنے کے بدعت ہونے کے قائل ہیں۔

بہر حال! یہ مسئلہ روایتوں کے اختلاف کی وجہ سے ائمہ میں بھی اختلاف والا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی سنیت کے قائل ہیں۔ تفصیل اوپر بتا چکا ہوں۔

بَابُ سُنَّةِ الظُّهْرِ

ظہر کی سنتوں کا بیان

۱۱۱۳:-عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں ادا کیں۔

افادات:- ظہر کے بعد دو رکعت سنّتِ مؤکدہ ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، لیکن ظہر سے پہلے کتنی رکعتیں سنّتِ مؤکدہ ہیں؟ تو شوافع کے یہاں دو ہیں، جب کہ احناف اور حنابلہ کے یہاں چار ہیں۔

۱۱۱۴:-وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعات کبھی چھوڑتے نہیں تھے۔ (یعنی ہمیشہ چار رکعات پڑھتے تھے)

۱۱۱۵:-وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي فِي بَيْتِي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعاً، ثُمَّ يَخْرُجُ، ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ يَدْخُلُ، فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَيُصَلِّي بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ، وَيَدْخُلُ بَيْتِي، فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ. (رَوَاهُ مُسْلِم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے میرے حجرہ میں چار رکعات ادا فرماتے تھے اس کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے

تھے، پھر نماز پڑھا کر جب گھر میں واپس تشریف لاتے تھے تو دو رکعات ادا فرماتے تھے۔ اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد مکان میں تشریف لاکر دو رکعات ادا فرماتے تھے۔ اور لوگوں کو جب عشاء کی نماز پڑھاتے تھے، پھر میرے کمرے میں تشریف لاکر دو رکعات ادا فرماتے تھے۔

افادات:- اب دیکھئے! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی روایت میں ظہر سے پہلے دو رکعات کا تذکرہ ہے، اور اس روایت میں چار کا تذکرہ ہے۔ اس لئے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ظہر سے پہلے چار رکعتیں سنّت ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اصل میں تو چار رکعات سنّتیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں ادا فرماتے تھے، اور جب مسجد میں تشریف لاتے تو آپ تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت ادا فرماتے اور چوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تھے، اس لیے ان کی روایت میں جو دو رکعت کا ذکر ہے، اس کو تحیۃ المسجد پر محمول کیا جائے گا۔

شوافع یوں فرماتے ہیں کہ آپ نے گھر میں جو چار رکعت ادا فرمائی وہ فئِ زوال ہے، جیسے: اشراق، چاشت اور اوّابین ہیں، اس طرح ایک نماز فئِ زوال بھی ہے، یعنی زوال ہوتے ہی فوراً چار رکعات ادا کرنی چاہئے۔ چوں کہ جب سورج ایک دم سر پر ہوتا ہے، اس وقت نماز نہیں پڑھی جاتی، پھر جب سورج ڈھلتا ہے تو قبولیت کے دروازے کھلتے ہیں، تو اس وقت فئِ زوال پڑھی جائے جس کا تذکرہ کتابوں میں آتا ہے تو وہ حضرات ان چار رکعات کو فئِ زوال بتلاتے ہیں، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جو دو رکعت نقل کرتے ہیں اس کو سنّت بتلاتے ہیں۔ بہر حال دونوں باتیں ثابت ہیں۔

اور اس روایت میں ظہر کے بعد کی دو رکعات، مغرب کے بعد کی دو رکعات، اسی طرح عشاء کے بعد دو رکعات کا تذکرہ ہے جو سنّتِ مؤکدہ ہیں۔ اور ظہر سے پہلے کی چار رکعتوں کا بھی تذکرہ آگیا جو کہ سنّتِ مؤکدہ ہیں، اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا

تذکرہ اس روایت میں نہیں آیا، لیکن پچھلے باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت گزری ہے جس میں فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا تذکرہ آ گیا تھا۔ اس طرح دن میں کل بارہ رکعتیں سنّتِ مؤکدہ ہیں، اسی کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے، احناف وحنابلہ کے یہاں بارہ ہی سنتِ مؤکدہ ہیں۔ اور شوافع کے یہاں دس ہیں، وہ حضرات ظہر سے پہلے چار کے بجائے دو رکعات کے قائل ہیں۔

ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتوں کی پابندی پر فضیلت

۱۱۱۶:- وَعَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا، حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ.

ترجمہ:- حضرت امِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی ظہر سے پہلے چار رکعتوں اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی پابندی کرے؛ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم پر حرام قرار دیں گے۔

افادات:- اس روایت میں ظہر کے بعد بھی چار رکعتوں کا تذکرہ آیا ہے، لیکن چوں کہ عام طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کے بعد دو ہی پڑھتے تھے، اور قولی روایت میں بھی دو کا تذکرہ ہے، اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ ظہر کے بعد دو سنّتِ مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ ہیں جس کو ہم نفل کہتے ہیں، اس طرح چار رکعتیں ہیں۔

اس وقت بھی آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں

۱۱۱۷:- وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَائِبٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعاً بَعْدَ أَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَقَالَ: إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا أَبْوَابُ

السَّمَاءِ، فَأُحِبُّ أَنْ يَّصْعَدَ لِيْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے تھے، اور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں؛ اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ ایسے وقت میں میرا کوئی نیک عمل اوپر جائے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت اعمالِ صالحہ کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں لہٰذا آدمی کو اس وقت بھی نیک اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ظہر سے پہلے کی سنتیں چھوٹ جائیں تو!

۱۱۱۸:- وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے کی چار رکعات اگر نہیں پڑھ پاتے تھے، تو ظہر کے بعد ان کو ادا فرماتے تھے۔

افادات:- ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنّتِ مؤکدہ ہے، اگر کسی وجہ سے ادا نہ ہو پائی، مثلاً: ایسے وقت مسجد میں پہنچے کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے، تو فرض کے بعد ان کو ادا کیا جائے۔ اب ظہر کے بعد کب ادا کرے؟ ظہر کے بعد کی دو سنتوں کے بعد یا اس سے پہلے؟ تو فقہ کی کتابوں میں دونوں باتیں لکھی ہیں۔ لیکن ابن ماجہ شریف میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بتلایا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظہر سے پہلے کی چار رکعت کبھی چھوٹ جاتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ظہر کے بعد کی دو رکعتوں کے بعد ادا فرماتے تھے۔ اس لئے اسی کے مطابق پہلے دو رکعت پڑھ لے، اس کے بعد چھوٹی ہوئی چار سنتیں ادا کر لے۔

بَابُ سُنَّةِ الْعَصْرِ

عصر کی سنتوں کا بیان

عصر کے بعد تو کوئی سنت یا نفل نہیں ہے، لیکن عصر سے پہلے چار رکعتیں سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

۱۱۱۹:- عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ، يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ۔

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے تھے اور ان میں ملائکہ مقربین اور مسلمین ومؤمنین پر سلام بھیجتے تھے۔

افادات:- تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ" پڑھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دو رکعات پر قعدہ کرتے تھے، اس سے عصر سے پہلے چار رکعات بتلانا چاہتے ہیں، لیکن میں بتلا چکا ہوں کہ وہ سنتِ غیر مؤکدہ ہیں۔

۱۱۲۰:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعاً.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے۔

۱۱۲۱:- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ

اَلْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعات ادا فرماتے تھے۔

افادات:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار کی روایت بھی منقول ہے، اسی لئے فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت، یا دو رکعت ہیں۔ چار پڑھے تو اچھا ہے، ورنہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ لیکن چار یا دو جو بھی پڑھی جائے گی، وہ مؤکدہ نہیں، بلکہ غیر مؤکدہ ہے۔

بَابُ سُنَّةِ الْمَغْرِبِ بَعْدَهَا وَقَبْلَهَا

مغرب کے بعد اور پہلے کی سنتوں کا بیان

فضائل کا بیان چل رہا ہے اسی سلسلہ میں نمازوں کے فضائل بیان کیے، پھر پنج وقتہ نمازوں میں جو سننِ قبلیہ و بعدیہ ہیں ان کا بیان کیا۔ اس باب میں مغرب سے پہلے اور بعد کی سنتوں کو بیان کر رہے ہیں۔

احناف کے یہاں مغرب کے بعد دو رکعت سنّتِ مؤکدہ ہے، اور دو رکعت مستحب کا درجہ رکھتی ہے۔ اور بہت سارے فقہاءِ احناف نے ان دو سنّتِ مؤکدہ کے علاوہ بطورِ مستحب اور چھ رکعات لکھی ہے؛ جن کو اوّابین کہا جاتا ہے، کبیری وغیرہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ تو مغرب کی نماز کے بعد تو سنتیں ہیں، البتہ مغرب کی اذان کے بعد فرض سے پہلے احناف کے یہاں نہ سنتیں ہیں اور نہ مستحب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی فرض نماز ادا کرنے میں دیر کرنے کو منع کیا گیا ہے، اور اس سے پہلے نوافل میں مشغول ہونا فرض کی ادائیگی میں تاخیر کا سبب بنتا ہے، اس لئے حنفیہ مغرب کے فرض سے پہلے نماز کے استحباب یا سنّیت کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت نفل پڑھنا جائز اور مباح ہے، اگر کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

اس لیے اگر کبھی کسی وجہ سے جماعت کھڑی نہیں ہوئی، جیسے: رمضان میں اذان کے بعد روزہ دار افطار کر کے آجائیں اس حساب سے چند منٹ کے لئے انتظار کیا

جاتا ہے، اس وقت اگر کوئی آدمی پہلے سے مسجد میں موجود ہے، روزہ افطار کر کے فارغ بیٹھا ہوا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ ابھی جماعت کھڑی ہونے میں چار پانچ منٹ باقی ہیں، اس وقت اگر وہ نفل کے طور پر دو رکعت پڑھنا چاہے؛ تو اس کی اجازت ہے۔ ویسے بھی اس کے نماز پڑھنے کی وجہ سے جماعت کھڑی ہونے میں تاخیر کا سوال پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ جماعت تو روزہ داروں کی رعایت میں دیر سے ہی کھڑی ہونے والی ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مغرب سے پہلے بھی دو رکعت سنّت ہے، اور بھی بہت سارے حضرات اس کے قائل ہیں، جب ہم لوگ حج وعمرہ کے لیے جاتے ہیں تو وہاں پر دیکھتے ہیں کہ مغرب کی اذان کے بعد لوگ دو رکعت پڑھتے ہیں، اس وقت ہم بیٹھے بیٹھے سوچیں کہ کیا کریں تو چلو! ہم بھی اگر دو رکعت پڑھ لیں؛ تو جائز ہے۔ یا جیسے کسی نے پہلے سے طواف کر رکھا تھا، اور طواف کی واجب نماز باقی تھی، اس وقت اگر وہ پڑھنا چاہے؛ تو اس کی بھی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے یہاں مغرب کے فرض سے پہلے سنّت اور مستحب نہیں ہے، باقی بطورِ نفل کے اس وقت پڑھنا جائز ہے۔

اس کتاب ریاض الصّالحین کے مصنف علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ شافعی المسلک ہیں، اور ان کے مسلک کے اعتبار سے یہ سنّت یا مستحب کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے انھوں نے اسی سلسلہ کی روایتیں اس باب میں پیش کی ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ مغرب کے بعد کی نوافل کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی روایت پچھلے باب میں گزر چکی ہے، جس میں یہ آیا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کے بعد

دو رکعت ادا فرماتے تھے۔ اور جن بارہ رکعتوں کی پابندی پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنّت میں گھر کا وعدہ فرمایا ہے جن کو سنن رواتب اور سننِ موٴکدہ کہتے ہیں، اس کی فہرست بھی آپ کو اس وقت بتائی گئی تھی، دیگر احادیث میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے، اس میں مغرب کے بعد کی دو رکعتیں بھی ہیں۔

یہاں مغرب کی فرض سے پہلے کے سلسلہ میں بھی کچھ روایتیں لاتے ہیں۔

مغرب کی فرض سے پہلے دو رکعت سنت ہے یا نہیں؟

۱۱۲۲:- وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ، قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَآءَ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا: مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔ اور تیسری مرتبہ میں یہ فرمایا: جو پڑھنا چاہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔

افادات:- ''جو پڑھنا چاہے'' اسی جملہ کی وجہ سے احناف یہ کہتے ہیں کہ دراصل عصر کی نماز کے بعد سے غروبِ آفتاب تک نوافل پڑھنے کی ممانعت تھی، اب جیسے ہی آفتاب غروب ہوا تو وہ ممانعت ختم ہوگئی۔ یہ بات اور رہی کہ آفتاب کے غروب ہونے کی وجہ سے اب ہمیں مغرب کی فرض ادا کرنی ہے، لیکن نوافل پڑھنے کی ممانعت جو عصر کے بعد سے شروع ہوئی تھی، وہ ممانعت غروبِ آفتاب پر ختم ہوچکی، اس لئے اب اگر کوئی آدمی اس طرح پر نفل پڑھنا چاہے کہ اس کی وجہ سے مغرب کی فرض نماز میں تاخیر کی نوبت نہ آتی ہو، تو اس کے لیے اس پابندی کو اٹھایا جا رہا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے ہیں: ''صَلُّوْا'' پڑھو۔

اصولِ فقہ کا ایک قاعدہ

ویسے بھی فقہاء اور اہلِ عربیت کے یہاں یہ قانون ہے کہ ''صَلُّوْا'' امر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ''پڑھو''، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ واجب اور ضروری ہے۔ اس لیے کہ امر کے صیغہ سے اگرچہ ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن اصولِ فقہ کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی پابندی ہو، پھر اس پابندی کو اٹھانے کے لیے امر کا صیغہ استعمال کیا جائے، تو وہ اس کام کے ضروری ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، بلکہ صرف جائز ہونے کی دلیل ہوتی ہے، جیسے: استاذ کے پاس سبق ہو رہا ہو تو سبق کے دوران طلباء کو اٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی، لیکن جب سبق پورا ہو گیا اور اب استاذ کہے کہ جاؤ۔ تو یہ ''جاؤ'' کہنا امر کا صیغہ تو ہے، جس سے ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن یہاں ''جاؤ'' کہنا ضروری قرار دینے کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ یہ بتلانے کے لئے ہوتا ہے کہ اب تک تو سبق ہو رہا تھا اور آپ پر جانے کی پابندی اور ممانعت تھی، اب سبق ختم ہو چکا ہے؛ لہٰذا جو جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔

یا جیسے: شریعت کا حکم یہ ہے ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ جب احرام باندھ لو تو خشکی کے جانوروں کا شکار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور قرآنِ پاک میں یہ بھی ہے: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ جب تم اپنا احرام کھول دو، تو شکار کرو۔ ''فَاصْطَادُوْا'' امر کا صیغہ ہے کہ شکار کرو۔ اس کا مطلب سب حضرات یہی بیان کرتے ہیں کہ حالتِ احرام میں شکار کی جو ممانعت تھی، اس آیت ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ ممانعت ختم ہو گئی۔ وہاں ''شکار کرو'' کا مطلب کوئی بھی یہ نہیں بیان کرتا کہ جو بھی احرام کھولے اس کے لئے شکار کرنا ضروری ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ احرام

کی وجہ سے شکار پر جو پابندی عائد ہوئی تھی وہ پابندی اب ختم کردی گئی، لہٰذا اب اگر کوئی آدمی شکار کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

اسی طرح اس روایت میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو ارشاد فرمایا: ''صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ'' مغرب سے پہلے نماز پڑھو، اس کا مطلب یہی ہے کہ عصر کے بعد سے اب تک نفل پر پابندی عائد ہوئی تھی اور ممانعت تھی، لیکن غروبِ آفتاب کی وجہ سے وہ ممانعت ختم ہوگئی۔ اسی لیے اخیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ جملہ بڑھا دیا: ''لِمَنْ شَاءَ'' جو چاہے۔ یہ جملہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں جو ''صَلُّوْا'' کہا گیا ہے وہ تاکید اور ضروری ہونا بتلانے کے لئے نہیں ہے، بلکہ لگی ہوئی اس پابندی کو اٹھانے کے لئے ہے، اور اسی لئے یہی جملہ حنفیہ کی دلیل بھی ہے۔ حنفیہ اسی جملہ کی بنیاد پر یوں کہتے ہیں کہ مغرب سے پہلے دو رکعت سنّت نہیں ہے، ہاں! البتہ جائز ہے، اگر کوئی پڑھ لے تو اس کو منع نہیں کریں گے، باقی اس کو ہم سنّت اور مستحب کا درجہ نہیں دیتے۔ البتہ شوافع کے یہاں یہ سنّت اور مستحب کا درجہ رکھتی ہے۔

۱۱۲۳:- وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ كِبَارَ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا کہ مغرب (کی اذان کے بعد) ستونوں کی (آڑ میں نماز پڑھنے کے لئے) سبقت کرتے تھے۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز سے پہلے وہ لوگ نفل پڑھا کرتے تھے۔ صاحبِ کتاب یہ روایت لاکر ان دونفلوں کا سنّت یا مستحب ہونا

ثابت کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ یادرہے کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ کسی روایت میں نہیں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تو آیا ہے، اور اس کے متعلق ابھی اوپر عرض کر دیا کہ وہ فقط جواز کو بیان کرنے کے لئے ہے، سنّیت بتانے کے لیے نہیں ہے، اور صحابۂ کرام پڑھتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، یہ جواز کی دلیل ہے، اور احناف بھی جائز ہونے کے قائل ہیں۔

۱۱۲۴:- وَعَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، فَقِيْلَ: أَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صَلَّاهُمَا؟ قَالَ: كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا، فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کے فرض سے پہلے ہم لوگ دو رکعت پڑھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پڑھتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم کو پڑھتا ہوا دیکھتے تھے، لیکن ہم کو نہ حکم کرتے تھے، نہ روکتے تھے۔

افادات:- خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں پڑھی ہے، اسی لئے جیسا کہ میں نے عرض کیا احناف اس کو سنّت نہیں کہتے، البتہ جائز ہے اور پڑھ سکتے ہیں۔

۱۱۲۵:- وَعَنْهُ قَالَ: كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ، فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوْا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوْا رَكْعَتَيْنِ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسَبُ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهِمَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ مدینہ منورہ میں ہوتے تھے، اور مؤذن مغرب کی اذان دے کر فارغ ہوتا تھا تو صحابۂ کرام ستونوں کی آڑ میں (نماز پڑھنے

کے واسطے) سبقت کرتے تھے، اوراس سے پہلے کہ حضورِ اکرم ﷺ آگے بڑھیں اور نماز شروع کریں؛ جلدی جلدی دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے، یہاں تک کہ (باہر سے آیا ہوا نیا اور) اجنبی آدمی ان حضرات کو اس کثرت سے نماز پڑھتا ہوا دیکھتا؛ تو اس کو گمان ہونے لگتا تھا کہ شاید مغرب کی نماز ہو چکی ہے۔ (مسلم شریف کی روایت ہے)

اس لیے کہ نماز کے بعد تو سب لوگ سنتیں پڑھتے ہی ہیں، ایسا ماحول بن جاتا تھا کہ نیا آدمی یہی سوچتا کہ کیا نماز پوری ہوگئی؟

افادات:- ان ساری روایتوں کی وجہ سے وہ حضرات تو اس کو مستحب اور سنّت کا درجہ دیتے ہیں، لیکن احناف ان ساری روایتوں کی وجہ سے بھی مستحب کا درجہ نہیں مانتے، البتہ جواز کے قائل ہیں۔

سُنَّةُ الْعِشَاءِ بَعْدَهَا وَقَبْلَهَا

عشاء کی نماز کے بعد اور اس سے پہلے کی سنتیں

فِيهِ حديث ابن عمر السابق : صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وحديث عبد الله بن مُغَفَّلٍ : بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاةٌ. (متفق عَلَيْهِ. كما سبق)

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں عشاء کے بعد بھی دوسنتوں کا تذکرہ ہے۔ اسی لئے بارہ رکعتوں میں یہ دو بھی شمار کرائی گئی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت سنّتِ مؤکدہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا گیا ہے کہ ہر دو اذان یعنی اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے عشاء سے پہلے بھی سنّت کا پتہ چلتا ہے، لیکن احناف کے یہاں عشاء سے پہلے چار رکعتیں مستحب ہیں، اور دو پڑھنا چاہے؛ تو فقہاء نے اس کی بھی اجازت دی ہے، جیسے عصر سے پہلے بھی چار اور دو کا تذکرہ آتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

بَابُ سُنَّةِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کی سنتوں کا بیان

فِيْهِ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ السَّابِقُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمعہ کے بعد میں نے دو رکعتیں ادا کی۔

۱۱۲۶:- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعاً.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو آدمی جمعہ کی نماز پڑھ چکے، اس کو چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعت ادا کرے۔

افادات:- پہلی روایت سے جمعہ کے بعد دو رکعتوں کا سنّت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس دوسری روایت سے جمعہ کے بعد چار رکعات کا سنّت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو جمعہ کے بعد چار رکعات ہی سنّتِ مؤکدہ ہیں، البتہ آپ کے دونوں شاگرد امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں مزید دو رکعتیں ہیں۔ اسی لئے ہم سب عام طور پر چھ پڑھتے ہیں، اور پہلے چار، پھر دو رکعت پڑھنی چاہئیں۔ ویسے کوئی آدمی پہلے دو پھر چار پڑھے؛ تو اس کی بھی اجازت ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ترتیب لکھی ہے، لیکن مناسب ترتیب یہی ہے کہ جمعہ کی فرض کے بعد پہلے چار پھر دو پڑھے، اور صرف چار پڑھ لے

تب بھی کافی ہے، اور مزید دو پڑھے تو صاحبین کے قول کے مطابق وہ بھی سنّتِ مؤکدہ ہے، اور اس کے پھر دو رکعتیں نفل کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۱۲۷:- **وَعَنِ ابْنَ عُمَرَ** رضی اللہ عنہما **أَنَّ النَّبِيَّ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **كَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ.**

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے بعد جب تک لوٹ نہ جاتے تھے کوئی نماز ادا نہیں فرماتے تھے، پھر گھر پہنچ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔

افادات:- اس سے جمعہ کے بعد دو رکعت کا ثبوت ہوتا ہے جو صاحبین کا قول ہے۔ ویسے چار تو سب کے نزدیک ہیں، اور صاحبین کے قول کے مطابق مزید دو رکعتیں سنّتِ مؤکدہ ہیں۔

بَابُ اِسْتِحْبَابِ جَعلِ النَّوَافِلِ فِیْ الْبَیْتِ سَوَاءِالرَّاتِبَۃُ وَغَیْرُھَا وَالْاَمْرِبِالتَّحَوُّلِ لِلنَّافِلَۃِ مِنْ مَوْضِعِ الْفَرِیْضَۃِ أَوْ الْفَصْلِ بَیْنَھُمَا بِکَلَامٍ

نفل نمازوں کا گھر میں پڑھنا اور فرض ونوافل کی جگہوں کو بدلنا

یہاں ایک اور مسئلہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نفل نمازوں کا گھر میں پڑھنا شریعت کی نگاہ میں زیادہ پسندیدہ ہے، نوافل میں سنّتِ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سب داخل ہیں، یہاں تک کہ پانچ وقت کی فرائض سے پہلے اور بعد میں جو سنّتِ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ ہیں ان کو بھی گھر میں پڑھنا مستحب اور زیادہ مناسب ہے۔ لیکن لوگوں کے حالات اور مشغولیات کو دیکھ کر سننِ رواتب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے فقہاء نے سننِ رواتب کو مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی ہے، بلکہ بعضوں نے کہا کہ مسجد ہی میں پڑھ لی جائے، اس لیے کہ ہم لوگوں کا مزاج گھروں میں نماز پڑھنے کا بنا ہوا نہیں ہے، سلام پھیر کر

جب مسجد سے نکلتے ہیں تو باہر کھڑے رہ کر آدھا ایک گھنٹہ تو باتیں کریں گے، اسی میں سنتیں اور وتر تک بھی بھول جاتے ہیں، اس لیے کہا گیا کہ مسجد ہی سے پڑھ کر نکلو، تاکہ ثواب سے محرومی کی نوبت نہ آئے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ جہاں فرض نماز ادا کی ہے اس جگہ سے ذرا ہٹ کر نفل (سننِ مؤکدہ یا غیر مؤکدہ) کو ادا کیا جائے۔ اور اگر اسی جگہ پڑھتے ہیں تو فرض اور نفل کے درمیان میں گفتگو کا ذرا فاصلہ کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ شریعت یہ بھی چاہتی ہے کہ نمازوں میں ہر نماز کا الگ الگ مقام باقی رہے، فرض نماز جو امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس کا اپنا ایک مقام ہے، اور سنتیں، نوافل، مستحبات؛ الگ نمازیں ہے، تو دونوں کی الگ الگ حیثیتیں نمایاں اور ممتاز ہو کر لوگوں کے سامنے آجائے، اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خلط ملط نہ ہونے پائے؛ تاکہ ہر آدمی فرق سمجھے کہ ابھی تک فرض ہو رہی تھی اور اب سنّت اور نفل پڑھی جارہی ہے، اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ اسی جگہ ادا نہ کی جائے۔ اور خاص کر امام کو تاکید کی گئی ہے کہ سلام کے بعد اپنی ہیئت بدل دے، اور لوگوں کو بھی اپنی ہیئت ایسی بنالینی چاہیے تاکہ نئے آنے والے کو یہ معلوم ومحسوس ہو جائے کہ فرض نماز ختم ہو چکی ہے۔ اگر سلام کے بعد امام اور مقتدی سب اسی طرح بیٹھے رہیں گے، تو نئے آنے والے کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ سلام پھیرا جاچکا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر کہ ابھی تو اخیری قعدہ چل رہا ہے، نیت باندھ کر قعدہ میں بیٹھ جائے، اس لیے تاکید کی گئی کہ بیٹھک کو بدل دو اور امام بھی گھوم جائے، یا اپنی جگہ چھوڑ دے، پھر تو آنے والے کو احساس ہو جائے گا۔ یہ بھی ضروری ہے اور شریعت یہ بھی چاہتی ہے، تاکہ کسی کو غلط فہمی کی نوبت نہ آئے، اسی لیے یا تو جگہ بدل دو، یا درمیان میں بات چیت کے ذریعہ فصل کرلو، ویسے گفتگو کے مقابلہ میں جگہ

بدلنے والی شکل زیادہ مناسب ہے۔

گھروں کو قبرستان مت بناؤ

۱۱۲۸:- عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: صَلُّوْا أَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ.

ترجمہ:- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اس لئے کہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی بہترین اور افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ہو۔

۱۱۲۹:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اجْعَلُوْا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْراً.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری نمازوں کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ہونا چاہئے، اور گھروں کو قبریں مت بناؤ۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ جیسے قبرستان میں مردے سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ نماز نہیں پڑھتے، ایسے ہی تمہارے گھر بھی قبرستان نہیں ہونے چاہئیں بلکہ نمازوں کا سلسلہ گھروں میں ہونا چاہئے۔ اس روایت میں تو صاف جملہ موجود ہے کہ اپنے گھروں میں نماز کا کچھ حصہ مقرر کرو، اور گھروں کو قبر نہ بناؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں نوافل کا اہتمام کرتے رہنا چاہئے۔

بعض روایتوں میں مطلق آیا ہے کہ گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔ اس حدیث کا ایک مطلب یہی بیان کیا گیا ہے جو ابھی اوپر گزرا۔ لیکن اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ گھروں کو قبرستان مت بناؤ کہ جیسے ہم قبرستان جاتے ہیں تو مردے

ہماری کوئی میزبانی نہیں کرتے، ایسے ہی آپ بھی اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، یعنی ایسا نہ ہو کہ کوئی آپ کے گھر آئے اور خالی لوٹ کر جائے، بلکہ آنے والے کو کچھ کھلاؤ پلاؤ، اس کو روکھا سوکھا واپس مت بھیجو۔

گھر کی مسجد ہونی چاہیے

۱۱۳۰:- وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ فِيْ مَسْجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيْباً مِنْ صَلَاتِهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْراً.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں اپنی نماز مکمل کرلے (یعنی فرض ادا کرلے) تو اب نماز کا کچھ حصہ گھر میں بھی ادا کرے، اس لئے کہ نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گھر میں خیر وبرکت مقدر فرماتے ہیں۔

افادات:- اس سے یہ معلوم ہوا کہ گھر میں بھی نماز کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حدیثِ پاک میں بھی اس بات کی تاکید آئی ہے کہ گھر میں ایک مقام اور جگہ نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص کرلینی چاہیے، جس کو گھر کی مسجد کہا جاتا ہے، پھر اس جگہ کو پاک صاف رکھنے اور وہاں پر خوشبو کی دھونی دینے کا اہتمام کیا جائے، اور گھر کے تمام لوگوں کو چاہئے جب بھی کوئی نماز ادا کریں تو اسی جگہ پر ادا کریں۔

نیا گھر بنانے والے متوجہ ہوں

بھائی! گھر میں جب ہر کام کے لئے الگ کمرے نام کے ساتھ متعین ہوتے ہیں، جیسے: کھانا پکانے کے لئے باورچی خانہ اور کچن (Kitchen) متعین ہے، اور

کھانا کھانے کے لئے الگ کمرہ (Dining Room) متعین ہے، اور لیٹنے کے لئے الگ کمرہ (Bed Room) متعین ہے، اور مہمانوں کو بٹھانے کے لئے الگ کمرہ (Drawing Room) متعین ہے، اور ہم نے تو سنا کہ آج کل جتنے نئے مکانات بننے لگے ہیں تو نقشہ بنانے والے آرکیٹیکٹ اس میں ٹی وی رکھنے کے لئے بھی الگ روم رکھتے ہیں۔ جب ان ساری چیزوں کے روم موجود ہیں، اگر نہیں ہے تو صرف نماز کا روم نہیں ہے! حالاں کہ ایک مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس کے گھر میں نماز والی جگہ پہلے ہونی چاہیے۔ اس لئے جو اہلِ وسعت ہیں، وہ جب اپنے مکان کا نقشہ بنانے کے لئے کسی آرکیٹیکٹ کو دیں تو اس کو پہلے ہی سے تاکید کر دیں کہ ہمارے گھر میں ایک کمرہ نماز کے لئے الگ ہونا چاہیے۔

ہر آدمی یہ دو باتیں نوٹ کر لے

اور جیسے بیت الخلاء اور غسل خانہ وغیرہ بنائے جاتے ہیں اسی طرح وضو کی جگہ بھی الگ سے ہونی چاہیے، اس لیے کہ عام طور پر غسل خانوں میں وضو کے لئے بیٹھتے ہیں تو چھینٹے اڑتے ہیں، اور غسل خانہ میں پوری احتیاط کے ساتھ اپنے کپڑوں کو بچاتے ہوئے وضو کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے اگر آپ الگ سے بیٹھک والا وضو خانہ بنا دیں گے، جیسے: مسجدوں میں وضو خانے بنے ہوتے ہیں؛ تو اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ کوئی آدمی اگر غسل خانہ میں ہے تو وضو کرنے والے کو اس کے باہر نکلنے کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا، آدمی وضو کی بیٹھک پر وضو کر لے گا۔ اس لئے ہر ایک کو یہ چیز نوٹ کر لینی چاہئے تا کہ وہ آئندہ اپنے گھروں کی تعمیر میں ان دو چیزوں - وضو کی جگہ اور نماز کی جگہ - کا خیال رکھے۔ اور جب نماز کی جگہ متعین ہو جائے گی تو رمضان المبارک میں

گھر کی عورتوں میں سے اگر کسی کو اعتکاف کرنے کا ارادہ ہوگا تو اس کی جگہ متعین ہوگی، اور وہ آسانی سے اعتکاف بھی کر سکے گی۔

صحابی کا اہتمام/ ایک واقعہ

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاکید فرماتے ہیں کہ گھروں میں بھی نماز پڑھتے رہو، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گھروں میں خیر و برکت مقدر فرما دیں گے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے کی بھی تاکید فرمائی، اور گھر کی وہ جگہ جو نماز کے لئے متعین کی جائے اس کو خوشبو کی دھونی دے کر معطر رکھنے کی بھی تاکید فرمائی ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کا اہتمام کرتے تھے۔ بخاری شریف میں یہ قصہ موجود ہے۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، اخیر عمر میں ان کی بینائی کمزور ہوگئی تھی اس لیے وہ مسجد آنے جانے سے معذور تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انھوں نے اجازت طلب کی کہ: اے اللہ کے رسول! میری بینائی کمزور ہے، جب بارش ہوتی ہے تو راستے پانی سے بھر جاتے ہیں اور میرے لئے وہاں سے گزرنا مشکل ہوجاتا ہے، اگر مجھے اجازت مل جائے تو میں گھر میں نماز پڑھ لوں۔ ان کو اجازت مل گئی، پھر انھوں نے ایک درخواست پیش کی کہ: اے اللہ کے رسول! آپ میرے گھر تشریف لائیں اور برکت کے طور پر کسی جگہ نماز ادا فرما لیں؛ تاکہ اس جگہ کو میں نماز کے لئے متعین کرلوں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی روز ہم آئیں گے، چناں چہ دوسرے روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے گھر تشریف لے گئے، اور داخل ہوتے ہی پوچھا: کونسی جگہ نماز پڑھوانی ہے؟ انھوں نے جگہ بتلائی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت ادا فرمائی۔ روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت پڑھیں اس درمیان

میں انہوں نے کچھ پکا کر تیار کرلیا۔ محلے والوں کو بھی پتہ چل گیا تو وہ بھی جمع ہو گئے، اور جو کچھ پکا تھا اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وہ سب بھی شریک ہو گئے (بخاری شریف/کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد فی البیوت) ہمارے یہاں بھی کسی شخصیت کی آمد پر اس طرح کا جو اہتمام ہوتا ہے، اس روایت سے اس کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

فرض کے بعد سنت یا نفل اس جگہ سے ہٹ کر پڑھنی چاہیے

۱۱۳۱:- وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَطَاءٍ أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ ابْنِ أُخْتِ نَمِرٍ يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلَاةِ. فَقَالَ: نَعَمْ، صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُورَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ، إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتَّى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَمَرَنَا بِذٰلِكَ أَنْ لَّا نُوصِلَ صَلَاةً بِصَلَاةٍ حَتَّى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ.

ترجمہ:- عمر بن عطاء کہتے ہیں کہ نافع بن جبیر نے ان کو سائب کے پاس بھیجا جو نمر کے بھانجے ہوتے ہیں تا کہ ان سے پوچھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے سلسلہ میں کوئی بات دیکھی یا سیکھی ہو، یا کوئی واقعہ تمہیں معلوم ہو؛ تو بتلاؤ۔ انہوں نے کہا: ہاں! ایک مرتبہ میں نے ان کے ساتھ جمعہ کی نماز ''مقصورہ'' میں پڑھی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو جہاں میں نے جمعہ کی نماز ادا کی تھی وہیں کھڑا ہو گیا اور اسی جگہ بعد کی سنتیں پڑھیں۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر تشریف لے گئے تو میرے پاس ایک آدمی بھیجا اور مجھے بلوایا، جب میں گھر پہنچا تو مجھ سے کہا: آج تم نے جو حرکت کی وہ آئندہ مت کرنا۔ جب جمعہ کی نماز پڑھ چکو تو اسی جگہ دوسری نماز پڑھ کر دونوں کو جوڑ مت دیجیو، بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھنا یا کسی سے بات کر لینا، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ جوڑ نہ دیں۔ یا تو

درمیان میں بات کرلیں یا جگہ بدل دیں۔

افادات: مقصورہ یعنی کیبن (Cabin)۔دراصل جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو ان پر حملہ ہوا، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی ہوا تھا اور اسی میں وہ شہید ہو گئے تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی اس روز حملہ ہونے والا تھا، لیکن اتفاقاً اس روز حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیماری کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے، دوسرا آدمی آیا اور وہ اس حملہ کا شکار ہو گیا۔ اصل میں تین آدمیوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ ان تین یعنی حضرت معاویہ، حضرت علی اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو ختم کرنا ہے، جب یہ معاملہ سامنے آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں جہاں وہ کھڑے رہتے تھے ایک کمرہ نما کیبن (Cabin) بنادی تھی تا کہ اس میں نماز پڑھنے والا محفوظ ہو جائے؛ اسی کو مقصورہ کہا ہے۔اس کی ابتدا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں اپنی حفاظت کے لئے کی تھی، اسی کمرے میں نماز ادا فرماتے تھے اور دو چار آدمی جو خاص ہوتے تھے ان کو بھی شریک کرلیا جاتا تھا، باقی لوگ باہر رہتے تھے، اور یہ کمرہ اور کیبن (Cabin) پہلی صف میں ہوتی تھی ۔عام طور پر ایسی کیبن (Cabin) والی جگہ بادشاہانِ وقت بنایا کرتے تھے اور وہ پہلی صف ہی میں ہوتی تھی۔

اسی لیے فقہاء نے ایک بحث یہ بھی کی ہے کہ وہ جگہ پہلی صف میں داخل ہے یا نہیں؟ چوں کہ اس میں ہر ایک کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی اور پہلی صف کسی کے لئے مخصوص نہیں ہونی چاہیے، جو پہلے آئے اس کو حق ملنا چاہیے، اس لئے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ مقصورہ والی جگہ پہلی صف میں داخل نہیں۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان

حضرات نے ان سب چیزوں کا بھی کتنا خیال کیا۔ یہ بحث شامی میں بھی ہے، اور اسی بحث کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوگیا کہ صف کے بیچ میں اگر منبر آجاتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ پہلی صف نہیں رہتی، حالاں کہ وہ مسئلہ ہی دوسرا ہے۔

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ جوڑ نہ دیں، یا تو درمیان میں بات کرلیں یا جگہ بدل دیں''

اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد اسی جگہ پر سنت پڑھنے کے بجائے آدمی کو تھوڑا سا آگے پیچھے دائیں بائیں ہٹ جانا چاہیے، اس میں دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ کل کو قیامت میں وہ جگہیں جہاں آپ نے عبادات ادا کی ہیں اور نمازیں پڑھی ہیں آپ کے لئے شہادت اور گواہی دیں گی۔ تو جتنی جگہ بدل بدل کر نماز پڑھو گے اُتنے ہی زیادہ گواہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے لئے تیّار ہوں گے۔

بَابُ الْحَثِّ عَلَى صَلَاةِ الْوِتْرِ وَبَيَانِ أَنَّهُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَبَيَانِ وَقْتِهِ

وتر کی نماز کی ترغیب

وتر سنّتِ مؤکدہ ہے اور اس کے وقت کا بیان

وتر کی نماز کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف والا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کی حیثیت کیا ہے؟ یعنی وتر واجب ہے، یا سنّتِ مؤکدہ ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں، اور دیگر حضراتِ ائمہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو سنّتِ مؤکدہ بتلاتے ہیں، اور ہر ایک کے پاس اپنے اپنے موقف کے دلائل موجود ہیں۔ چوں کہ اس کتاب ریاض الصالحین کے مصنف علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المسلک ہیں، اس لئے انہوں نے عنوان میں یہ جملہ فرمایا کہ وتر سنّتِ مؤکدہ ہے۔ اور وتر کی نماز کے سنّت ہونے کے سلسلہ میں ائمۂ ثلاثہ نے جس روایت سے استدلال کیا ہے اسی کو پہلے پیش کیا ہے۔

۱۱۳۲:- عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: اَلْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، وَلٰكِنْ سَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ: إِنَّ اللهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ، فَأَوْتِرُوْا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ. (رواه أبوداود والترمذی، وقال: ((حديث حسن))

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز فرض نماز کی طرح لازم اور ضروری نہیں ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سنّت قرار دیا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یکتا (ایک) ہے، اور طاق عدد ہی کو پسند کرتا ہے، اس لئے اے اہلِ قرآن! تم وتر پڑھا کرو۔

افادات:- عدد دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک جفت یعنی جوڑی والا جیسے: دو، چار، چھ، آٹھ، دس؛ علیٰ ھذا القیاس۔ اور دوسرا ''وتر'' اور طاق عدد؛ جس کو ''اِکائی'' عدد بولتے ہیں، جیسے: ایک، تین، پانچ، سات، نو؛ علیٰ ھذا القیاس۔

حضراتِ ائمۂ ثلاثہ وتر کو سنّت قرار دیتے ہیں، واجب نہیں مانتے، اور ان کی دلیل یہی روایت ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وتر: فرض نماز کی طرح ضروری اور لازم تو نہیں ہے، لیکن وتر کا درجہ فرض سے گھٹا ہوا اور سنّت سے بڑھا ہوا ہے۔ اصل میں بات یہاں جا کر اٹکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فرض اور سنّت کے درمیان میں بھی ایک درجہ وجوب کا ہے، یعنی بعض چیزیں فرض ہیں، بعض چیزیں سنّت ہیں، اور بعض چیزیں درمیانی درجہ یعنی واجب کی حیثیت رکھتی ہیں اور دوسرے ائمہ کے یہاں فرض اور سنّت کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں ہے۔

تو اتنی بات تو طے ہے کہ وتر کی نماز فرض نہیں ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: "اَلْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ" وتر کی نماز فرض نماز کی طرح لازم اور ضروری نہیں ہے۔ جب اس درجہ کی نہیں ہے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وتر یعنی یکتا ہے، اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے، اس لئے اے اہلِ قرآن واہلِ ایمان! تم بھی وتر ادا کیا کرو۔ اس جملہ کی وجہ سے ائمۂ ثلاثہ نے فرمایا کہ جب فرض نہیں ہے، تو سنّت ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں فرض اور سنت کے

درمیان میں اور کوئی درجہ ہے ہی نہیں۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس کو وہ درجہ اور حیثیت تو حاصل نہیں جو فرض نماز کو حاصل ہے، البتہ سنّتِ مؤکدہ سے بڑھ کر ہے۔ اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے، وہیں آگے یہ بھی تو ارشاد فرمایا: "فَأَوْتِرُوْا يَاأَهْلَ الْقُرْآنِ" اور "أَوْتِرُوْا" امر کا صیغہ ہے جو عربی گرامر کے لحاظ سے کسی کام کے کرنے کا حکم دینے کے لیے لایا جاتا ہے۔ گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اے اہلِ قرآن یعنی اے مسلمانو! تم وتر پڑھو۔ اس سے واجب اور ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اس کو ضروری اور لازم کا وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو فرض نماز کا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ایک اور روایت ہے جس کو انہوں نے یہاں ذکر نہیں کیا لیکن ابوداود شریف میں ہی موجود ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: "اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا" وتر واجب اور ضروری ہے، جو آدمی وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس روایت سے وتر کا واجب اور ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو واجب بتلاتے ہیں۔

اسی لئے بعض حضرات تو یوں کہتے ہیں کہ حقیقت میں جو حضراتِ ائمہ ثلاثہ اس کو سنّت قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک بھی وتر کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن چوں کہ ان کے یہاں واجب والا درجہ نہیں تھا، اس لئے انھوں نے اس پر سنّت والا حکم لاگو کیا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واجب والا درجہ ہے، اس لئے انھوں نے واجب کا حکم لگایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک ضروری نماز ہے، اس پر تو سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ سنّتِ مؤکدہ سے بڑھ کر اس کی تاکید ہے، اگرچہ فرض جتنا اس کا مقام نہیں

ہے،اور کسی کے یہاں بھی اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

وتر کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

۱۱۳۳:- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَمِنْ أَوْسَطِهِ وَمِنْ آخِرِهِ وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ. (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ رات میں وتر کی نماز ادا فرماتے تھے،بعض مرتبہ آپ نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر ادا فرمائی ہے،بعض مرتبہ رات کے درمیانی حصہ میں،اور کبھی رات کے آخری حصہ میں ادا فرمائی ہے؛البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل یہی تھا کہ (رات کے آخری حصہ میں) سحر کے وقت ادا فرماتے تھے۔

افادات:- نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی بھی وتر کی نماز نہیں چھوڑی۔سننِ مؤکدہ تو کبھی آپ نے ادا نہیں بھی فرمائی،تا کہ معلوم ہوجائے کہ وہ ضروری اورواجب نہیں ہے،لیکن وتر کا چھوڑنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے،اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو وجوب کا درجہ دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے وتر کی نماز کا وقت بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے ادا کرنے کے بعد سے وتر کا وقت شروع ہوتا ہے،اورصبحِ صادق تک رہتا ہے،اس درمیان میں آپ جب چاہیں وتر کی نماز ادا کرسکتے ہیں،چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وتر کی نماز رات کے شروع حصہ میں ادا فرمائی ہے،درمیانی حصہ میں یا اخیری حصہ میں؟ تو جواب میں انہوں نے یہ ارشاد فرمایا جو اوپر روایت میں مذکور ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سارے ہی عمل ثابت ہیں،البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل یہی تھا کہ آپ رات کے

آخری حصہ میں سحر کے وقت ادا فرماتے تھے۔ اسی لئے وتر کی نماز کو رات کے آخری حصہ میں ادا کرنا پسندیدہ اور اچھا قرار دیا گیا ہے۔

وتر کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید

۱۱۳۴:- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْراً.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔

افادات:- اگر کوئی آدمی تہجد پڑھنے کا عادی ہے، اور اس کو اطمینان ہے کہ تہجد میں آنکھ کھل ہی جائے گی، تو اس کو چاہیے کہ وتر کی نماز تہجد کے بعد ادا کرے۔ اور اگر خطرہ ہے کہ پتہ نہیں کہ آنکھ کھلے گی یا نہیں؛ تو پھر وتر کو خطرہ میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، سونے سے پہلے پڑھ لو اور سو جاؤ؛ تو آخری نماز وتر ہو ہی جائے گی۔

۱۱۳۵:- عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: أَوْتِرُوْا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوْا.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبح سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لو۔

افادات:- گویا اس کا وقت صبحِ صادق تک رہتا ہے، اس سے پہلے پہلے پڑھ لیا کرو۔ اگر آخر رات میں پڑھے تو بہت مناسب ہے، لیکن اخیر رات میں پڑھنے کے معاملہ میں خطرہ ہو کہ ممکن ہے کہ آنکھ نہ کھلے اور چھوٹ جائے؛ تو اس صورت میں پڑھ کر سویا کرو۔

۱۱۳۶:-عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُصَلِّي صَلَاتَهُ بِاللَّيْلِ، وَهِيَ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ أَيْقَظَهَا فَأَوْتَرَتْ.

وَفِي رِوَايَةٍ لَّهُ: فَإِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ قَالَ قُومِي فَأَوْتِرِي يَا عَائِشَةُ.

ترجمہ:-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں دیر تک تہجد ادا فرماتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے لیٹی ہوئی رہتیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نماز ادا فرماتے رہتے، جب آپ کی وتر باقی رہ جاتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اُٹھا دیا کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وتر ادا کر لیتی تھیں۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب وتر باقی رہ جاتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے: اے عائشہ! اٹھو؛ اور وتر پڑھ لو۔

افادات:-اس سے معلوم ہوا کہ سامنے اگر عورت لیٹی ہوئی ہو تب بھی آدمی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی اٹھانے والا موجود ہے کہ ابھی اگر ہم سوجائیں گے تو فلاں وقت فلاں صاحب اٹھادیں گے اور ہم رات کے آخری حصہ میں وتر ادا کرلیں گے؛ تو سوسکتے ہیں اور رات کے آخری حصہ میں اُٹھ کر وتر ادا کر لی جائے۔

۱۱۳۷:-عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ.

ترجمہ:-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں: صبح آنے سے پہلے وتر پڑھنے میں سبقت کرو۔

افادات:-یعنی صبحِ صادق سے پہلے وتر ادا کرلو۔ عشاء کے بعد سے وتر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور صبحِ صادق تک رہتا ہے، اور اس میں بھی جتنی تاخیر سے پڑھیں گے اتنا ہی پسندیدہ ہے۔

۱۱۳۸:- عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ خَافَ أَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ أَوَّلَهُ. وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَّقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ. فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی کو یہ ڈر ہو کہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ نہیں سکے گا اس کو چاہیے کہ شروع رات میں وتر ادا کر لے۔ اور جس کو یہ امید ہو کہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ جائے گا تو رات کے آخر میں وتر ادا کرے، اس لئے کہ رات کے آخر میں جو نماز ادا کی جاتی ہے وہاں فرشتے بھی موجود رہتے ہیں اور یہ افضل وقت بھی ہے۔

افادات:- ہر آدمی اپنے متعلق فیصلہ کر لے کہ اٹھ سکے گا یا نہیں۔ اگر اُٹھنے کی امید اور یقین ہو تو آخری حصہ میں پڑھی جائے۔ اور جس آدمی کو یہ اندیشہ ہو کہ اٹھ نہیں پاؤں گا تو اس کو چاہیے کہ پہلے پڑھ لے، اس کے بعد سوئے۔

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الضُّحیٰ وَبَيَانِ أَقَلِّهَا وَأَكْثَرِهَا وَأَوْسَطِهَا وَالحَثِّ عَلَى الْمُحَافَظَةِ عَلَيْهَا

چاشت کی نماز کی فضیلت۔اس کی کم سے کم مقدار، درمیانی مقدار، اور زیادہ سے زیادہ مقدار کا بیان اور اس کی پابندی کی ترغیب

سورج جب اونچے چڑھ جائے اور موسم میں گرمی آجائے اس وقت زوال سے آدھ پون گھنٹہ پہلے تک جو نماز پڑھی جاتی ہے؛ اس کو صلوٰۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کہتے ہیں، ویسے محدثین اور فقہاء کے یہاں اشراق اور چاشت الگ الگ نماز نہیں ہے، لیکن صوفیاء ان دونوں کو الگ الگ نماز بتلاتے ہیں۔سورج کے طلوع ہونے کے بعد وقتِ مکروہ نکلنے پر فوراً جو دو یا چار رکعت ادا کی جاتی ہے؛ وہ اشراق کہلائے گی ،اور ایک چوتھائی دن گزرنے کے بعد جب دھوپ میں تیزی آجاتی ہے اس وقت جو نماز ادا کی جائے؛ اس کو چاشت کہتے ہیں۔یوں سمجھئے کہ طلوعِ آفتاب سے زوال تک

کا جو وقت ہے اس کو آپ دو حصوں میں تقسیم کر دیں، پہلے آدھے حصہ میں جو نماز پڑھی جائے گی؛ وہ اشراق کہلائے گی۔ اور بعد والے نصف حصہ میں جو پڑھی جائے گی وہ چاشت کہلائے گی۔

محبوب کی تین وصیتیں

۱۱۳۹:-عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحَى وَأَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ أَنْ أَرْقُدَ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ مَیں ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھوں اور چاشت کی دو رکعت پڑھوں اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں۔

افادات:- اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں کی تاکیدی نصیحت فرمائی ہے:-

[۱]:- ایک تو یہ کہ ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھے۔ اب تین دن کون سے ہوں؟ شروع میں، بیچ میں، اخیر میں۔ ایّامِ بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ پہلی، دوسری، تیسری تاریخ میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ اور اخیر میں بھی رکھ سکتے ہیں؛ جیسا جیسا موقع۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک عمل پر دس گنا ثواب ملتا ہے، تو تین روزوں پر تیس روزوں کا ثواب ملے گا، اس طرح حکماً پورے مہینے کے روزوں کا ثواب مل جائے گا۔

[۲]:- چاشت کی نماز پڑھے۔ اب چاشت کی نماز کا حکم کیا ہے؟ تو احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں تو مستحب ہے، اور شوافع کے یہاں سنّت ہے، اور اس کی کم

سے کم مقدار دو رکعت ہے۔

۳:- سونے سے پہلے وتر ادا کرلی جائے۔ چوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علمی مشغلہ رہتا تھا جس کی وجہ سے رات کو دیر سے سوتے تھے اور صبح میں تہجد کے وقت اُٹھنے کی توقع نہ ہوتی تھی، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سونے سے پہلے وتر کی تاکید فرمائی، لیکن جیسا کہ اوپر بتلایا تھا اگر آدمی کو رات کو اُٹھنے کی توقع وامید اور یقین ہو تو پھر اُٹھنے کے بعد وتر ادا کرے۔ اسی لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَالْإِيتَارُ قَبْلَ النَّوْمِ إِنَّمَا يُسْتَحَبُّ لِمَنْ لَّا يَثِقُ بِالْإِسْتِيقَاظِ آخِرَ اللَّيْلِ"، جو آدمی آخری رات میں اٹھنے کی امید نہ رکھتا ہو، اس کے لئے سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا مستحب ہے اور اگر اٹھنے کی امید ہو تو آخری رات میں پڑھنا افضل ہے۔

ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ

۱۱۴۰:- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سُلَامَى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى.

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر آدمی کے ہر جوڑ کی سلامتی پر صدقہ ضروری ہے، لہٰذا ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، ہر لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، کسی کو بھلی بات کا حکم کرنا بھی صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، کسی کو بری بات سے روکنا بھی صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، اور چاشت کی دو رکعت ان سب کی طرف سے کافی ہوجائے گی۔

افادات:- بعض روایتوں میں ہے کہ آدمی کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، آدمی جب صبح کرتا ہے تو ہر جوڑ کی سلامتی پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، گویا تین سو ساٹھ صدقے واجب ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ چاشت کی دو رکعتیں ان سب کی طرف سے کافی ہوجائیں گی۔ یعنی اگر آدمی چاشت کی دو رکعت ادا فرمالے تو تین سو ساٹھ جوڑوں کی سلامتی پر جو صدقے واجب ہوئے تھے وہ سب ادا ہوجائیں گے۔ اس سے چاشت کی فضیلت بھی معلوم ہوئی، اور ساتھ ہی ساتھ اس کی کم سے کم مقدار بھی معلوم ہوئی۔

چاشت کی کتنی رکعتیں ہیں؟

۱۱۴۱:- عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي الضُّحَى أَرْبَعاً وَيَزِيْدُ مَا شَاءَ اللهُ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کی چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے، اور کبھی اس میں زیادتی بھی فرمادیتے تھے۔

افادات:- زیادتی کتنی ہو؟ تو فقہاء نے بارہ تک کی اجازت دی ہے کہ چاشت کی زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھی جاسکتی ہے۔

۱۱۴۲:- وَعَنْ أُمِّ هَانِئٍ فَاخِتَةَ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: ذَهَبْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ وَذٰلِكَ ضُحًى.

ترجمہ:- حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں جن کا نام فاختہ تھا فرماتی ہیں کہ: فتحِ مکہ والے سال مَیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت آپ

غسل فرمارہے تھے۔ جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے آٹھ رکعت نماز ادا کی، اور وہ چاشت کا وقت تھا۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ چاشت کی آٹھ رکعت بھی ادا کی جاسکتی ہیں، چار یا آٹھ رکعات چاشت کا درمیانی درجہ ہے۔

بَابُ تَجْوِيْزِ صَلَاةِ الضُّحىٰ مِنْ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ اِلىٰ زَوَالِهَا وَالْأَفْضَلُ أَنْ تُصَلِّىٰ عِنْدَ اِشْتِدَادِ الْحَرِّ وَارْتِفَاعِ الضُّحىٰ

چاشت کے وقت کی تفصیل

اس باب میں چاشت کا وقت بتلاتے ہیں۔ ویسے مختصراً یہی کہا جاتا ہے کہ جب سورج اونچا ہو جائے اور وقتِ مکروہ ختم ہو جائے، وہاں سے چاشت کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال تک رہتا ہے، لیکن اس کی تفصیل کو ذرا ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

دیکھو! پہلے مَیں آپ کو طلوع اور غروب کے وقت کے سلسلہ میں جو فرق ہے وہ بتلاتا ہوں۔ سورج طلوع ہونے کے بعد جب اس کی سرخی ختم ہو کر اس میں اتنی روشنی آجائے کہ آنکھیں اس کے سامنے ٹِکا نہ سکیں؛ تو وقتِ مکروہ ختم ہو گیا، اور اس میں اندازاً پندرہ بیس منٹ لگتے ہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ منٹوں کی تعداد متعین نہیں ہے، اس لیے کہ گرمی کے زمانہ میں سورج کے طلوع ہونے کے بعد چند منٹوں ہی میں دھوپ میں

تیزی آجاتی ہے، اور سردی کے زمانہ میں تیزی آنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ اس لیے جو لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ٹائم ٹیبل میں طلوع کا جو وقت لکھا ہوا ہوتا ہے اس پر دس منٹ بڑھا دیں تو کافی ہے؛ یہ صحیح نہیں ہے۔ حالاں کہ ٹائم ٹیبل بنانے والے ہمارے بھائی الحاج جناب عبدالحفیظ صاحب منیار نے اس کی ہدایات میں لکھا ہے کہ اس ٹائم ٹیبل میں سورج کے طلوع ہونے کا وہ وقت لکھا ہے کہ جب سورج کا پہلا کنارہ نکلتا ہے، اس لئے کہ پہلا کنارہ نظر آتے ہی نماز پڑھنا ممنوع ہو جاتا ہے، اور غروب کے وقت میں لکھا ہے کہ جب سورج کا آخری کنارہ ڈوبتا ہے، اس لیے طلوع کے وقت میں سورج کا پہلا کنارہ نظر آنے کا وقت لکھا ہوا ہے، اور غروب میں سورج کا آخری کنارہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے اور پورا سورج چھپ جائے وہ وقت لکھا ہوا ہے۔ اور سورج کو پورا نکلنے میں تقریباً پونے تین منٹ لگتے ہیں، اب اگر آپ نے ٹائم ٹیبل میں لکھے ہوئے وقت سے دس منٹ کا حساب لگایا، تو پورا سورج نکلنے کے بعد سوا سات منٹ ہی رہ گئے، اور اتنی دیر میں کیا ہوتا ہے وہ دیکھ لیجئے۔ اس لیے یہ طے نہ کر لیا جائے کہ دس ہی منٹ بعد وقتِ مکروہ ختم ہو جاتا ہے، بلکہ جیسا موقع ہو اس کے مطابق معاملہ کیا جائے، اور اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

تو جب سورج طلوع ہونے کے بعد اونچائی پر آجائے وہاں سے چاشت کا وقت شروع ہوتا ہے۔ میں نے پہلے بھی بتلایا تھا کہ حضراتِ محدثین کے یہاں اشراق بھی چاشت ہی کا ایک حصہ ہے، گویا وہ حضرات چاشت اور اشراق میں فرق نہیں کرتے بلکہ اشراق کو بھی چاشت ہی کا نام دیتے ہیں، اسی لیے انہوں نے یوں کہا کہ سورج اونچا ہوتے ہی چاشت کا وقت شروع ہو گیا، اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ جب گرمی میں تیزی آجائے اس وقت چاشت پڑھو یعنی دیر سے پڑھو۔

اصلی صلاۃ الاوّابین

۱۱۴۳: عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ تعالٰی عنہ أَنَّهُ رَأَى قَوْماً يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحَى، فَقَالَ: أَمَا لَقَدْ عَلِمُوْا أَنَّ الصَّلَاةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ أَفْضَلُ، إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: صَلَاةُ الْأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ. (رواہ مسلم.)

((تَرْمَضُ)) بفتح التاء والميم وبالضاد المعجمة، يعني: شدة الحر.

وَ((الفِصَالُ)) جَمْعُ فَصِيلٍ وَهُوَ: الصَّغِيرُ مِنَ الإِبِلِ.

ترجمہ:- حضرت زید بن اُرقم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ دھوپ میں تیزی آنے سے پہلے ہی چاشت کی نماز ادا فرما رہے تھے، ان کو اس طرح نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر فرمایا: ان کو معلوم ہے کہ یہ نماز اس کے علاوہ دوسرے وقت میں (یعنی سورج ذرا اونچا ہو جائے اور دھوپ میں تیزی آ جائے اس وقت) پڑھنا بہتر ہے، اس لئے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: جو لوگ اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ان کی نماز اُس وقت ہوتی ہے جب کہ اونٹ کے بچّوں کے پاؤں جلنے لگیں۔

افادات:- ''فِصَال''، ''فَصِيْلٌ'' کی جمع ہے یعنی اونٹ کا چھوٹا بچّہ۔ دھوپ میں جب تیزی آئے گی تو گرمی ہوگی، اور گرمی میں آپ کھلے پیر چلیں گے تو پاؤں جلیں گے، اور اونٹ کے پاؤں نہیں جلتے، لیکن بچّہ چوں کہ نازک ہوتا ہے اس لیے اس کے پاؤں جلتے ہیں، اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب دھوپ میں تیزی آ جاتی ہے اور جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ تقریباً ساڑھے دس گیارہ کا وقت ہوتا ہے؛ یہی چاشت کا وقت ہے۔

دیکھو! حدیث میں لفظِ اوّابین چاشت کی نماز کے لیے بولا گیا ہے، اور

مغرب کی نماز کے بعد جونفل نماز پڑھی جاتی ہے جس کو ہم اوّابین کی نماز کہتے ہیں، وہ اطلاق حدیث میں نہیں آیا ہے۔ عربی زبان میں ''اَوّاب'' اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف خوب رجوع ہونے والا، اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا ہو۔ جو بندے اللہ تعالیٰ کی طرف کثرت سے رجوع ہوتے ہیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں وہ چاشت کی نماز کا بھی، اور مغرب کے بعد پڑھی جانے والی نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں، اس لیے لغوی اور ڈکشنری معنیٰ کے اعتبار سے دونوں نمازوں کو ''اوّابین'' کہا جا سکتا ہے۔

بَابُ الْحَثِّ عَلَى صَلَاةِ تَحِيَّةِ الْمَسْجِدِ بِرَكْعَتَيْنِ وَكَرَاهَةِ الْجُلُوْسِ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ أَيِّ وَقْتٍ دَخَلَ وَسَوَاء صَلَّى رَكْعَتَيْنِ بِنِيَّةِ التَّحِيَّةِ أَوْ صَلَاةً فَرِيْضَةً أَوْسُنَّةً رَاتِبَةً أَوْ غَيْرَهَا

تحیۃ المسجد کی ترغیب اور وہ دو رکعت ہے،

جس وقت بھی مسجد میں داخل ہو، اس کے پڑھنے سے پہلے بیٹھنا ناپسندیدہ ہے، چاہے تحیہ کی نیت سے دو رکعت پڑھے، یا کوئی فرض نماز ادا کرلے، یا سنّتِ مؤکدہ ادا کرلے، یا اور کوئی نماز ادا کرلے

مسجد کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے فوراً دو رکعت پڑھ لے۔ شوافع کے یہاں تو اگر بیٹھ گیا تو تحیۃ المسجد کا وقت ختم ہو گیا، لیکن احناف کے یہاں بھی افضل تو یہی ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھے لیکن بیٹھنے کے بعد بھی دوبارہ اٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ اور یہ تحیۃ المسجد دراصل تحیۃ ربِّ المسجد ہے، یعنی مسجد کا جو مالک ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کے حضور میں ہم سلام کر رہے ہیں۔ جیسے اگر ہم کسی کے مکان میں جائیں اور صاحبِ مکان سامنے موجود ہو پھر بھی اس کو ہم سلام نہ کریں اور ویسے ہی بیٹھ جائیں؛ تو یہ اچھی بات سمجھی جاتی ہے؟ نہیں؛ بلکہ یہ ایک طرح کی گستاخی بے مروتی اور بے ادبی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح یہ دو رکعت دراصل تحیۃ ربِّ المسجد ہے کہ مالکِ مسجد (یعنی اللہ تعالیٰ) کے حضور میں ہم سلام کر رہے ہیں؛ یہ بھی آدابِ مسجد میں سے ہے۔

لاج رہ جائے

ویسے بھی مسجد ایک ایسی جگہ ہے جو نماز کی ادائیگی ہی کے لئے بنائی گئی ہے، اب کوئی آدمی ایسی جگہ میں جائے اور نماز پڑھے بغیر ہی واپس چلا آئے؛ یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا، جیسے مثال کے طور پر میں کہا کرتا ہوں کہ کوئی آدمی ہوٹل میں جائے اور ٹیبل پر پانچ دس منٹ بیٹھ کر واپس چلا آئے؛ تو لوگ کیا کہیں گے؟ ہوٹل تو اس لئے بنائی گئی ہے کوئی اس میں آئے تو کچھ ناشتہ کر لے، کچھ کھا لے اور کھانا نہیں کھاتا تو کم سے کم ایک پیالی چائے ہی پی لے، تاکہ ہوٹل میں آنے کی لاج رہ جائے۔ اگر ویسے ہی بیٹھ کر واپس آ جاؤ گے؛ تو یہ بڑا برا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اور نماز ادا کرنے ہی کے لئے بنایا گیا ہے، اب اگر ایک آدمی مسجد میں آئے، کچھ دیر تک رکے،

اور دو رکعت بھی نہ پڑھے، اور ویسے ہی واپس چلا جائے؛ تو یہ بھی برا سمجھا جائے گا۔ ہاں! اتنی بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ نماز چوں کہ نفل ہے، اس لیے احناف کے یہاں ضروری ہے کہ مکروہ وقت نہ ہو، اگر مکروہ وقت ہوگا تو نہیں پڑھ سکتے، لیکن شوافع کے یہاں فجر اور عصر کے بعد بھی اگر مسجد میں داخل ہوگیا تو پڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں اس وقت نفل پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اسی لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی قید بھی نہیں لگائی۔

اب اگر کوئی آدمی مسجد میں آنے کے بعد سیدھا فرض نماز ادا کرنے لگا، جیسے ظہر کے لیے آیا اور دیکھا کہ جماعت ہو رہی ہے اور اس میں شریک ہوگیا۔ یا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کے بجائے سیدھی چار رکعت سنّتِ مؤکدہ کی نیت باندھ لی؛ تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اس صورت میں تحیّہ والا مقصد حاصل ہوگیا، جیسے: کوئی آدمی ہوٹل میں گیا اور سیدھے کھانے کا آرڈر دیدیا، پہلے چائے یا اسٹارٹر وغیرہ کوئی چیز نہیں لی؛ تب بھی مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔

اس چیز کی طرف توجہ دی جائے

۱۱۴۶:- عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ:- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو جب تک کہ دو رکعت نہ پڑھ لے تب تک نہ بیٹھے۔

۱۱۴۷:- عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا: دو رکعت پڑھ لو۔

افادات:- آج کل اس کا رواج بہت کم ہو رہا ہے، مثلاً: شادی کی مجلس ہوتی ہے تو لوگ مسجد میں آکر بس بیٹھ جاتے ہیں، اور آدھ گھنٹہ، گھنٹہ بیٹھتے ہیں، اور مسجد میں آکر اپنا کام نمٹا کر چلے جاتے ہیں لیکن دو رکعت نہیں پڑھتے، حالاں کہ چاہیے تو یہ تھا کہ آتے ہی پہلے دو رکعت پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا۔ اس لیے اس کی طرف خاص توجہ دی جائے۔

بَابُ اِسْتِحْبَابِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْوُضُوءِ

وضو کے بعد دو رکعت مستحب ہے

اس باب میں وضو کے بعد دو رکعت کے استحباب کو بتلانا چاہتے ہیں جس کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں۔ کوئی آدمی اگر وضو کرے تو چوں کہ وضو نماز کی ادائیگی کا ذریعہ ہے، ویسے تو اُس وضو سے جب چاہے نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن وضو نماز ہی کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے وضو کرتے ہی اوّلین فرصت میں نماز ادا کرلی جائے، تو یہ اس سے فوری طور پر فائدہ اٹھانا ہوگا۔ اس کی بھی فضیلت ہے اسی کو بیان کرنے کے لئے روایت لائے ہیں۔

ایک قابلِ اُمید عمل

۱۱۴۸:- عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لِبِلَالٍ: يَابِلَالُ! حَدِّثْنِيْ بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ. فَإِنِّيْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلاً أَرْجَى عِنْدِيْ مِنْ أَنِّيْ لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِيْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِيْ أَنْ أُصَلِّيَ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا: اے بلال! تم نے اسلام میں کوئی ایسا عمل کیا ہو تو بتلاؤ جو تمہاری نگاہوں میں سب سے زیادہ قابلِ امید ہو، اس لئے کہ میں نے جنّت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی ہے (اس کے جواب میں) حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: میری نگاہوں

میں سب سے زیادہ پُر امید عمل (جو میں نے کیا وہ) یہ ہے کہ رات دن میں کسی وقت بھی جب مَیں وضو کرتا ہوں، تو اس وضو سے اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوا تنی نماز ادا کر لیتا ہوں۔

افادات:- کسی کو یہ اشکال نہ ہو کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے کیسے ہو گئے؟ جواب یہ ہے کہ خادم بھی مخدوم سے آگے چلا کرتا ہے، اور یہاں ان کا آگے چلنا گویا خدمت ہی کے طور پر ہے۔ اور یہ بھی خادم کے لئے شرف کی ایک چیز ہے۔

اس سے تحیۃ الوضو کی فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت میں اتنا اونچا مقام عطا کیا گیا۔

بَابُ فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَوُجُوْبِهَا وَالْاِغْتِسَالِ لَهَا وَالطِّيْبِ وَالتَّبْكِيْرِ اِلَيْهَا، والدُّعَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيْهِ. وَبَيَانُ سَاعَةِ الْاِجَابَةِ، وَاِسْتِحْبَابِ اِكْثَارِ ذِكْرِ اللّٰهِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

یوم جمعہ کی فضیلت، جمعہ کی نماز کا فرض اور ضروری ہونا، جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے غسل کرنا، خوشبو کا استعمال کرنا، جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد جلدی پہنچنا، جمعہ کے دن دعاؤں کا اہتمام کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کا اہتمام، ساعتِ اجابت کا بیان، جمعہ کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا

جمعہ کے دن کے یہ سارے آداب واعمال ہیں جن کو علامہ نوویؒ نے اس عنوان میں ذکر کیا ہے اور اُسی کے مناسب روایتیں پیش کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امّتِ محمدیہ کو جن مخصوص نعمتوں اور فضائل سے مالا مال کیا ہے ان میں سے ایک جمعہ کا دن بھی ہے۔ ہفتہ میں یہ ایک دن ہے جو تمام دنوں کا سردار ہے اور بڑی فضیلت والا دن ہے۔ دن کے انتخاب کے متعلق اگلی امتوں کو اختیار دیا گیا تھا، چناں چہ یہود نے بجائے جمعہ کے ایک دن لیٹ (Late) یعنی سنیچر کو پسند کیا، گو یا ان سے چوک ہوگئی۔ اور نصاریٰ نے ایک دن اور لیٹ (Late) کیا یعنی اتوار کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے امّتِ محمدیہ کو اصل فضیلت والا دن یعنی جمعہ عطا فرمایا۔ اسی لئے روایتوں میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود تم پر اس وجہ سے حسد کرتے ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمعہ کا دن دیا گیا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے یہاں جو پہلے سے منتخب اور پسندیدہ دن تھا؛ وہی امّتِ محمدیہ کو ملا۔

قرآنِ پاک کی آیت پیش کی: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ جب جمعہ کی نماز مکمل ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو، یعنی روزی کے لئے کوشش کرو، اور اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو؛ تاکہ تم کامیابی سے ہم کنار ہو جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے بعد کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے۔

سب سے بہترین دن

۱۱۴۹: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ، وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن دنوں میں سورج طلوع ہوتا ہے، ان میں سب سے بہترین دن جمعہ کا ہے۔ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تھے، اسی دن اللہ تعالیٰ نے ان کو جنّت میں داخل کیا، اور اسی دن جنّت سے نکالے بھی گئے۔

افادات:- ہفتہ کے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا ہے، اور سال کے دنوں میں افضل دن عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا ہے۔ اور اگر عرفہ کا دن جمعہ کو پڑ جائے؛ تو پھر نورٌ علیٰ نورٍ؛ دونوں فضیلتیں جمع ہو جائیں گی۔

ساری مخلوقات زمین وآسمان وغیرہ اور دنوں میں پیدا ہوئیں لیکن ساری کائنات کا خلاصہ اور پیدائش کا مقصود یعنی حضرت انسان کے جدِّ امجد حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن پیدا کیا۔ اور جمعہ ہی کے دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنّت میں داخل کیا اور جمعہ ہی کے دن جنّت سے نکالے بھی گئے۔

اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جمعہ کے دن پیدا کیا جانا، اور جمعہ کے دن جنّت میں داخل ہونا؛ تو ایک فضیلت کی بات تھی، لیکن جنت سے نکالے جانے میں کونسی فضیلت تھی جس کو یہاں ذکر کیا ہے؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ جنّت سے نکال کر دنیا میں لائے گئے تب ہی تو انبیاء اور اولیاء وجود میں آئے، ان کا جنّت سے نکال کر دنیا میں بھیجا جانا اللہ کے مقبول بندوں، انبیاء واولیاء وغیرہ کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنا؛ اس معنیٰ کر یہ خیر ہی کی چیز تھی۔

جمعہ کے اہتمام پر دس دنوں کے گناہ معاف

۱۱۵۰:- وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ

ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ . وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَغَا.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی وضو کے تمام آداب اور سنتوں کی رعایت کرتے ہوئے وضو کیا) پھر جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آیا اور خطبہ کی طرف کان لگائے اور خاموش رہا (خطبہ کے دوران بات چیت یا لغویات میں مشغول نہیں رہا) تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن (یعنی کل دس دن کے) اس کے گناہ معاف کر دئے جائیں گے اور جس نے کنکریوں کو چھوا؛ اس نے لغو کام کیا۔

افادات:- خطبہ کے دوران کسی قسم کے کھیل میں مشغول نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس زمانہ میں مسجد میں پختہ فرش اور قالین وغیرہ بچھے ہوئے نہیں ہوتے تھے، بلکہ عام طور پر ریت اور کنکریاں ہوتی تھیں، جو لوگ غفلت والے ہوتے تھے وہ کنکریوں میں مشغول رہتے تھے، جیسے: آج کل لوگ کپڑے اور انگلی، گھڑی، موبائل وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور ان سے کھیلتے رہتے ہیں۔ ان ساری چیزوں سے توجہ ہٹا کر پورے طور پر خطبہ سننے کی طرف توجہ دیں گے تب تو یہ فضیلت حاصل ہوگی، اور اگر اِدھر اُدھر مشغول رہا تو پھر یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

۱۱۵۱:- وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ؛ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں اور جمعہ سے لے کر جمعہ کی نماز، اور رمضان سے لے کر دوسرے رمضان؛ یہ سب درمیان کے گناہوں کے لئے کفّارہ ہیں جب تک کہ آدمی کبائر سے بچے۔

افادات:- یہ روایت پہلے بھی آ گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سارے اعمال وہ ہیں جن کی وجہ سے آدمی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور پہلے بھی بتلایا تھا کہ وضو کی وجہ سے، نمازوں کی وجہ سے، اور روزوں کی وجہ سے جو گناہ معاف ہوتے ہیں؛ وہ صغائر یعنی چھوٹے گناہ ہوتے ہیں، بڑے گناہ تو جب تک آدمی توبہ نہ کرے تب تک معاف نہیں ہوتے۔

جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ

۱۱۵۲:- وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے: لوگ جمعہ کی نمازوں کو چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادیں گے، پھر وہ ہمیشہ کے لئے غافل بن جائیں گے۔

افادات:- معلوم ہوا کہ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ جمعہ کی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ اور جمعہ کی نماز چھوڑنے پر اتنی سخت وعید ہے کہ آدمی کے لئے دل پر مہر لگنے کا سبب بنتا ہے، اس کے بعد آدمی سے نیکی کی توفیق چھن جاتی ہے۔

جمعہ کے غسل کا حکم

۱۱۵۳:- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ

الْجُمُعَةَ، فَلْيَغْتَسِلْ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے آئے؛ تو غسل کر لے۔

افادات:- جمعہ کا غسل ایک زمانہ میں ضروری اور واجب تھا جس زمانہ میں مسلمان خود ہی محنت مزدوری کا کام کرتے تھے، اور کپڑوں کی کمیابی کی وجہ سے کپڑے بدلنے کی نوبت بھی نہیں آتی تھی، پھر وہ ملک بھی گرم تھا اور مسجد کی چھت ایک دم سروں کے قریب تھی، اس کی وجہ سے اگر غسل نہ ہوتا اور کپڑے نہ بدلے گئے ہوتے تو بھیڑ کی وجہ سے ایک دوسرے کے پسینے کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی؛ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کو ضروری قرار دیا تھا۔ لیکن پھر بعد میں مالی وسعت ہوگئی اور کپڑوں کی بھی بہتات ہوگئی، دیگر سہولتیں ہوگئیں، تو پھر اس کی فرضیت باقی نہیں رہی، لیکن اس روایت اور آگے والی روایت کی وجہ سے ظاہر یہ آج بھی جمعہ کے غسل کے وجوب کے قائل ہیں۔

۱۱۵۴:- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

المرادُ بِالْمُحْتَلِمِ: البَالِغُ. وَالْمُرادُ بِالْوَاجِبِ وُجُوبُ اخْتِيارٍ، كَقولِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ: حَقُّكَ وَاجِبٌ عَلَيَّ.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل واجب ہے۔

۱۱۵۵:- وَعَنْ سَمُرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ

الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَ نِعِمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ.

ترجمہ:- حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی نے جمعہ کے دن وضو کیا تو بہت اچھا کیا، اور اگر غسل کیا تو اور زیادہ اچھا کیا، اور یہی افضل ہے۔

افادات:- اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اس روایت سے تاکید مقصود ہے، اگر کوئی آدمی غسل نہیں کرے گا تو وہ گنہگار نہیں ہوگا جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ ویسے جمعہ کا غسل سنّت ہے، اسی لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں وجوب سے مراد وجوبِ اختیاری ہے، یعنی ایسا واجب نہیں ہے کہ جس کے چھوڑنے پر گناہ ہو، بلکہ جمعہ کا غسل سنت اور آداب میں سے ہے۔

جمعہ کے غسل کا وقت

اب غسل کب کرنا چاہیے؟ ویسے صبحِ صادق کے بعد کبھی بھی کر سکتے ہیں، اگر اس سے پہلے کوئی آدمی غسل کرلے گا تو سنّت ادا نہیں ہوگی۔ اور جس غسل میں وضو کیا گیا ہے، اسی وضو سے جمعہ کی نماز ادا کرے تو زیادہ مناسب ہے۔ اگر کسی کو اطمینان ہو کہ صبح جلدی غسل کرلوں گا، اور اس میں کیا ہوا وضو جمعہ کی نماز تک باقی رہے گا؛ تو بہت اچھا ہے، اس کے باوجود اگر درمیان میں وضو ٹوٹ گیا تو پھر سے وضو کرلے، اور جمعہ کی سنّت کی طرف سے وہی غسل کافی ہے۔ اور اگر اسی وضو سے جمعہ کی نماز ادا کرنے کی غرض سے تاخیر کی اور ۹ یا ۱۰ بجے غسل کیا؛ تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں، بلکہ یہی زیادہ مناسب ہے۔

دوسری روایت کو لاکر یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ جمعہ کا غسل جو اوپر کی روایت

میں واجب بتلایا ہے وہ واجب نہیں رہا، بلکہ صرف وضو پر بھی اکتفا کرلے تو درست ہے

جمعہ کی سنتیں اور آداب

۱۱۵۶:- وَعَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :لاَ یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَیَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَیَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، أَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیبِ بَیْتِهِ، ثُمَّ یَخْرُجُ فَلاَ یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ، ثُمَّ یُصَلِّی مَا کُتِبَ لَهُ، ثُمَّ یُنْصِتُ إِذَا تَکَلَّمَ الإِمَامُ، إِلاَّ غُفِرَ لَهُ مَا بَیْنَهُ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الأُخْرَی. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور اپنی طاقت کے مطابق پاکی حاصل کرتا ہے، بالوں میں تیل لگاتا ہے، گھر میں خوشبو ہو تو استعمال کرتا ہے (اور صاف ستھرے کپڑے پہنتا ہے پھر مسجد میں جاتا ہے) اور دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہیں کرتا (یعنی کسی کو پھلانگ کر آگے نہیں جاتا) پھر اللہ تعالیٰ نے جو مقدر فرمایا اتنی نماز پڑھتا ہے، اور جب امام خطبہ دیتا ہے تو خاموش بیٹھتا ہے؛ تو اس کے اِس جمعہ سے لے کر دوسری جمعہ تک کے تمام گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔

افادات:- جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر آگے جانے پر بڑی سخت وعید آئی ہے، کوئی آدمی اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس کو پُل بنایا جائے گا، لیکن اگر اگلی صفوں میں جگہیں خالی ہیں اور پیچھے کی صفوں میں بیٹھنے والوں نے وہ جگہیں پُر نہیں کی ہیں، تو پھر اس صورت میں فقہاء نے لکھا ہے کہ آگے کی صف کو پُر کرنے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی علاج ہی نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی آدمی لوگوں کو پھلانگ کر آگے جائے تو اس کی اجازت ہے، اس لیے کہ انہوں نے خود ہی پیچھے بیٹھ کر اپنی حرمت کو ختم کیا ہے۔

دیکھو! اس روایت میں جمعہ کی سنتوں اور آداب میں سے کئی چیزیں بتلائی گئی ہیں۔ ایک تو جمعہ کا غسل کرلے، اگر ناخن بڑھ گئے ہوں تو ان کو کاٹ لے، اگر بال بڑھ گئے ہوں تو ان کو ٹھیک کروالے، بغل کے بال بڑھ گئے ہوں تو ان کو صاف کرلے، زیرِ ناف کے بال صاف کرلے، پھر غسل کرے، اس کے پاس جو خوشبو ہو وہ خوشبو لگائے، پھر صاف شفّاف دُھلے ہوئے کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہنے، ان میں بھی اگر سفید ہوں تو زیادہ پسندیدہ ہیں، اگر عمامہ استعمال کرے تو اس کو بھی پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، پھر مسجد کے لئے روانہ ہوجائے۔

جمعہ کی تیاری اور اہتمام جمعرات سے کرنی چاہیے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرنِ اوّل میں لوگ جمعہ کی تیاری جمعرات سے شروع کردیتے تھے، اس لیے آدمی استغفار کا اہتمام کرے، اللہ کا ذکر بڑھادے، دعائیں کرے کہ کل جمعہ کا دن آرہا ہے اس کو کما حقہٗ وصول کرپاؤں۔ اور کل جو کپڑے پہننے ہیں ان کو تیار کرکے ابھی سے رکھ دے تاکہ کل کپڑوں کی تیاری میں وقت ضائع نہ ہو۔ آج کل ہمارا حال تو یہ ہوگیا ہے کہ عین وقت پر استری لے کر کپڑوں کو استری کرنے کے لئے بیٹھیں گے، یہ تو وقت ضائع کرنا ہی ہوا، حالاں کہ پہلے سے تیاری کرنی چاہئے تاکہ جمعہ کے دن کی گھڑیاں ضائع نہ ہونے پائیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اکابر فرماتے تھے کہ جو آدمی جمعہ کی اگلے روز سے تیاری کرے یہ اس کی سعادت کی بات ہے۔ اور بڑا بدنصیب ہے وہ آدمی جو جمعہ کی صبح کو یہ پوچھے کہ آج کون سا دن ہے۔ مطلب یہ کہ اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ آج کون سا دن ہے، اس لیے پہلے سے آدمی کو اس کی تیاری کرنی چاہئے۔

ایسے بھی تھے

اُس زمانہ میں بجلی تو تھی نہیں، اس لیے یہ بھی لکھا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ سحری کے وقت سے چراغ لے کر جمعہ کی نماز کے لئے نکل جاتے تھے، اور بہت سے لوگ صبحِ صادق ہوتے ہی جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد چلے جاتے اور جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹتے تھے۔ اور بعض لوگ تو فارغ ہونے کے بعد بھی وہیں ذکر میں مشغول رہتے تھے اور دیر سے واپس گھر لوٹتے تھے۔ بہرحال! اُس زمانہ میں جمعہ کی ادائیگی کے لئے فجر کے وقت سے نکلنے کا عام رواج تھا۔

جمعہ کے لیے مسجد پہنچنے کے پانچ درجے

۱۱۵۷:-وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْأُولٰى، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشاً أَقْرَنَ. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً. فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ، حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

قَوْله: ((غُسْلُ الْجَنَابَةِ)) أَيْ غُسْلاً كَغُسْلِ الْجَنَابَةِ فِي الصِّفَةِ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن جنابت کی طرح غسل کیا (یعنی واجبات، سنتیں اور مستحبات کی پوری رعایت کے ساتھ مکمل طریقہ سے غسل کیا) پھر پہلی گھڑی میں مسجد پہنچ گیا تو گویا اس نے

اونٹ کی قربانی کی۔اور جو دوسری گھڑی میں پہنچا، گویا اس نے گائے کی قربانی کی۔اور جو تیسری گھڑی میں پہنچا، گویا اس نے سینگ دار مینڈھے کی قربان کی۔اور جو چوتھی گھڑی میں پہنچا، گویا اس نے مرغی کی قربانی کی۔اور جو پانچویں گھڑی میں پہنچا، گویا اس نے اللہ کے راستہ میں انڈا پیش کیا۔ پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آتا ہے تو فرشتے مسجد میں حاضر ہو جاتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

افادات:- بعضوں نے کہا کہ دوسری حدیث میں "مَنِ اغْتَسَلَ وَغَسَّلَ"(۱) کے الفاظ آتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ بہتر قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اگر اپنی بیوی سے شبِ جمعہ میں صحبت کرلے اور پھر غسل کرے تو بہت اچھا ہے، تا کہ نگاہ کی پاکیزگی اور طبیعت کی یکسوئی بھی حاصل ہو جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پہلی گھڑی سے مرادصبحِ صادق کے بعد کا ابتدائی وقت ہے، یعنی صبحِ صادق ہوتے ہی غسل کر کے تیّار ہو کر جمعہ کی نماز پڑھنے کے ارادہ سے مسجد پہنچ جائے، تو اس کو اونٹ کی قربانی کرنے کا جو ثواب ملتا ہے اُتنا ثواب ملے گا۔ اور دوسری گھڑی سے مراد سورج طلوع ہونے کے بعد وقتِ مکروہ ختم ہونے سے پہلے کا وقت ہے۔اور تیسری گھڑی سے مراد اشراق کا وقت ہے۔اور چوتھی اور پانچویں گھڑی سے مراد چاشت کا وقت (یعنی دس، گیارہ بجے سے زوال سے پہلے پہلے تک کا وقت) ہے، اور جہاں زوال ہو گیا تو اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَغَسَّلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا أَجْرُ سَنَةٍ صِيَامُهَا وَقِيَامُهَا.

قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ وَكِيعٌ: اغْتَسَلَ هُوَ وَغَسَّلَ امْرَأَتَهُ. قَالَ وَيُرْوَى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ، يَعْنِي غَسَلَ رَأْسَهُ وَاغْتَسَلَ. (سنن ترمذی، باب ما جاء فی فضل الغسل یوم الجمعة)

قابلِ اصلاح طرزِ عمل

آج کل عام طور پر ہم لوگوں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ ہم زوال کے بعد ہی مسجد میں آتے ہیں، حالاں کہ اس وقت تو یہ ساری فضیلتیں ختم ہو جاتی ہیں، اس لیے اُس سے پہلے آنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اخیری درجہ میں زوال سے کم از کم ایک دو گھنٹہ پہلے تو مسجد میں آ ہی جائے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ فرشتے رجسٹر لے کر مسجد کے دروازے پر بیٹھتے ہیں اور آنے والوں کا نام درج کرتے ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ چاندی کے اوراق اور سونے کے قلم ہوتے ہیں، اُس سے وہ لکھتے ہیں۔ اور جو آدمی ہمیشہ کا جلدی آنے کا عادی ہوتا ہے پھر کسی دن وہ نہیں آپاتا، تو فرشتے آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ فلاں آدمی اب تک نہیں آیا؛ کیا بات ہے، وہ تو ہمیشہ جلدی آتا ہے۔ پھر فرشتے دعا کرتے ہیں کہ: اے اللہ! اگر اس کو کوئی بیماری ہوگئی ہو؛ تو اچھا کر دے۔ کچھ تکلیف ہو؛ تو دور کر دے۔ کسی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہو؛ تو اس کی پریشانی کو دور کر دے۔ اگر کسی غفلت میں پڑ گیا ہو؛ تو اس کی غفلت کو ختم کر دے تا کہ وہ جلدی سے آجائے۔ جیسے جو آدمی دوستوں کی محفل میں ہمیشہ پہنچنے کا عادی ہو اور کسی دن نہ آئے تو سب کیسی فکر کرتے ہیں، فرشتوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ جو آدمی مسجد میں آنے کا عادی ہو اور کسی دن اپنے وقت پر نہیں پہنچ سکا تو فرشتے آپس میں مذاکرہ کرتے ہیں اور اس کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اس کی جو رکاوٹ ہو وہ اللہ تعالیٰ دور کر دے تا کہ وہ جلدی سے مسجد میں آجائے، لیکن جب زوال ہو جاتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر بند کر کے مسجد میں آجاتے ہیں، اس کے بعد جو آتا ہے وہ نماز کے حق کی وجہ سے آتا ہے،

اس کو جمعہ کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔

جمعہ کے دن ایک گھڑی

۱۱۵۸:-وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: فِيْهَا سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئاً، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ. وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن کا تذکرہ کیا اور فرمایا: اس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ کوئی مسلمان جب اس کو پالیتا ہے اس حال میں کہ وہ نماز میں ہو، یا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہو، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز بھی مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا کر دیتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ: وہ وقت بہت کم ہوتا ہے۔

افادات:- مطلب یہ کہ چند سیکنڈوں یا کچھ منٹوں کا وقت ہوتا ہے، اس گھڑی میں جو مانگتا ہے وہ قبول ہوتا ہے۔ وہ گھڑی کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وہ گھڑی جمعہ کے دن میں رکھی ہے، اور اس سلسلہ میں بہت ساری باتیں کہی گئی۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو آدمی زوال سے لے کر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک، اور عصر سے لے کر مغرب تک مشغول رہے گا، یقیناً اس کو وہ گھڑی مل جائے گی اور یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی، اس لئے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو دیکھا کہ حضرت اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے کہ زوال سے پہلے مسجد پہنچ جاتے تھے اور پھر کسی سے بھی بات چیت نہیں فرماتے تھے۔ اسی طرح عصر کے بعد بھی کسی سے بات نہیں کرتے تھے

اورمغرب تک مراقبہ ودعا وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔اس لیے آدمی اگران دواوقات کااہتمام کرلےتوامید ہے کہ ان شاءاللہ اس کووہ گھڑی حاصل ہوجائے گی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا تو پہلے سے اپنی خادمہ کوبھیج دیتی تھیں کہ جاؤاورسورج کودیکھتی رہو، جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا یعنی دس، پندرہ منٹ باقی رہ جاتے تووہ آکر اطلاع کرتی تھی،اورحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دعامیں مشغول ہوجاتی تھیں اورفرماتی تھی کہ یہی وہ گھڑی ہے کہ جس میں دعاقبول ہوتی ہے۔

۱۱۵۹:-وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما :أَسَمِعْتَ أَبَاكَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِيْ شَأْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ قُلْتُ: نَعَمْ !سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ: هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَّجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ.

ترجمہ:-حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں ان کے صاحبزادے حضرت ابوبردہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا:تم نے اپنے ابّا کو جمعہ کی گھڑی کے سلسلہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی روایت بیان فرماتے ہوئے سنا؟انھوں نے کہا: جی ہاں!میں نے ان کوسنا ہے،وہ فرماتے تھے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوارشادفرماتے ہوئے سنا کہ:وہ گھڑی امام کے خطبہ کے لئے بیٹھنے سے لےکرنمازختم ہونے تک ہے۔(جب امام خطبہ کے لئے بیٹھ جائےتوزبان سے دعانہیں کرسکتے لیکن دل سے آدمی دعاکرسکتا ہے۔)

جمعہ کے دن کثرت سے درودبھیجا کرو

۱۱٦٠:-وَعَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : إِنَّ مِنْ

أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ.

ترجمہ:- حضرت اُوس بن اُوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اُس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

افادات:- جمعہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے۔ ویسے جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد ایک مخصوص درود کی فضیلت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اسّی مرتبہ اگر یہ درود شریف پڑھا جائے: ''أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً'' تو اس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اسّی سال کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن اور بھی درودوں کی فضیلت آئی ہے، اس لیے ان درودوں کے پڑھنے کا جمعہ کی رات میں جمعہ کے دن میں اہتمام کیا جائے۔ اکابر کے یہاں اس کا اہتمام ہوتا تھا کہ شبِ جمعہ میں وہ خصوصیت کے ساتھ درود پڑھا کرتے تھے۔ ویسے کوئی آدمی وظیفے یا معمول کے طور پر شبِ جمعہ میں کچھ مقدار مقرر کر لے تو زیادہ پسندیدہ ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ میرے اوپر پیش ہوتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔ بہرحال! آدمی کو اس کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہیے۔

سورۂ کہف کا بھی اہتمام ہو

جمعہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں

سورۂ کہف پڑھی جائے، شبِ جمعہ میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن عصر سے پہلے پہلے پڑھ لے، اس لیے کہ عصر پر فرشتوں کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے، اور اگلے دن والے فرشتے آجاتے ہیں، اس لئے اس سے پہلے سورۂ کہف آدمی پڑھ لے گا تو وہ اس کے لئے نور بنتی ہے۔

بَابُ اِسْتِحْبَابِ سُجُوْدِ الشُّکْرِ عِنْدَ حُصُوْلِ نِعْمَةٍ ظَاهِرَةٍ أَوْاِنْدِفَاعِ بَلِيَّةٍ ظَاهِرَةٍ

اگر کوئی نعمت حاصل ہوئی یا کوئی مصیبت ٹل گئی، اس موقع پر سجدۂ شکر پسندیدہ اور مستحب ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں جو ہر آن اور ہر گھڑی ہمارے اوپر بارش کی طرح برستی رہتی ہیں، ان کے شکرانہ کے طور پر ہی تمام عبادات مقرر کی گئی ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض موقعوں پر کوئی مخصوص نعمت اللہ تعالیٰ کی حاصل ہوتی ہے جس کو بندہ بھی محسوس کرتا ہے کہ خصوصی چیز مجھے حاصل ہوئی ہے، یا کوئی بڑی مصیبت جس کا اندیشہ تھا وہ ٹل جاتی ہے؛ تو ایسے موقعوں پر شکرانہ کے نام سے کم از کم دو رکعت نماز ادا کر لینا، یا اگر اس کا موقع نہیں ہے تو شکر کی ادائیگی کی نیت سے صرف ایک سجدہ ہی کر لینا سجدۂ شکر کہلاتا ہے جو مستحب و پسندیدہ ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکرانہ کے طور پر ایک اچھی چیز ہے، آدمی کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف مواقع پر سجدۂ شکر ثابت ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے ختم ہونے پر پوچھا تھا کہ ابوجہل کا کیا ہوا؟ کوئی اس کی خبر لے کر آؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَیں نے کہا کہ میں معلوم کر کے آتا ہوں۔ وہ میدانِ جنگ میں گئے جہاں زخمی

پڑے ہوئے تھے، دیکھا کہ ابوجہل بالکل آخری حالت میں پڑا ہوا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے سینے پر چڑھ گئے اور کہنے لگے: تو ہی تو ابوجہل ہے؟ اس نے اس حالت میں بھی کہا: ''لَقَدِ ارتَقَیتَ یَا رُوَیعَ الغَنَمِ مُرتَقیً صَعباً'' اے بکریوں کے چرواہے! تو بڑے اونچے مشکل مقام پر چڑھ گیا ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھے رسوا کیا۔ اس نے کہا: کیوں؛ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کیا، تو قتل ہوا اور اب مر رہا ہے۔ اس نے کہا: تم نے ایک آدمی ہی کو تو قتل کیا ہے، اس میں کونسا تیر مارا؟ خیر! اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ تو ابوجہل نے کہا: میری طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو بتلانا کہ میرے دل میں تمہارا البغض اور کینہ پہلے جتنا تھا اس وقت اس سے بھی زیادہ ہے۔ پھر ابوجہل نے پوچھا: تیرا ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں تو تیرا سر قلم کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: میری تلوار سے کاٹنا، وہ بڑی تیز ہے، اور ذرا نیچے سے کاٹنا تاکہ دوسرے سروں میں میرا سر اونچا نظر آئے۔ بہر حال! اس کا سر کاٹ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اس کا سر لاکر ڈالا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ یہ اسی کا سر ہے؟ کہا: جی ہاں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فوراً سجدہ میں گر گئے۔

بہر حال! مختلف مواقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سجدۂ شکر کرنا یا شکرانہ کی دو رکعت ادا کرنا ثابت ہے، بلکہ ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ اِس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو رکعات ادا فرمائی۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کے ساتھ

ہوئی گفتگو بھی سنائی تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ میری امت کا فرعون ہے جو حضرت موسیٰ کے فرعون سے بھی بڑھ کر ہے کہ وہ تو مرتے مرتے کلمہ پڑھنے پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن یہ تو مرتے مرتے بھی ایسی ہی باتیں کر گیا۔

اسی سلسلہ میں روایت پیش کرتے ہیں:

۱۱۶۱:- عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسولِ الله ﷺ مِنْ مَكَّةَ نُرِيدُ الْمَدِينَةَ، فَلَمَّا كُنَّا قَرِيباً مِنْ عَزْوَرَاءَ، نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا الله سَاعَةً، ثُمَّ خَرَّ سَاجِداً، فَمَكَثَ طَوِيلاً، ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً، ثُمَّ خَرَّ سَاجِداً - فَعَلَهُ ثَلاثاً - وقال: ((إِنِّي سَأَلتُ رَبِّي، وَشَفَعْتُ لأُمَّتِي، فَأَعْطَانِي ثُلُثَ أُمَّتِي، فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّي شُكْراً، ثُمَّ رَفَعْتُ رَأسِي، فَسَأَلْتُ رَبِّي لأُمَّتِي، فَأَعْطَانِي ثُلُثَ أُمَّتِي، فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّي شُكْراً، ثُمَّ رَفَعْتُ رَأسِي، فَسَأَلْتُ رَبِّي لأُمَّتِي، فَأَعْطَانِي الثُّلُثَ الآخَرَ، فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّي)) (رواہ أبو داود)

ترجمہ:- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں ایک مقام ''عَزْوَرَاء'' پڑتا تھا، جب ہم وہاں پہنچے تو نبیٔ کریم ﷺ اپنی سواری سے نیچے اترے اور آپ نے ہاتھ اٹھا کر تھوڑی دیر تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اس کے بعد آپ سجدہ میں گر گئے، اور دیر تک سجدہ میں رہے، پھر کھڑے ہوئے اور کچھ دیر تک آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، پھر آپ سجدہ میں گر گئے اور دیر تک سجدہ میں رہے، پھر اٹھے اور کچھ دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، پھر سجدہ میں گر گئے، اور دیر تک سجدہ میں رہے (گویا تین مرتبہ ایسا کیا) اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلی مرتبہ جب میں نے دعا کی تو میں نے اپنی امت کی مغفرت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سفارش کی

اور سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ ایک تہائی امت کی مغفرت کا وعدہ فرمادیا تو میں اس کے شکرانہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گیا اور دیر تک سجدہ میں پڑا رہا۔ پھر میں اٹھا اور دوبارہ اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے مزید ایک تہائی امت کے گناہوں کو معاف کرنے کا مجھ سے وعدہ فرمایا جس کے شکرانہ میں مَیں سجدہ میں گر گیا اور دیر تک سجدہ میں رہا، پھر میں نے سر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی بقیہ امت کے لیے دعا کی، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آخری تہائی حصہ کی بھی مغفرت کا وعدہ فرمادیا، تو اس کے شکرانہ میں بھی مَیں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گیا۔

افادات: -تو دیکھئے! حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کی مغفرت اور ان کے گناہوں کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش فرمائی، اور جوں جوں قبول ہوتی گئی اس پر نبیٔ کریم ﷺ بطور شکرانہ کے سجدہ فرماتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی خصوصی نعمت کے حصول پر آدمی کو سجدۂ شکر بجالانا چاہیے۔

بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ

تہجد کی نماز کی فضیلت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً.

وَقَالَ تَعَالٰى: تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ.

وَقَالَ تَعَالٰى: كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ.

تہجد کی نماز کی فضیلت بیان کرنے کے لئے یہ باب قائم کیا ہے۔

فرائض کے بعد نوافل وسنن نمازوں میں تہجد کی نماز بڑی اہمیت کی حامل ہے، ایک روایت میں ہے کہ فرائض کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز اگر کوئی ہے تو وہ تہجد کی نماز ہے۔ شروع اسلام میں جب کہ پنج وقتہ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں اس وقت سورۂ مزمل نازل ہوئی تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے تہجد کی نماز کو فرض کیا تھا ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلاً نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً﴾ شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اس وقت جو حضرات بھی ایمان لائے تھے ان سب کے لئے رات کی یہ نماز (تہجد) فرض قرار دی تھی، ان آیتوں کے ذریعہ آدھی رات یا رات کا دو تہائی حصہ یا ایک تہائی حصہ یعنی رات کا بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارنے کی تاکید کی گئی، چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام اہلِ ایمان اس وقت اس کا اہتمام کرتے تھے اور رات رات بھر یا آدھی رات یا

دو تہائی رات یا ایک تہائی رات تہجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے تھے، یہ سلسلہ ایک روایت کے مطابق ایک سال تک اور ایک روایت کے مطابق آٹھ یا نو مہینہ تک رہا، اس کے بعد اسی سورۂ مزمل کی آخری آیتیں ﴿عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن﴾ نازل ہوئی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پھر تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی، لیکن مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی فرضیت تو باقی ہی رہی، البتہ پوری رات یا آدھی یا پونی رات تک کھڑے رہنے کا جو حکم تھا وہ ختم ہوگیا، اگر کوئی آدمی تھوڑے سے حصہ میں بھی نماز کا اہتمام کرے گا تو فرض ادا ہو جائے گا، پھر شبِ معراج میں جب پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئی اس وقت تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فرض رہی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ امّت پر سے یہ فرض ساقط ہوگیا لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فرضیت باقی رہی، لیکن راجح قول یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی فرض نہیں تھی اس کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا بہت ہی اہتمام فرماتے تھے۔

''مقامِ محمود'' پر فائز فرمائیں گے

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (بنی اسرائیل) قرآنِ کریم کی تلاوت کے لیے رات کے کچھ حصہ میں آپ اپنی نیند کو قربان کیجئے ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ یہ فرض کے علاوہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زائد فریضہ ہے ﴿عَسٰى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً﴾ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائیں گے۔

''مقامِ محمود'' یہ ایک مقام ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو عطا کیا جائے گا،

آپ کے علاوہ کسی اور کو یہ مقام حاصل نہیں ہوگا۔ یہی وہ مقام ہے جس پر آپ فائز ہونے کے بعد پوری انسانیت کے لئے سفارش فرمائیں گے، جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ قیامت میں جب انسانوں کو دوبارہ صور پھونک کر پیدا کیا جائے گا اور میدانِ حشر میں اوّلین وآخرین سب جمع ہوں گے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے بھی انسان پیدا ہوں گے سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حساب وکتاب کے لئے پیش کیا جائے گا، اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ بھی تجلّی افروز ہوں گے، سورج بالکل سروں پر سوا نیزے کے قریب ہوگا، گرمی کی شدّت کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، ابھی حساب وکتاب کا سلسلہ شروع نہیں ہوگا، سب لوگ انتظار میں ہوں گے، لیکن انتظار کرتے کرتے بالکل تنگ آجائیں گے کہ کب حساب وکتاب کا سلسلہ شروع ہو۔ پھر لوگوں کے درمیان آپس میں کانا پھوسی شروع ہوجائے گی کہ کیا بات ہے کہ حساب وکتاب نہیں ہورہا ہے، سب لوگ کہیں گے کہ کچھ کرو، اللہ کے مقبول بندوں میں سے کسی سے سفارش کرواؤ تاکہ اللہ تعالیٰ حساب وکتاب کا سلسلہ شروع کریں۔ اب کس سے جاکر کہیں؟ تو لوگ کہیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہم سب کے ابّا ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا، فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا، جنّت میں ان کو رکھا گیا، ان کے یہ سارے فضائل مسلّم ہیں، چناں چہ سب لوگ جاکر پہلے ان کی یہی خوبیاں بیان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دستِ قدرت سے براہِ راست پیدا فرمایا، پھر فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا، جنّت میں آپ کو ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا، ان کی جو جو خوبیاں قرآن مجید میں آئی ہیں ان سب کا تذکرہ کریں گے، پھر ان سے درخواست کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کیجئے کہ حساب وکتاب کا سلسلہ شروع

ہوجائے، اِس پار یا اُس پار جو بھی فیصلہ ہوگا ہمیں منظور ہے، لیکن انتظار کی یہ زحمت برداشت نہیں ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب میں فرمائیں گے: آج اللہ تعالیٰ ایسے غصّے میں ہیں کہ اس سے پہلے کبھی ایسے غصّے میں نہیں تھے، اور نہ آئندہ کبھی ایسے ہوں گے، مجھے تو اپنا ہی فکر ہو رہا ہے کہ مجھے ایک چیز سے منع کیا گیا تھا، اس کے باوجود مجھ سے اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ٹوٹا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سفارش کرنے جاؤں اور اسی کے متعلق مجھ سے پوچھ ہوجائے، اس لیے میری تو ہمت نہیں ہو رہی ہے، تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں۔ لوگ ان کے پاس جائیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دیں گے کہ ان کے پاس جاؤ۔ لوگ ان کے پاس جائیں گے اور ان سے درخواست کریں گے، وہ بھی معذرت کریں گے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے، لوگ ان کے پاس جائیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیں گے، وہ بھی معذرت کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دیں گے کہ ان کے پاس جاؤ، وہی ہیں جن کی اگلی پچھلی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے، چناں چہ سب لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باری تعالیٰ کے حضور میں جا کر سجدہ ریز ہوجائیں گے اور سفارش کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی سفارش کے بعد حساب وکتاب کا سلسلہ شروع ہوگا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش سے تمام لوگوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ حساب وکتاب کا سلسلہ شروع نہیں ہو رہا تھا اور لوگ پریشانی میں مبتلا تھے، سب کی وہ پریشانی دور ہوئی، اس لئے کہ جب تک حساب وکتاب کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا تو ہر آدمی پریشانی میں مبتلا تھا، انبیاء بھی، مؤمنین بھی، کفّار بھی؛ سب ہی پریشانی میں تھے، اس سفارش کا فائدہ ہر ہر انسان کو پہنچا، اسی لئے اس سفارش کو شفاعتِ کبریٰ یعنی بڑی سفارش کہتے ہیں اور

اسی کو ’’مقامِ محمود‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔

یہاں دیکھئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تہجد کا حکم دیا گیا۔ تہجد، ہجود سے مشتق ہے جو الفاظِ متضادہ میں سے ہے، عربی میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک ہی لفظ ہے لیکن اس کے الٹ سلٹ دونوں قسم کے معنیٰ ہوتے ہیں۔ تو ہجود کا ترجمہ نیند کا بھی آتا ہے اور بیداری کا بھی آتا ہے، گویا قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول ہو کر اپنی نیند کو قربان کرو۔ لغت کے اعتبار سے تو عشاء کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے گی اس کو تہجد کہیں گے، لیکن عرف یہ ہے کچھ سو کر اٹھنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی وہ تہجد کہلائے گی۔ ویسے اگر کوئی آدمی عشاء کے بعد بھی تہجد پڑھ لے تو ان شاء اللہ ثواب حاصل ہونے کی امید ہے۔

تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باری تعالیٰ نے تہجد کا حکم دیا، اور اس پر جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ بتلایا ﴿عَسٰی أَن یَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقامِ محمود تجویز فرما رکھا ہے، لیکن آپ اس عمل کا اہتمام کریں گے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو یہ مقام عطا فرمائیں گے۔ اسی لئے لکھا ہے کہ جس طرح شفاعت کا اختیار نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے، اسی طرح دیگر انبیاء بھی سفارش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ علماء اور اپنے نیک بندوں کو بھی سفارش کا حق دیں گے لیکن اسی وقت جبکہ آدمی تہجد کا اہتمام کرے، تب ہی اس کو یہ چیز حاصل ہوگی۔

بہرحال! یہ وہ نماز ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدمی کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں خصوصی مقام اور قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی وہ نماز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اللہ کے عاشق ہوتے ہیں؛ تسلّی حاصل کرتے ہیں، اور رات کی تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنا جو عرض و معروض کرنا ہوتا ہے کرتے ہیں، جیسے:

تنہائیوں میں ایک عاشق اپنے معشوق کے سامنے اپنی باتیں پیش کرتا ہے، اور یہی وہ نماز ہے جس کے نتیجہ میں آدمی کے مرتبے اللہ تعالیٰ کے یہاں بلند کئے جاتے ہیں۔

جب سے مجھے آدھی رات کی سلطنت ملی

پیرانِ پیر حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں شاہِ سنجر کی سلطنت بڑی پھیلی ہوئی تھی، اُدھر حضرت پیرانِ پیر کے یہاں مہمان بہت کثرت سے آتے تھے اور مہمانوں کے کھانے پینے کا سلسلہ رہتا تھا، ایک مرتبہ بادشاہِ وقت نے یہ سوچ کر کہ حضرت کے یہاں خرچہ بہت ہے اپنے ملک کا ایک علاقہ جس کا نام ''نیم روز'' تھا اس کے متعلق ایک پروانہ لکھ کر حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھیجا کہ میں نے نیم روز کا پورا علاقہ اس کی آمدنی سمیت آپ کے لئے فارغ کر کے بطور جاگیر آپ کو دیدیا، تاکہ آپ کا خرچہ اس سے نکلتا رہے (''نیم روز'' فارسی لفظ ہے جس کا ترجمہ دوپہر کا وقت یعنی ''mid day'' ہوتا ہے۔) جب یہ حکم حضرت کے پاس پہنچا تو حضرت نے جواب میں ایک شعر لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا:-

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد ❁ گر در دلم بود ہوسِ ملکِ سنجرم
زاں گہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب ❁ من ملکِ نیم روز بیک جَو نمی خرم

اُس زمانہ میں بادشاہوں کے تخت اوپر ایک چھتر سا لگا ہوا ہوتا تھا جو سیاہ رنگ کا ہوتا تھا اور سایہ ڈالنے کے لئے لگایا جاتا تھا وہ چھترِ شاہی کہلاتا تھا، اور یہ بادشاہوں کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ چھتر پتی اسی مناسبت سے بولتے ہیں۔

سلطان سنجر کے یہاں بھی جب دربار منعقد ہوتا تھا تو اس کے تخت پر اس طرح کا چھتر لگا ہوا ہوتا تھا جس کا رنگ کالا تھا۔ تو حضرت نے فرمایا: سلطان سنجر کے اس

چھتر کی طرح میرا نصیبہ بھی کالا ہو جائے اگر میرے دل میں بادشاہ کے ملک کی ذرّہ برابر بھی خواہش پیدا ہو۔ جب سے مجھے آدھی رات (''mid night'') کے ملک یعنی تہجد کی نماز کی اطلاع مل گئی اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض و معروض پیش کرنے کا سلسلہ جب سے میرے سامنے کھلا ہے، اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ دولت عطا فرمائی ہے کہ میں ملکِ ''نیم روز'' کو ایک جَو کے بدلہ میں بھی خریدنے کے لئے تیّار نہیں ہوں۔ یعنی تم نے تو ایک علاقہ مجھے دیا ہے، اگر تمہاری پوری سلطنت کی میرے دل میں صرف خواہش بھی ہو تو اس کو بھی میں اپنے لئے بدنصیبی سمجھتا ہوں۔

دیکھو! اللہ والے تو وہ تھے کہ رات کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری کو کتنی اہمیت دیتے تھے کہ بادشاہوں کی بڑی بڑی سلطنت کی بھی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بندوں کے واسطے اس وقت خصوصی دربار سجایا جاتا ہے، اور ان کو حاضری کی اجازت دی جاتی ہے، اور وہاں سے اعلان ہوتا ہے: ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں۔ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اس کے سوال کو پورا کروں۔

ہماری بدبختی

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: اگر کہیں بادشاہِ وقت کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ آج ایک عام دربار لگنے والا ہے اور کسی کو روکا نہیں جائے گا، جس کی جو حاجت ہو وہ آکر پیش کرے، ضرور پوری کی جائے گی؛ تو آپ ہی اندازہ لگایئے کہ لوگ وہاں کیسی بھیڑ اور ہجوم کریں گے؟ اور بادشاہوں کا بادشاہ اللہ تعالیٰ، جو سب کا خالق و مالک ہے، وہ روزانہ رات کے آخری حصہ میں دربار لگا کر اعلان کرتا ہے کہ:

آؤ! اور اپنی حاجتیں مجھ سے مانگو، میں تمہاری حاجتیں پوری کرنے والا ہوں، لیکن اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہوگی کہ اس وقت ہم غفلت کی نیند سوئے رہتے ہیں، پھر دن میں لوگوں کے دروازوں کے چکّر کاٹتے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔

اس لیے حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کا اہتمام کرلے۔ اخیر رات میں دو رکعت کی توفیق مل جانا بہت بڑی بات ہے، آدمی اگر اس کی عادت ڈالے گا تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہوگا۔ صالحین کا شیوا یہی بتایا گیا ہے کہ وہ اس نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے، اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ دیگر ابواب میں تو دو چار روایتیں لاکر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن رات کی نماز کی فضیلت کے سلسلہ میں بہت ساری روایتیں پیش کی ہیں۔

﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ قرآنِ کریم میں اللہ کے نیک بندوں کی علامت اور نشانی بتلائی گئی ہے کہ ان کے پہلو یعنی ان کے جسم ان کی خوابگاہوں اور بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سوتے نہیں ہیں، اللہ کے سامنے عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

دوسری آیت پیش کی ہے: ﴿كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾ رات میں بہت کم سوتے تھے۔ گویا ان کا زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزرتا تھا۔ معلوم ہوا کہ آدمی اگر اس کو لازم پکڑلے؛ تو سارے مسائل کا حل ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا کہ کسی نے آکر عرض کیا:

حضرت! بڑا سنگین معاملہ پیش آ گیا ہے، اور حکومت سے بہت خطرہ ہے۔ پوچھا: کب ہے؟ بتایا کہ کل ہی ہے۔ فرمایا: ارے کیا گھبراتے ہو، بیچ میں رات ہے نا؛ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے رات میں ہم اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض کرلیں گے، جیسے: اگر ہمیں کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو سوچتے ہیں کہ فلاں سے ملاقات کے بعد ہے نا، اس وقت دیکھ لیں گے۔ ایسے ہی اللہ کے ان نیک بندوں کو ان چیزوں کے اوپر اتنا زیادہ اعتماد رہتا تھا۔ اور ایک مؤمن کا مزاج بھی یہی ہونا چاہیے۔

شریف کی شرافت کا تقاضہ یہ نہیں......

۱۱۶۰:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يقومُ مِنَ اللَّيلِ حَتَّى تَتَفطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقُلْتُ لَهُ: لِمَ تَصْنَعُ هَذَا، يَارَسُولَ الله، وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: ((أَفَلاَ أَكُونُ عَبْداً شَكُوراً!)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بن شُعبة نَحْوُهُ (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں (تہجد کے لئے) دیر تک کھڑے رہتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے قدمِ مبارک میں شگاف پڑ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت کیوں جھیلتے ہیں (اتنی دیر تک کھڑے رہتے ہیں کہ آپ کے پاؤں پھٹ جاتے ہیں) حالاں کہ قرآنِ پاک میں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغفرت کی بشارت سنا دی ہے کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے (اب تو آپ کو آرام سے سونا چاہیے) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

افادات:- دیکھئے! اللہ کے جو مخصوص بندے ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی

عبادت اسی جذبہ سے کرتے ہیں، کسی اور طمع ولالچ میں نہیں کہ یہ چیز مجھے مل جائے گی، یا میں فلاں سزا سے بچ جاؤں گا، بلکہ اصل عبادت یہی ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرتے ہوئے اسی جذبہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے آدمی کھڑا رہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے اور اسی جذبہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کہ میں اللہ کا شکرگزار بندہ بنوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ میں پڑ کر سوجاؤں، بلکہ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ میں رات بھر بیدار رہوں۔ جب اُس کریم آقا نے میرے ساتھ اکرام کا معاملہ کیا تو میرا عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ میں بجائے آرام وغفلت میں پڑنے کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہوجاؤں۔

ایک شریف آدمی کے ساتھ جب احسان کا معاملہ کیا جاتا ہے تو اس کی شرافت اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی، شرافت اس پر دباؤ ڈالتی ہے کہ جب میرے ساتھ احسان کا معاملہ کیا گیا، تو اب محسن کے ساتھ اُسی کے مناسب سلوک کروں۔ اس کے برخلاف جب شرافت نہیں ہوتی اور کمینہ پن ہوتا ہے تو اس احسان کا بدلہ مناسب طریقہ سے دینے کے بجائے آدمی ناشکری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس لئے مروّت اور شرافت کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے اتنے سارے احسانات کے بدلہ میں اللہ کے حضور میں اپنے آپ کو کھڑا کرے اور شکرانے کے طور پر عبادت میں مشغول رہے۔

تم دونوں کیوں سو گئے؟

۱۱۶۱:- وعن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ: أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ لَيلاً، فَقَالَ: ((أَلَا تُصَلِّيَانِ؟)) (متفق علیه) ((طَرَقَهُ)): أَتَاهُ لَيلاً.

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے

یہاں تشریف لائے تو (دیکھا کہ میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سو رہے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: (اچھا! تم دونوں سو رہے ہو؟) نماز نہیں پڑھتے؟

افادات:- اس طرح گویا ان کو تنبیہ فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں پر نگرانی ہونی چاہیے کہ نوافل میں بھی اگر کوتاہی ہو رہی ہے تب بھی تنبیہ کی جانی چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متنبہ کیا کہ تم کیوں سو گئے ہو؟ تمہیں تو نماز میں مشغول ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں عرض کیا: ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اُٹھ کر نماز پڑھتے۔ دراصل آدمی کی عادت کٹ حجتی کی ہوتی ہے کہ دلیل بازی کرتا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت بتلائی ہے کہ انسان کا مزاج ایسا ہے کہ اپنے غلط عمل کو صحیح قرار دینے کے لئے کھوٹی کھوٹی دلیلیں کرتا ہے، یہ آیت پڑھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے واپس تشریف لے گئے، اور کچھ نہیں فرمایا۔

بہر حال! یہاں تو صرف اتنا ہی حصہ لائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ تم نماز نہیں پڑھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

عبداللہ بڑے اچھے آدمی ہیں؛ اگر رات کو نماز پڑھتے

۱۱۶۲:- وعن سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب عن أبيه رضي الله عنهم: أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: ((نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ، لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ)) قَالَ

سالِم: فَكَانَ عَبْدُ اللهِ بَعْدَ ذٰلِكَ لاَ يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلاَّ قَلِيلاً. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں، ان کے صاحبزادے حضرت سالم اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (دراصل اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کا تذکرہ انھوں نے اپنی بہن امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور انہوں نے اس خواب کا تذکرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر ارشاد فرمایا:) عبداللہ بڑے اچھے آدمی ہیں اگر رات کو نماز پڑھتے رہیں (یعنی تہجد کا اہتمام کریں تو بڑے اچھے آدمی ہیں) حضرت سالم کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بتلایا، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ عادت ہوگئی کہ رات کا بہت کم حصہ سوتے تھے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد نے ان کی نیند اڑادی، پھر تو اکثر حصہ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔)

افادات:- ویسے بھی علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں مدینہ والوں کا عام دستور تھا اور ان کی عادت تھی کہ جب عمر چالیس سال کی ہوجاتی تھی تو بستر لپیٹ کر رکھ دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ سونے کے دن گئے، اب تو آخرت کی تیاری کرنی چاہیے، اور رات کو سوتے نہیں تھے، بلکہ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

اے عبداللہ! فلاں جیسا مت بنیو

۱۱۶۳: وعن عبدالله بن عَمرو بن العاصِ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((يَا عَبْدَ اللهِ! لاَ تَكُنْ مِثْلَ فُلانٍ، كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ :- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے عبداللہ! فلاں جیسامت بنیو کہ وہ رات کو تہجد پڑھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔

افادات :- اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جب کوئی نیک عمل شروع کرے تو اس پر پابندی ہونی چاہیے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جوش میں چند روز کیا پھر چھوڑ کر بیٹھ گئے، یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ جس عمل پر مداومت اور پابندی کی جاتی ہے وہی عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، چاہے دو رکعت ہی ہو، مگر ہمیشہ اس کے پڑھنے کی عادت ہو۔ اور کم سے کم دو رکعت سے بھی یہ سنّت ادا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو اس کی بھی توفیق دی ہو تو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بہت سے لوگ جماعت میں چلہ میں جاتے ہیں، وہاں تہجد شروع کرتے ہیں اور گھر آنے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں؛ یہ بھی اسی میں داخل ہے۔ بہت سے لوگ رمضان میں شروع کرتے ہیں اور رمضان گزر جاتا ہے تو پھر چھوڑ دیتے ہیں؛ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا مت کرنا، جب عمل شروع کیا ہے تو اب پڑھتے رہو۔ ایک کام شروع کیا ہے تو اس پر پابندی کا اہتمام کرنا چاہیے، پھر کسی روز اگر کسی وجہ سے آنکھ نہ کھلے؛ تو اشراق یا چاشت کے وقت اُتنی رکعتیں پڑھ لے؛ تو اللہ تعالیٰ اُتنا ہی ثواب عطا فرمائیں گے۔

تہجد کے اہتمام کے لئے شرائط

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا جی تو چاہتا ہے لیکن اُٹھ نہیں پاتے۔ تو دیکھئے! بعض چیزوں کے اہتمام سے تہجد کے وقت اُٹھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی شرط تو یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرے،

گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے عام طور پر تہجد کی توفیق نہیں ملتی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مسجد میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دعا مانگ رہا ہے اور خوب رو رہا ہے، میرے دل میں اس کے متعلق بدگمانی پیدا ہوئی کہ دکھانے کے لئے رو رہا ہے، میرے دل میں صرف یہ خیال آیا، میں نے اس بات کا زبان سے کسی کے سامنے اظہار بھی نہیں کیا، لیکن اس کے بعد چند روز تک رات کو تہجد کے لئے اٹھنے کی نعمت سے میں محروم ہو گیا۔ باوجود بہت کوشش کے بھی نہیں اُٹھ پایا، پھر میں نے صلوۃ التوبہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے کس گناہ کی وجہ سے میں تہجد کی نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔ تو میرے دل میں ڈالا گیا کہ تو نے فلاں آدمی کے متعلق ایسا ایسا سوچا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس گناہ سے خصوصیت سے توبہ کی؛ تو پھر دوبارہ توفیق میسر ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی وجہ سے آدمی اس سے محروم ہو جاتا ہے۔

پہلی چیز:- گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے، خاص کر فضول گوئی، بے کار باتیں، گپ شپ سے خاص بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے، فضول گوئی کے نتیجہ میں بھی آدمی تہجد سے محروم رہتا ہے۔

دوسری چیز:- آدمی رات کو کچھ کم کھائے تاکہ زیادہ نیند نہ آئے۔

تیسری چیز:- اس کا بھی اہتمام ہو کہ بستر بہت زیادہ نرم نہ ہو۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت شمائل اور دوسری کتبِ حدیث میں موجود ہے کہ ان کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر صرف ایک ٹاٹ تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اس ٹاٹ کو ڈبل کر کے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے سوچا کہ اسی کو

ڈبل کے بجائے چوہرا یعنی ڈبل کا ڈبل کرلوں تا کہ ذرا نرم ہو جائے، حالاں کہ وہ وہی ٹاٹ تھا جس کو ڈبل بچھاتے تھے، آج چوہرا کرنے کو سوچا تا کہ حضورِ اکرم ﷺ کو تھوڑی راحت پہنچ جائے، چناں چہ ایسا کر کے بچھا دیا۔ صبح اٹھ کر حضور ﷺ نے پوچھا: آج بستر کے طور پر میرے لئے کیا بچھایا تھا؟ بتایا: اے اللہ کے رسول! وہی ٹاٹ تھا، جو روزانہ بچھاتے ہیں، ہاں! اتنا کیا تھا کہ روزانہ ٹاٹ کو ڈبل کر کے بچھاتے تھے، آج چار گنا کر کے بچھایا تھا۔ اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! آج اس کی نرمی نے مجھے رات کو اُٹھنے سے روک دیا، یعنی میں وقت پر نہیں اُٹھ پایا اور دیر ہوگئی۔ تو جب حضورِ اکرم ﷺ پر نرم بستر کا یہ اثر ہوسکتا ہے تو میں اور آپ اگر نرم بستر پر سوئیں گے تو ہمارا کیا ہوگا؟ اس لئے اس کا بھی اہتمام ضروری ہے کہ بستر کچھ ایسا رکھا جائے کہ ہمارا اُٹھنا آسان ہو جائے۔

چوتھی چیز:- اُٹھنے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

واردِ روحانی غیرت مند مہمان ہے

پھر ایک ضروری بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ نیت کر کے سوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو اُٹھیں گے۔ تو دیکھو! آدمی جب کسی اچھے کام کی نیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کے اسباب ضرور مہیا کئے جاتے ہیں، مثلاً: آپ نے نیت کی کہ آج مجھے تہجد پڑھنی ہے، تو تین بجے آپ کی آنکھ ضرور کھلے گی، اس وقت جو آنکھ کھلی تو بس سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی امید پوری کر دی کہ آپ کی نیند پوری ہوگئی اور آنکھ کھل گئی، لہٰذا اب ہمت کر کے اُٹھنا، وضو کرنا اور نماز کے لئے کھڑا ہونا آپ کا کام ہے۔ اس موقع پر شیطان اور نفس دونوں

بیچ میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، یہ خیال ڈالتے ہیں کہ ابھی دو منٹ میں اُٹھتا ہوں، بس! جو دو منٹ کے لیے کروٹ لے کر سوتے ہیں تو ایسی گہری نیند میں آتی ہے کہ فجر کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے، پھر دوسرے دن اور بعد میں بھی تمنا کرتے ہی رہتے ہیں لیکن آنکھ نہیں کھلتی، وہ دراصل اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی تھی اس کی ناقدری ہوئی جس کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ پہلے دن وقت پر آنکھ کھلنا اور نیند کا پورا ہو جانا؛ یہ وار دِ روحانی یعنی اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے۔

وار دِ روحانی کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیک کام کرنے کا دل میں جذبہ پیدا ہونا، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے پیسے دئے تو دل میں خیال آیا کہ اس کو نیکی کے فلاں کام میں خرچ کرنا ہے، لیکن آپ نے کہا کہ ابھی جانے دو، پھر خرچ کروں گا۔ تو جیسے آپ کے گھر کوئی مہمان آئے اور دروازہ کھٹکھٹائے، اور آپ دورازہ نہ کھولیں؛ تو اگر وہ شریف اور باغیرت مہمان ہوگا تو ایسا جائے گا کہ دوبارہ کبھی آپ کے گھر کا رخ نہیں کرے گا۔ اسی طریقہ سے کسی نیک کام کا ارادہ دل میں آنا؛ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک مہمان ہوتا ہے جو وار دِ روحانی اور خدائی مہمان کہلاتا ہے، اس کی قدر یہی ہے کہ جیسے ہی دل میں خیال آئے فوراً اس پر عمل کر ڈالو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوبارہ مزید توفیق ملے گی۔ لہٰذا جب ارادہ کر کے سوئے اور وقت پر آنکھ کھلی، تو پھر چاہے کتنی ہی سستی آئے؛ فوراً اٹھ جاؤ، اور کم سے کم دو رکعت پڑھ ہی لو، پھر نیند آئے تو سو جاؤ۔ اگر آج ایسا کرو گے تو دوسرے دن ان شاء اللہ دوبارہ توفیق ملے گی۔ اور اگر آج یوں سوچو گے کہ پانچ منٹ سو جاؤں پھر اٹھتا ہوں، تو پھر آج بھی سوئے رہو گے اور آئندہ کل بھی آنکھ کھلنے والی نہیں ہے۔ اس کے بعد جب تک اپنی اس حرکت سے

توبہ نہیں کروگے وہاں تک دوبارہ اُٹھنے کی توفیق ہونے والی نہیں ہے۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا۔

اس کے کان میں شیطان پیشاب کردیتا ہے

۱۱۶۴:- **وعن ابن مسعودٍ** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **رَجُلٌ نَامَ لَيْلَةً حَتَّى أَصْبَحَ، قَالَ: ((ذَاكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيطَانُ فِي أُذُنَيْهِ-أَوْ قَالَ: فِي أُذُنِهِ-))** (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ رات بھر سوتا رہا یہاں تک کہ صبح کردی۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: ہاں! دراصل اس آدمی کے کان میں شیطان نے پیشاب کردیا تھا۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا سوتا رہا کہ تہجد اور فجر کی نماز چھوٹ گئی، یہاں تک کہ دن نکل آیا۔

یہاں جو شیطان کے پیشاب کا تذکرہ ہے، تو جیسے انسان مختلف کام کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، قضائے حاجت کرتا ہے، صحبت کرتا ہے، اسی طریقہ سے شیطان بھی یہ سارے کام کرتا ہے، اس لئے اگر واقعۃً شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کردیا ہو؛ تو کوئی بعید بات نہیں ہے۔ چناں چہ بہت سے حضرات محدثین اسی کے قائل ہیں۔ اور شیطان کا پیشاب کرنا گویا اس کے ساتھ ایک طرح کا کھلواڑ کرنا ہے کہ شیطان نے اسے اتنا ذلیل اور رسوا بنادیا اور اس کے ساتھ ایسا ٹھٹھا کیا کہ اس کے کان میں پیشاب کردیا۔ جیسے: کوئی آدمی کسی کی تذلیل کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو فلاں پر تھوکتا ہوں۔

بعضوں نے کہا کہ شیطان کے پیشاب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کانوں کو ایسا بوجھل بنادیا کہ اس کو اُٹھانے والی آوازیں اس کے کان تک نہیں پہنچیں۔ جیسے: کان میں اگر پانی چلا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے کان بوجھل ہوجاتا ہے اور سننے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔ اور عام طور پر آدمی کو نیند سے بیدار کرنے والی چیز اس کی قوتِ سامعہ ہی ہوتی ہے، یعنی کان کی سننے کی صلاحیت ہی کے نتیجہ میں آدمی نیند سے بیدار ہوتا ہے۔ تو یہاں بتلایا گیا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کردیا یعنی شیطان نے اس کے کان کو ایسا بوجھل بنادیا کہ وہ اپنی نیند سے اٹھ نہیں پایا اور نماز ادا نہیں کرپایا۔

بہرحال! یہ اس کے حق میں ایک طرح کی وعید ہے۔

شیطان کا منتر؛ اور اس کا توڑ

۱۱۶۵:- وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: يَعْقِدُ الشَّيطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ، إِذَا هُوَ نَامَ، ثَلاَثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ عَلَى كُلِّ عُقْدَةٍ: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيقَظَ، فَذَكَرَ اللهَ تَعَالَى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ، انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى، انْحَلَّتْ عُقَدُهُ كُلُّهَا، فَأَصْبَحَ نَشِيطاً طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلاَّ أَصْبحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلاَنَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

((قافية الرَّأس)): آخِرُهُ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے سر کے پچھلے حصے پر شیطان تین گرہیں لگاتا ہے جب آدمی سوجاتا ہے، اور ہر ہر گرہ پر یہ کہتا جاتا ہے: ''ابھی رات بہت لمبی باقی ہے؛ سوئے رہو'' (لہٰذا شیطان

کے اس منتر کا اثر اس کے دل ودماغ پر یہ ہوتا ہے کہ آنکھ کھلنے پر وہ یہی سوچتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے۔لیکن) اگر آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیتا ہے (سوکر اُٹھنے کی دعا پڑھ لیتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ﴾ یا کلمہ پڑھ لیتا ہے، یا قرآنِ پاک کی کسی آیت کی تلاوت کر لیتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ذکر کی کوئی بھی شکل اختیار کر لیتا ہے) تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اس کے بعد اُٹھ کر اگر وضو کر لیتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر وضو کرنے کے بعد جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور آدمی ایک دم چست، چاک وچوبند اور فریش (Fresh) ہو جاتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تیار ہو جاتا ہے) اور اگر ان میں سے کسی ایک چیز میں بھی کمی ہو جاتی ہے تو پھر دن بھر اس کی طبیعت پر سستی اور کسل مندی طاری رہتی ہے۔

افادات:- شیطان گرہیں لگا کر گویا آدمی کے ساتھ سحر والا عمل کرتا ہے، جیسے: ساحرین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کچھ پڑھ کر دھاگے پر گرہ لگاتے ہیں اور اس گرہ کے ذریعہ سے مسحور پر اپنے سحر کا اثر ڈالتے ہیں، اسی طریقہ سے جب انسان سوجاتا ہے تو شیطان بھی اس پر سحر کرتا ہے تاکہ وہ سویا رہے اور اُٹھ کر نماز پڑھنے نہ پائے۔اب گرہیں کس پر لگاتا ہے؟ تو بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسّی ہوتی ہے جس پر وہ گرہ لگاتا ہے۔آدمی کے بالوں پر نہیں لگاتا، اس لئے کہ ہر ایک کے لئے بال کا ہونا ضروری نہیں۔

حضراتِ انبیاء؛ روحانی معالج

''عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ'' ''ابھی رات بہت لمبی باقی ہے، سوئے رہو'' یہ شیطان کا منتر ہے، اسی کا اثر ہوتا ہے کہ جب آدمی کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ

ابھی تو بہت دیر ہے، اور چادر کھینچ کر مزے سے سو جاتا ہے۔ شیطان کے اسی سحر اور گرہ لگانے کا اثر ہوتا ہے کہ آدمی کے دل پر یہی خیال غالب رہتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریعت نے اس کے منتر کے اثر کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے کہ آدمی اگر ان کا اہتمام کرے تو وہ پوری چستی اور نشاط کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں اپنے آپ کو مشغول کر سکتا ہے۔

بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چستی اور نشاط پیدا کرنے کے لئے بہت آسان طریقہ بتلا دیا ہے، اگر آدمی اس پر عمل کرلے تو طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے گا اور شیطان نے سلانے کے لئے جو تدبیر کی تھی اس کا توڑ یہی ہے۔ اس لئے کہ شیطان گمراہی کے راستوں پر لے جاتا ہے، اس کے لئے تدبیریں اور مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے، اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہدایت کی راہوں پر چلاتے ہیں۔ شیطان گمراہ کرنے کی تدبیر اختیار کرتا ہے، تو حضرات انبیاء اس کا توڑ بتلاتے ہیں۔

جنت میں لے جانے والے تین اعمال

۱۱۶۶:- وعن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ((أَيُّهَا النَّاسُ: أَفْشُوا السَّلامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الجَنَّةَ بِسَلاَمٍ.)) رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح))

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، (پہچاننے والے اور نہ پہچاننے والے سب کو سلام کرو) کھانا کھلاؤ، اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں؛ سلامتی اور عافیت کے ساتھ جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

افادات:- گویا یہ تین اعمال وہ ہیں جو آدمی کو جنّت میں لے جانے والے ہیں ان میں سے ایک عمل تہجد کی نماز بھی ہے۔ بس! یہاں تو اس روایت کو اسی مناسبت سے لئے لائے ہیں۔

افضل ترین نماز

۱۱۶۷:-وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: ((أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ: شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الفَرِيضَةِ: صَلَاةُ اللَّيْلِ)) رواه مسلم.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان المبارک کے بعد بہترین روزے محرم کے ہیں، اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل تہجد کی نماز ہے۔

افادات:- گویا رمضان کے علاوہ نفل روزوں میں محرم کے روزے رکھنے کی بڑی فضیلت ہے اور نفل نمازوں میں سب سے بہتر اور افضل تہجد کی نماز ہے۔

تہجد دو دو رکعتیں، اور اخیر میں وتر

۱۱۶۸:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ)) (متفقٌ عَلَيْهِ.)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں (دو دو کر کے پڑھتے رہو) جب صبح صادق ہونے والی ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اس کو وتر بنا لو۔

۱۱۶۹:-وعنہ، قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّی مِنَ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی، وَیُوتِرُ بِرَکْعَۃٍ. (متفقٌ عَلَیْہِ)

ترجمہ:- انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ رات کی نماز دو دو رکعات کرکے ادا فرماتے تھے، اور (آخر میں ایک رکعت ملا کر) وتر پڑھتے تھے۔

افادات:- جیسا کہ پہلے بتلایا تھا کہ جو آدمی تہجد پڑھنے کا عادی ہو، یا جس کو اخیر رات میں اُٹھنے کا یقین ہو؛ اس کو چاہیے کہ وتر اخیر میں پڑھے۔

حضور اکرم ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت

۱۱۷۰:-وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: کَانَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ یُفْطِرُ مِنَ الشَّھْرِ حَتّٰی نَظُنَّ أَنْ لاَ یَصُوْمَ مِنْہُ، وَیَصُوْمُ حَتّٰی نَظُنَّ أَنْ لاَ یُفْطِرَ مِنْہُ شَیْئاً، وَکَانَ لاَ تَشَاءُ أَنْ تَرَاہُ مِنَ اللَّیلِ مُصَلِّیاً إِلاَّ رَأَیْتَہُ، وَلاَ نَائِماً إِلاَّ رَأَیْتَہُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ میں کبھی افطار جاری رکھتے تھے (یعنی روزے نہیں رکھتے تھے) یہاں تک کہ ہمیں گمان ہونے لگتا تھا کہ اس مہینہ میں روزے نہیں رکھیں گے، پھر جب روزہ رکھنا شروع کرتے تو رکھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ہم یہ سمجھنے لگتے تھے کہ اب آپ افطار نہیں کریں گے۔ اور رات کے کسی حصہ میں آپ ﷺ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے تھے، اور رات کے کسی حصہ میں سوتا ہوا دیکھنا چاہو تو سوتا ہوا دیکھ سکتے تھے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ سے رات کے مختلف اوقات میں تہجد پڑھنا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کا شروع رات میں، رات کے درمیانی حصہ میں اور آخری حصہ میں اور پوری رات بھی قیام کرنا ثابت ہے؛ عام طور پر تو آدھی رات کے

بعد ہی پڑھتے تھے جیسا کہ آگے روایتوں میں آرہا ہے۔ گویا آدمی کو جب بھی موقع میسر ہو اس میں تردّد نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رات کے مختلف اوقات میں تہجد پڑھنا ثابت ہے۔

اُن کا حُسن! مت پوچھو

۱۱۷۱:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً - تَعْنِي فِي اللَّيْلِ - يَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلاَةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُنَادِي لِلصَّلاَةِ. (رواه البخاری)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں گیارہ رکعتیں (آٹھ رکعات تہجد، اور تین رکعات وتر) پڑھتے تھے اور اس میں بھی سجدہ اتنا طویل فرماتے تھے کہ تم میں کا کوئی آدمی قرآنِ پاک کی پچاس آیتیں تلاوت کرلے (قرآن پاک کی پچاس آیتیں پڑھنے میں جتنی دیر لگتی ہے اتنا طویل سجدہ فرماتے تھے) پھر فجر سے پہلے دو رکعات سنت ادا فرماتے تھے، اس کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن آکر نماز کا وقت ہونے کی اطلاع کرتا تھا (تو آپ اُٹھ جاتے تھے۔ فجر کی سنتیں پڑھ کر لیٹنے کا مسئلہ پہلے آچکا ہے)۔

۱۱۷۲:- وعنها، قالت: مَا كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَزِيدُ - فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيْرِهِ - عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً: يُصَلِّي أَرْبَعاً فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعاً فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلاثاً. فَقُلْتُ: يَا رسولَ اللهِ، أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ، إِنَّ عَيْنَيَّ

تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ (تہجد) نہیں پڑھتے تھے، پہلے چار رکعات ادا فرماتے تھے اور ایسے عمدہ انداز سے پڑھتے تھے کہ اس کی عمدگی اور لمبے پن کا حال مت پوچھو (بڑی طویل، عمدہ قراءت کے ساتھ تمام آداب ومستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا فرماتے تھے) پھر چار رکعات ادا فرماتے تھے کہ ان کی عمدگی اور لمبا پن کا حال مت پوچھو، اور پھر تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ وتر سے پہلے سوجاتے ہیں (پھر اُٹھ کر وضو بھی نہیں فرماتے؟) تو جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

افادات:- مسئلہ یہی ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا، ہم لوگوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔

اور دیکھو! تراویح الگ نماز ہے جو غیر رمضان میں نہیں پڑھی جاتی، یہاں تو ایسی نماز کا تذکرہ ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے، اور وہ تہجد کی نماز ہے۔

پہلے دو دو کا تذکرہ آیا تھا اور یہاں چار کا تذکرہ آیا؟ تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ چار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک سلام سے چار ادا فرماتے تھے، بلکہ دو پر سلام فرمایا کرتے تھے، لیکن پہلی دو کے بعد فوراً کھڑے ہوجاتے تھے، اور چار کے بعد کچھ دیر وقفہ فرماتے تھے، پھر دوسری چار رکعات دو دو کر کے ادا فرماتے تھے۔

رات کی عبادت کی مختلف شکلیں

۱۱۷۳:-وعنها: أَنَّ النبيَّ ﷺ كَانَ يَنَامُ أَوّلَ اللَّيلِ، وَيَقُومُ آخِرَهُ فَيُصَلِّي. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ رات کے شروع حصہ میں آرام فرماتے تھے، اورآخر میں اُٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے۔

افادات:- آگے آئے گا کہ نبیٔ کریم ﷺ مرغ کی آواز سن کر اُٹھتے تھے۔ ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مرغ پہلی مرتبہ آدھی رات پوری ہونے پر بولتا ہے، اس کے بعد رات کا آخری چھٹا حصہ جب باقی رہتا ہے اس میں بولتا ہے، پھر صبح صادق پر بولتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے حصوں کی تقسیم بتلائی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ کے بعض بندے تو پوری رات اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں، جیسا کہ بہت سے اکابرِ تابعین سے منقول ہے۔ چناں چہ شرح احیاء میں شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چالیس تابعین سے منقول ہے کہ وہ پوری رات جاگتے تھے، کبھی سوتے نہیں تھے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی اور بھی بہت سے تابعین سے رات بھر عبادت کرنا منقول ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول منقول ہے۔ پہلے آپ آدھی رات عبادت کرتے تھے، ایک مرتبہ تشریف لے جارہے تھے تو ایک بڑھیا نے کسی سے کہا کہ یہ وہ نوجوان ہے جو رات بھر عبادت کرتا ہے، جب آپ نے یہ سنا تو سوچا کہ لوگ میرے متعلق یہ گمان کررہے ہیں تو مجھے بھی رات بھر عبادت کرنی چاہیے، چناں چہ

اس دن سے رات بھر عبادت کرنا شروع کر دیا۔

دوسری ترتیب:- آدھی رات عبادت والی ہے۔ بعض بندے آدھی رات عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ بتلایا کہ شروع کی ایک تہائی رات میں آدمی آرام کرے، اس کے بعد اٹھ کر آدھی رات عبادت کرے، پھر آخر کے چھٹے حصہ میں آرام کرے۔

تیسری ترتیب:- ایک تہائی رات عبادت کی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی آدھی رات میں آرام کرے گا، پھر تہائی رات عبادت کرے، اور پھر آخر کے چھٹے حصہ میں آرام کرے۔

چوتھی ترتیب:- یہ بتلائی ہے کہ چھٹا حصہ آرام کرے۔ اور وہ آدھی رات کے بعد والا اور آخری چھٹے سے پہلے والا وقت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رات کے چھ حصے کرے، ان میں سے پہلے تین حصوں میں آرام کرے، اس کے بعد چوتھے یا پانچویں حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھے، اور آخری حصہ میں آرام کرے۔

اور ایک ترتیب یہ بھی بتلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے بغیر کسی تعیین کے اٹھ کر عبادت میں مشغول ہو۔ اور آخری درجہ یہ بتلایا ہے کہ کم از کم دو یا چار رکعات ادا کرلے۔ اور اگر اس کی بھی توفیق نہ ہو تو جب آنکھ کھلے بستر پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جائے، اور اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر کرلے، دعا کرلے پھر لیٹ جائے؛ تاکہ رات کو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں میں اس کا شمار ہو جائے۔

نفس سے بہلا پھسلا کر کام لو

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح بچوں سے

بہلا پھسلا کر کام لیا جاتا ہے ایسے ہی نفس سے بھی بہلا پھسلا کر کام لو، جیسے: بچے کو لالچ دے کر کام لیتے ہیں، کہ اتنا سا اور کرلو، چلو! دو کلمے اور پڑھ لو، تم کو یہ انعام دیں گے۔ جب آنکھ کھلے تو نفس تو یہ چاہے گا کہ سو جائیں، تو آپ نفس سے کہو کہ ذرا استنجاء کرلو، پھر سو جانا۔ جب استنجاء کرلو تو کہو کہ یہاں تک آ ہی گئے ہو تو وضو کرلو پھر سو جانا۔ جب وضو کرلیا تو کہو کہ کچھ دیر اللہ کو یاد کرلو۔ پھر کہو کہ دو رکعات ہی پڑھ لو۔ اس طرح بہلا پھسلا کر کرتے رہو گے تو عادت پڑ جائے گی۔

ایک اور طریقہ

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کو سمجھانے کے لیے ایک اور طریقہ بتلایا ہے کہ آدمی کا نفس سستی کر رہا ہو اور اُٹھنے کے لیے آمادہ نہ ہو، تو سوچو کہ اسی وقت اگر مجھے صدر جمہوریہ یا وزیر اعظم کی طرف سے بلاوا آجائے کہ آپ کو تمغہ دیا جانے والا ہے، آپ کا اعزاز کیا جانے والا ہے، لہٰذا اسی وقت آپ آجایئے؛ تو کیا میں سستی کروں گا؟ نہیں کروں گا، بلکہ فوراً اُٹھ کر چلا جاؤں گا۔ حالاں کہ صدر جمہوریہ یا وزیر اعظم کے اختیار میں اللہ تعالیٰ نے ہماری دنیا و آخرت کے کسی مسئلہ کا حل نہیں رکھا ہے، سارے اختیارات تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، تو اللہ تعالیٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہ جب اپنا دربار سجا رہا ہے اور آپ کو دعوت دے رہا ہے کہ: **"ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اس کی مانگ کو پورا کروں۔ کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں"** تو پھر اے نفس! تُو کیوں سستی کر رہا ہے؟ یہ سوچ کر آدمی اپنی طبیعت کو تیار کرے۔

مَیں نے ایک بری حرکت کا ارادہ کرلیا

۱۱۷۴:-وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً، فَلَمْ يَزَلْ قائِماً حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سوءٍ! قيلَ: مَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَجْلِسَ وَأَدَعَهُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تہجد میں شرکت کرلی، آپ برابر کھڑے رہے اور تلاوت میں مشغول رہے یہاں تک کہ میں نے ایک بری حرکت کا ارادہ کرلیا۔ پوچھا گیا: آپ نے کیا ارادہ کیا تھا؟ تو فرمایا: میں نے سوچا کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑا چھوڑ دوں۔

افادات:-آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ کے کھڑے رہنے کی صورت میں مجھے بیٹھنا نہیں چاہیے لیکن آپ نے اتنی دیر تک قیام فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ آپ کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤں۔

نفل کے اندر مستقل جماعت کی اجازت نہیں ہے، البتہ امام کے ساتھ اگر دو ہوں تو اس کی اجازت ہے۔ تین کے سلسلہ میں اختلاف ہے، اور تین سے زیادہ ہوں تو بالاتفاق نفل کی یہ جماعت مکروہ ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تجربہ

۱۱۷۵:-وعن حذيفة -رضي الله عنه-، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ فَافْتَتَحَ البَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ المِئَةِ، ثُمَّ مَضَى، فقلتُ: يُصَلِّي بِهَا فِي رَكْعَةٍ فَمَضَى، فقلتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ

عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلاً: إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ، وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ)) فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْواً مِنْ قِيَامِهِ، ثُمَّ قَالَ: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) ثُمَّ قَامَ طَوِيلاً قَرِيباً مِمَّا رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ، فَقَالَ: ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى)) فَكَانَ سُجُودُهُ قَرِيباً مِنْ قِيَامِهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ مع افادات:- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نمازِ تہجد میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مَیں بھی شریک ہوگیا، آپ نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی، میں اپنے جی میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید سو آیتیں تلاوت فرما کر آپ رکوع فرمائیں گے، لیکن جب سو آیتیں پوری ہوئیں تو آپ آگے بڑھ گئے، میں نے سوچا کہ شاید اس نماز (یعنی دو رکعات) میں سورت پوری فرمائیں گے، لیکن آدھی سورۂ بقرہ ہونے کے بعد آپ تو اور آگے بڑھے، تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ شاید سورۂ بقرہ پوری فرما کر آپ رکوع میں تشریف لے جائیں گے، لیکن سورۂ بقرہ پوری ہوئی تو آپ نے سورۂ نساء شروع فرمادی، اور وہ بھی پوری فرما کر سورۂ آل عمران شروع فرمادی، اور اس کو بھی پورا کردیا۔ اور تلاوت بھی نہایت اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے، اگر کسی ایسی آیت پر آپ کا گزر ہوا جس میں تسبیح ہے تو وہاں سبحان اللہ پڑھتے تھے، کہیں کسی نعمت کا تذکرہ آیا تو اس کی دعا فرمالیتے تھے اور کہیں کسی چیز سے پناہ مانگنے کا تذکرہ آیا تو آپ اس سے پناہ چاہتے تھے (یہ بھی آدابِ تلاوت میں سے ہے۔ ترتیل سے قرآنِ پاک پڑھنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کی سات شرطیں بتلائی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آیاتِ رحمت پر آدمی رحمت کا سوال کرے آیاتِ عذاب پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگے) اس کے بعد آپ نے رکوع فرمایا، اور اس میں آپ سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے، اور

آپ کا یہ رکوع بالکل قیام جیسا طویل تھا، اس کے بعد آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد کہا، اور قومہ میں بھی اتنا طویل کھڑے رہے جتنا رکوع میں رہے تھے، اس کے بعد آپ سجدہ میں تشریف لے گئے، اور اس میں بھی سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے رہے، اور آپ کا سجدہ بھی قیام جتنا لمبا ہوا۔ (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی اگر طویل قیام کرے تو رکوع، سجدہ بھی اسی مناسبت سے ہونا چاہیے)۔

سب سے افضل نماز

۱۱۷۶:-وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أيُّ الصَّلاَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((طُولُ القُنُوتِ)) (رواہ مسلم)

المراد بـ((القنوتِ)): القِيام.

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ (یعنی کس طرح سے نماز کی ادائیگی بہتر ہے؟) تو جواب میں ارشاد فرمایا: (جس نماز میں) لمبا قیام ہو (ظاہر ہے کہ لمبا قیام وہی ہوگا جس میں قراءت زیادہ کی جائے گی)

صلوٰۃ وصومِ داودی

۱۱۷۷:-وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما أنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ((أحَبُّ الصَّلاَةِ إلَى اللهِ صَلاَةُ دَاوُدَ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يوماً وَيُفْطِرُ يَوماً)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام والی نماز ہے۔ اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزے بھی حضرت داود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام والے روزے ہیں۔ حضرت داود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام شروع سے لے کر آدھی رات تک آرام فرماتے تھے اور پھر اُٹھ کر ایک تہائی حصہ نماز میں مشغول ہوتے تھے، پھر آخری چھٹا حصہ آرام فرماتے تھے، اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

ہر رات میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے

۱۱۷۸:- وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: ((إنَّ فى اللَّيْلِ لَسَاعَةً، لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى خَيْراً مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: رات میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اس میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے کوئی بھی بھلائی مانگے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا فرما ہی دیتے ہیں، اور وہ گھڑی ہر رات میں ہوتی ہے۔

افادات:- گویا اللہ تعالیٰ نے ہر رات میں ایک گھڑی ایسی رکھی ہے، لیکن وہ کونسی ہے وہ اس لیے نہیں بتلائی تا کہ اس کی تلاش میں آدمی پوری رات عبادت میں مشغول رہے۔ ویسے علماء نے لکھا ہے کہ چوں کہ آخری رات میں تہجد کو بہتر قرار دیا گیا ہے، اس لیے غالب یہی ہے کہ وہ رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے، اگر چہ اس کی تعیین نہیں ہے، جیسے: لیلۃ القدر پورے رمضان میں چھپی ہوئی ہے، اگر چہ آخری دس

راتوں میں اس کا امکان زیادہ ہے۔اسی طریقہ سے جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے، وہ بھی پورے دن میں ہوتی ہے اوراس کے سلسلہ میں جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر دن کا زیادہ امکان ہے۔

پہلی دو رکعت ہلکی پڑھنی چاہیے

۱۱۷۹:-وعن أَبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلَاةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب رات کونماز کے لئے کھڑا ہو؛تو دو ہلکی رکعتوں سے نماز شروع کرے۔

افادات:- یعنی پہلی دو رکعتیں ہلکی پڑھے اوراس کے بعد طویل پڑھے، اس لئے کہ جیسا اوپر گزرا کہ شیطان تین گرہیں لگاتا ہے، اُٹھ کر اللہ کا ذکر کرنے سے پہلی گرہ کھلتی ہے، وضوکرنے سے دوسری گرہ کھلتی ہے، اورنماز پڑھنے سے تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے،توجس نماز سے تیسری گرہ کھلوانا ہے وہ دو رکعت ہلکی پڑھ لے،اس کے بعد پھر طویل نماز پورے نشاط اور چستی کے ساتھ ادا کرے۔

۱۱۸۰:-وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو جب تہجد شروع فرماتے تھے؛توابتداء دوہلکی رکعتوں سے کرتے تھے (یہ بھی آداب میں سے ہے)۔

اگر کسی کی تہجد فوت ہوگئی تو......

۱۱۸۱:-وعنها قالت: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا فَاتَتْهُ الصَّلاةُ مِن اللَّيْلِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ غَيْرِهِ، صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہجد کی نماز اگر کسی بیماری یا عذر کی وجہ سے فوت ہوجاتی تو آپ دن میں بارہ رکعتیں ادا فرماتے تھے۔

افادات:- اگر کسی کی تہجد فوت ہوگئی تو سورج طلوع ہونے کے بعد وقتِ مکروہ گزر جانے کے بعد سے لے کر چاشت تک کے درمیانی وقفہ میں بارہ رکعتیں پڑھ لے؛ تو اللہ تعالیٰ اُتنا ہی ثواب عطا فرمائیں گے جو تہجد پڑھنے پر ملتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی کبھی تہجد فوت ہوجاتی تھی تو آپ اسی وقت میں بارہ رکعتیں ادا فرماتے تھے۔ تہجد کی زیادہ سے زیادہ مقدار بارہ رکعتیں بتلائی گئی ہیں۔

۱۱۸۲:-وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ، أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ، فَقَرَأَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الفَجْرِ وصلاة الظُّهْرِ، كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ)) (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنے مقررہ وظیفے کی ادائیگی سے سورہا (یعنی رات میں کچھ رکعتیں ادا کرنے کا، یا قرآنِ پاک کی کچھ مقدار تلاوت کرنے کا معمول تھا اور آنکھ لگی رہی جس کی وجہ سے) پورا معمول، یا اس کا کچھ حصّہ چھوٹ گیا، پھر اس کو فجر اور ظہر کے درمیانی وقفہ میں ادا کرلیا؛ تو اس کے نامۂ اعمال میں ایسا ہی لکھا جائے گا جیسا کہ رات میں ادا کیا۔

افادات:- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دم اخیر میں پانچ دس منٹ پہلے

آنکھ کھلی، اور ویسے تو معمول زیادہ رکعات پڑھنے کا ہے، لیکن اخیر میں آنکھ کھلنے کی وجہ سے وضو کر کے دو چار رکعات ہی ادا کرنے کا موقعہ ملا اور روزانہ جتنی ادا کرتے ہیں وہ ادا نہیں کر پایا بلکہ کچھ حصّہ رہ گیا، تو وہ چھوٹا ہوا حصّہ یا پورا معمول اگر رہ گیا ہے اس کو فجر اور ظہر کے درمیانی وقفہ میں ادا کرلے؛ تو رات کو ادا کرنے پر جو ثواب ملتا وہی ثواب ملے گا ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ کی تفسیر یہی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم کرے

۱۱۸۳:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((رَحِمَ اللهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّيْلِ، فَصَلَّى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا، فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ)) (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم کرے اس مرد پر جو رات کو تہجد کے لئے اٹھا، پھر اس نے تہجد کی نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی اٹھایا، اور بیوی نے اٹھنے سے جب انکار کیا تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکا (تاکہ نیند اُڑ جائے) اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس عورت پر جو رات کو اُٹھی اور تہجد کی نماز ادا کی، اس کے بعد اپنے شوہر کو بھی اٹھایا اور اس نے جب انکار کیا تو اٹھانے کے واسطے اس کے چہرے پر پانی ڈالا۔

افادات:- گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مرد اور ایسی عورت کے لئے دعا فرمائی ہے جو نیکی کے کام میں ایک دوسرے کا تعاون اور مدد کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں کو اُٹھانے کے لئے ایسی تدبیر اختیار کرنا- جوان کی نیند کو

اُڑانے والی ہو- جائز ہے، ایسا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے۔

ذاکرین اور ذاکرات میں شمار

۱۱۸۴:-وعنه وعن أبي سعيدٍ رضی اللہ عنہما قالا : قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :((إِذَا أَيْقَظَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا ، أَوْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَمِيعاً ، كُتِبَا فِي الذَّاكِرِينَ وَالذَّاكِرَاتِ)) (رواه أبو داود بإسناد صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے گھر والوں (بیوی) کو رات کے وقت اٹھاتا ہے، اور دونوں نماز ادا کرتے ہیں، یا دونوں مل کر دو رکعت ادا کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو ذاکرین اور ذاکرات میں شمار کرتے ہیں۔

افادات:- قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْراً وَّالذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْراً عَظِيْماً﴾ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑے اجر کا جو وعدہ کیا ہے، ایسے لوگوں میں اللہ تعالیٰ ان کو شمار کرتے ہیں۔ فقط دو رکعت پڑھنے پر یہ وعدہ ہے، مگر بیوی کو اٹھا کر ساتھ میں پڑھنے پر یہ فضیلت ملتی ہے۔

جب نیند کا غلبہ ہو جائے

۱۱۸۵:-وعن عائشة رضی اللہ عنہا أنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ:((إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ ، فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ ، لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ ، فَيَسُبَّ نَفْسَهُ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب تہجد میں اونگھنے لگے تو اس کو چاہیے کہ سو جائے یہاں تک کہ اس کی نیند پوری ہو جائے، اس لئے کہ کوئی آدمی نماز میں اونگھ رہا ہو تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے لئے دعائے مغفرت کرنا چاہتا ہے اور بددعا کر لیتا ہے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا پسندیدہ نہیں ہے کہ اونگھ کا ایسا غلبہ ہو کہ کیا پڑھ رہا ہے وہ بھی پتہ نہیں۔ پڑھ کچھ رہا ہے اور زبان سے نکل کچھ اور ہی رہا ہے۔ ایسی صورت میں تھوڑی دیر سو جانا چاہیے تاکہ نیند کا غلبہ ختم ہو جائے، پھر اُٹھ کر نماز ادا کرو۔

۱۱۸۶:- وعن أَبِي هريرة قَالَ: قَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ، فَاسْتَعْجَمَ الْقُرْآنَ عَلَى لِسَانِهِ، فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُولُ، فَلْيَضْطَجِعْ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی اٹھ کر تہجد کے لئے کھڑا ہوا، اور اس کی زبان پر قرآن پڑھنا مشکل ہو گیا (یعنی نیند کے غلبہ کی وجہ سے قرآن پڑھا نہیں جا رہا ہے) اس کو پتہ ہی نہیں کہ کیا پڑھ رہا ہے، تو اس کو چاہیے کہ لیٹ جائے پھر تھوڑی دیر آرام کر کے اُٹھے (لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا لیٹ جائے کہ وقت ہی ختم ہو جائے)۔

باب استحباب قیام رمضان وَهُوَ التراويح

قیامِ رمضان یعنی تراویح مستحب ہے

فضائل کا بیان چل رہا ہے، اسی سلسلہ میں قیام رمضان یعنی تراویح کا مستحب ہونا بتلاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فضیلتیں ارشاد فرمائی ہیں وہ پیش کریں گے۔

ماہِ رمضان المبارک کی اہمیت

ماہِ رمضان المبارک اپنی خصوصیات کی وجہ سے اس قابل ہے کہ آدمی اس پورے مہینہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ کر دے، اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی یہ مطلوب ہے کہ بندہ سال بھر اپنے کاروبار اور اپنے مشاغل میں مشغول ومصروف رہا، تو اب ایک مہینہ ایسا بھی ہونا چاہیے جس میں آدمی اپنے سارے کاروبار ومشاغل کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہو جائے۔ اور اگر اس کو مکمل چھوڑنا ممکن نہ ہو تو کم از کم آدمی سوچ کر یہ طے کر لے کہ کتنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونے کے لئے فارغ کر سکتا ہے۔ جتنا زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کرے گا وہ اس کے لئے مفید اور کارآمد ہوگا۔

ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے واسطے ہی پیدا کیا ہے، جس کا تقاضہ یہ تھا کہ آدمی اپنے سارے اوقات اور پوری زندگی کے تمام لمحات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں مشغول رکھتا، لیکن یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم اور احسان و

انعام ہے کہ اس نے انسانوں کو اپنی ضروریات کے واسطے بھی وقت کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔ہاں! کچھ عبادتیں ایسی ہیں جو فرض قرار دی گئی، جیسے: پنج وقتہ نماز، رمضان المبارک کے روزے وغیرہ؛ اور اس کے علاوہ باقی اوقات میں کچھ سنن و مستحبات رکھے گئے، اور پھر آدمی دوسرے اوقات کو اپنی ضروریات اور کاروبار میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت بھی دے دی گئی۔اور جب سال بھر یہ سلسلہ رہتا ہے تو رمضان کا ایک مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے لئے رکھا ہے جس میں یہ مطلوب ہے کہ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

خود نبیٔ کریم ﷺ بھی اس کا بڑا اہتمام اور بڑی تاکید فرماتے تھے۔شعبان کے آخری جمعہ میں جو خطبہ ارشاد فرماتے تھے اس میں بھی نبیٔ کریم ﷺ رمضان کے سلسلہ میں صحابۂ کرام کو تاکید فرما کر اس کو زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی طرف متوجہ کرتے تھے، بلکہ رمضان کی اہمیت بتلانے کے لئے رجب کا چاند دیکھتے ہی یہ دعا سکھلائی گئی ہے:﴿أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ﴾ اے اللہ! تو ہمیں رجب وشعبان میں برکت عطا فرما اور رمضان تک ہمیں پہنچا دے۔گویا رمضان اتنا قریب آ گیا ہے تو اب ایسا نہ ہو کہ رمضان کی برکتیں اور اس کے انوار وفضائل سے فائدہ اٹھانے سے پہلے ہی دنیا سے جانے کی نوبت آ جائے۔جیسے: بوڑھی عورتیں جب ان کا پوتا یا نواسہ بڑا ہو جاتا ہے تو دعائیں کرتی ہیں کہ: اے اللہ! میں اس کی شادی دیکھ کر جاؤں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے جانے کا وقت آ جائے۔تو حضور ﷺ نے رمضان کی خاص اہمیت بتلانے کے لئے یہ دعا سکھلائی کہ دو مہینے پہلے سے جب آدمی دعا کا اہتمام کرے گا تو رمضان کے لئے تیاری بھی کرے گا۔بہر حال! رمضان المبارک کی اپنی کچھ خصوصیات اور فضائل ہیں جیسا کہ آپ فضائلِ رمضان میں سنتے بھی ہیں۔

مراتبِ قرب کی کچھ منزلیں

اور اسی سلسلہ اللہ تعالیٰ نے نوافل کے قبیل سے ایک مستقل نماز رمضان کے مہینے میں مشروع فرمائی جو عشاء کی نماز کے بعد تراویح کے نام سے ادا کی جاتی ہے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے، وہ فرماتے تھے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے مہینے میں بندوں کے لئے مراتبِ قرب یعنی قرب کی کچھ منزلیں خصوصیت کے ساتھ الگ سے عطا فرمائی ہیں اس لئے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ بندہ جب سجدہ میں ہوتا ہے تو اپنے رب سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے، بندہ کی سب سے زیادہ قرب والی حالت وہ ہوتی ہے جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ تو گویا رمضان کے مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے مزید بیس رکعتیں مشروع قرار دیں اور ان کو سنّت بتلایا کہ ان کا اہتمام کیا جائے تاکہ بیس رکعتوں کی نسبت سے چالیس سجدے مزید بڑھ جائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا مزید قرب حاصل کرنے کا موقع ملے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں بندوں کو یہ کہا کہ تم کو اپنے مزید قرب کے لئے موقع فراہم کرتا ہوں، اس سے تم فائدہ اٹھاؤ۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو فرض کیا اور اس کی تراویح کو سنّت قرار دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی کا یہ حکم ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سنّت کو عملی طور پر جاری فرما کر نمونہ پیش کر گئے، اس معنیٰ کر اس کو سنّت بھی کہا جاتا ہے۔

ایمان ویقین کی قوت کے ساتھ قیام

۱۱۸۷:- عن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ((مَنْ قَامَ

رَمَضَانَ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کا قیام کیا (یعنی تراویح پڑھی۔ یہاں قیام سے خاص تراویح کی نماز ہی مراد ہے) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

افادات:- ایمان کا مطلب تو واضح ہے اس لئے کہ ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل قابلِ قبول نہیں، اس لیے ایمان نہ ہوتے ہوئے اگر کوئی آدمی چاہے کتنے ہی اعمال کرلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قبول ہی نہیں ہوں گے، کسی بھی عمل کے قبول ہونے کے واسطے ایمان شرط ہے۔

اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ثواب اور اجر کی امید رکھتے ہوئے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وہ عمل انجام دیا جائے۔ ریا، شہرت، نام ونمود اور دکھلاوا مقصود نہ ہو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس عمل کا ثواب اور اجر حاصل کرنے کے لئے جو عمل کیا جاتا ہے؛ اس کو احتساب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے ترجمہ کیا ہے کہ ایمان ویقین کی قوت کے ساتھ قیام کیا۔ اس لئے کہ ایمان ویقین جتنا زیادہ ہوگا اُتنا ہی اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہونا اور عبادت کرنا آسان ہوگا۔

پہلے بھی کئی مرتبہ یہ بات بتلا چکا ہوں کہ ان اعمال پر گناہوں کی معافی کا جو وعدہ کیا گیا ہے، اس سے صغیرہ گناہ کی معافی مراد ہے، اس لیے کہ کبیرہ گناہوں کے متعلق قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک آدمی توبہ نہ کرے، وہاں تک وہ معاف نہیں ہوتے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے والد صاحب کے حوالہ سے

لکھا ہے کہ: مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں کبیرہ گناہ تو ہونے ہی نہیں چاہئیں۔ کسی مؤمن سے اگر کبھی کبیرہ گناہ سرزد ہو بھی جائے تو جب تک توبہ کرکے اور رو دھو کر، اس گناہ پر ندامت و پچھتاوے کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کر لے اور اس گناہ کو معاف نہ کروا لے؛ وہاں تک اس کو چین نہ آئے۔ اس لئے اگر کبھی مؤمن سے کبیرہ گناہ ہوا بھی ہو تو وہ اس کے نامۂ اعمال میں باقی نہیں رہے گا۔ جیسے بابرکت راتیں اور بابرکت اوقات آتے ہیں جن میں خاص طور پر عبادت کا اہتمام کیا جاتا ہے، ان مواقع پر آدمی کچھ عبادات کر لیتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے گناہوں کو یاد کر کے دل میں ندامت و پچھتاوے کا جذبہ و احساس پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام توبہ ہے؛ جس کے نتیجہ میں اس کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جب مؤمن کے نامۂ اعمال میں کبیرہ گناہ ہوں گے ہی نہیں، اور صغیرہ گناہ اس طرح معاف ہو جائیں گے، تو یہاں جو وعدہ کیا گیا اور جو فضیلت بتلائی گئی وہ اس کو حاصل ہو جائے گی۔

۱۱۸۸:- وعنه قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ ﷺ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ، فيقولُ: ((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے قیام کی ترغیب دیتے تھے اور لازمی طور پر حکم دئے بغیر اس کے فضائل بیان کر کے لوگوں کو اس پر اُکساتے اور آمادہ کرتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دینے کے لئے ایک جملہ یہ بھی ارشاد فرمایا: جو آدمی ایمان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کی نیّت سے رمضان کے مہینے میں تراویح پڑھے گا؛ تو اس کے پچھلے سارے گناہ سب معاف کر دئے جائیں گے۔

افادات:- یہ نماز فرض اور واجب نہیں ہے، سنّت ہے، اور لزوم کی جو کیفیت فرائض میں ہوا کرتی ہے وہ اس میں نہیں ہے، لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی ترغیب دیتے تھے لہٰذا بڑے ذوق وشوق سے یہ عمل انجام دینا چاہیے۔

اتنی بے توجہی اور بے رغبتی!

رمضان کے مہینہ میں بہت سے لوگ تراویح پڑھتے ہی نہیں، اور بہت سے پڑھنے کے لئے آتے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لئے بوجھ سمجھتے ہیں، حالاں کہ اس کی ادائیگی میں جس شوق ورغبت کا اہتمام ہونا چاہیے وہ ہماری طرف سے کماحقہٗ ہونہیں پاتا۔ بہت سی جگہ صرف سوا پارہ پڑھا جاتا ہے اس میں بھی کھڑا ہونا لوگوں کے لیے ایسا بھاری معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ امام رکوع میں نہ جائے وہاں تک نیّت باندھتے ہی نہیں، اور پہلی رکعت کے انتظار میں رہتے ہیں کہ امام صاحب رکوع میں جائیں تو جلدی سے کھڑے ہو کر نیّت باندھ لیں، حالاں کہ تراویح جو مشروع کی گئی اس میں مختلف وجوہات اور حکمتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآنِ پاک کو پڑھا اور سنا جائے۔ جب آپ نیت ہی نہیں باندھیں گے تو قرآن پاک سننے کی سنّت ادا نہیں ہوگی۔ اس لئے شوق اور رغبت اور پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت سمجھتے ہوئے اس میں مشغول ہونا چاہیے کہ یہ مہینہ ہمیں عطا کیا گیا ہے، پتہ نہیں پھر یہ موقع دوبارہ ملے گا یا نہیں؛ اس لئے آدمی ذرّہ برابر بھی سستی وکاہلی سے اس میں کام نہ لے۔

بَابُ فَضْلِ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَبَيَانِ أَرْجٰى لَيَالِهَا

لیلۃ القدر میں عبادت کی فضیلت

اور کونسی رات کے متعلق شبِ قدر ہونے کی زیادہ امید ہے

شبِ قدر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ امّتِ محمدیہ کو عطا فرمائی ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امّتِ محمدیہ کی عمروں کا تذکرہ کیا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ﴿أَعْمَارُ أُمَّتِيْ مَابَيْنَ سِتِّيْنَ إِلَى سَبْعِيْنَ﴾ میری امّت کی عمریں ساٹھ سے لے کر ستر کے درمیان ہے، عام طور پر امّتِ محمدیہ کے لوگ ساٹھ، ستر کے درمیان رخصت ہوجاتے ہیں، کوئی ذرا آگے بڑھ گیا تو بڑھ گیا، ورنہ عام طور پر یہی عمریں رہتی ہیں۔ اپنی امّت کی عمروں کو یاد کیا اور اس کے مقابلہ میں اگلی امّتوں کو جو عمریں دی گئی تھی اس کو جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو آپ کو یہ خیال ہوا کہ عبادات میں میری امّت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ایک غم کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امّت کے ساتھ کتنا تعلق تھا کہ یہ چیز بھی آپ کے لئے باعثِ غم ہوئی، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ قدر اتاری گئی جس میں ارشاد فرمایا: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اور ہزار مہینوں کا حساب لگایا گیا تو تراسی (۸۳) سال

اور چار (۴) مہینے ہوتے ہیں۔ اور فرمایا گیا کہ اس سے بہتر ہے۔ اگر کوئی آدمی تراسی سال اور چار مہینے عبادت کرے اس کو شبِ قدر میں عبادت کا ثواب اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ اور وہ زیادتی کتنی ہوگی وہ بھی اس میں نہیں بتلائی گئی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایک رات کا اتنا زیادہ ثواب ہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو زندگی میں دس راتیں بھی مل جائیں تو یوں سمجھئے کہ آٹھ سو تینتیس سال (۸۳۳ رسال) بلکہ اس سے زیادہ عبادت کا ثواب ملے گا۔ اس لئے یہ بڑے اہتمام کی چیز ہے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا تذکرہ کیا جس نے پانچ سو سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، یہ سن کر صحابہ کرامؓ کو یہ خیال ہوا کہ ہمیں تو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا اور اس پر افسوس بھی ہوا کہ ہم باوجود چاہنے کے اس پر عمل نہیں کر سکتے؛ اس پر سورۂ قدر نازل ہوئی جس میں بتلایا گیا کہ شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اب ظاہر ہے اگر ایسی چند راتیں آدمی کو میسر ہو جائیں تو اس کی کامیابی اور مراد برآنے کے لئے کافی ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآنِ پاک کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ پوری سورۃ ہی شبِ قدر کی فضیلت بیان کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾ ہم نے قرآنِ پاک کو بابرکت رات میں نازل کیا۔ یہاں پر بھی شبِ قدر مراد لی گئی ہے۔

آگے اس کے فضائل اور اس میں قیام وعبادت کے فضائل بتلا رہے ہیں۔

۱۱۸۹:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی لیلۃ القدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ کھڑا رہا (یعنی اس نے نماز پڑھی اور عبادت کی) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

افادات:- اس کی شرح کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ نماز پڑھنا ہی ضروری نہیں بلکہ عبادت کے دوسرے جتنے طریقے ہیں جیسے: تلاوت، دعا، تسبیحات وغیرہ؛ ان میں سے کسی بھی طریقۂ عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی، اور اپنے اوقات کو اس میں صرف کیا، تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

جو آدمی شبِ قدر کو تلاش کرنا چاہے

۱۱۹۰:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أَنَّ رِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الأَوَاخِرِ، فَقَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الأَوَاخِرِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے صحابہ کو خواب میں شبِ قدر کا آخری سات راتوں میں ہونا دکھلایا گیا۔ جب صحابہ کرام نے اپنے یہ خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سب کے خواب آخری سات راتوں کے متعلق متفق ہورہے رہیں، اس لئے جو آدمی شبِ قدر کو تلاش کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔

افادات:- خواب میں یہ بتلایا گیا کہ رمضان کی آخری سات راتوں میں شبِ قدر ہے۔ اگر تیس کا مہینہ ہو تو آخری سات راتیں چوبیس سے لے کر تیس تک ہوتی

ہیں، اور اگر انتیس کا مہینہ ہو تو تیئیس سے لے کر آخر تک ہوتی ہیں، ان ساری راتوں میں اس کو تلاش کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ کئی حضرات کا ایک ہی طرح کا خواب دیکھنا بھی اُس خواب کے سچا ہونے کی علامت ہے۔ یعنی ایک طرح کی چیز کئی لوگوں نے خواب میں دیکھی اور سب بیان کر رہے ہیں تو یہ گویا اس بات کی نشانی سمجھی جائے گی کہ یہ خواب سچا ہے، جیسا کہ اذان کے متعلق آتا ہے کہ جب نبیٔ کریم ﷺ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ لوگوں کو نماز کے واسطے بلانے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کے لیے مشورہ ہوا اور جب کوئی بات طے نہیں ہوئی تو پھر رات کو بہت سے لوگوں نے خواب دیکھا جس میں اذان کا طریقہ بتلایا گیا۔ اس موقعہ پر بھی حضور اکرم ﷺ نے یہی فرمایا کہ تم سب لوگوں کے خواب ایک چیز پر متفق ہو رہے ہیں۔ یہاں پر بھی کئی لوگوں نے خواب دیکھے اور کئی لوگوں کا ایک طرح کا خواب دیکھنا اُس خواب کے سچا ہونے کی علامت ہے لہٰذا حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو آدمی شبِ قدر کو تلاش کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔ رمضان کے مہینے میں آخری سات راتوں میں جاگ لینا کوئی مشکل نہیں ہے، لوگ معمولی معمولی مقاصد کے لئے معمولی معمولی اغراض کے لئے چند ٹکوں، پیسوں کے خاطر رات بھر جاگتے ہیں۔ کوئی آدمی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور تراسی (۸۳) سال کی عبادت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے اگر چند راتیں جاگ لے؛ تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو

۱۱۹۱:- وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ رسولُ الله ﷺ يُجاوِرُ في

الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، ویقول: ((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے: شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔

۱۱۹۲:- وعنها رضی اللہ عنہا أَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْوَتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)) (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

افادات:- جمہور علماء یہی فرماتے ہیں کہ آخری عشرہ سے مراد اکیس (۲۱) سے لے کر آخر تک ہے؛ چاہے مہینہ انتیس (۲۹) کا ہو، یا تیس (۳۰) کا ہو۔ البتہ علّامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے عالم اور محدث گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر مہینہ تیس (۳۰) کا ہو تو آخری عشرہ اکیس (۲۱) سے لے کر تیس (۳۰) تک کہا جائے گا، اور اگر انتیس (۲۹) کا ہو تو بیس (۲۰) سے لے کر انتیس (۲۹) تک شمار کیا جائے گا۔ لیکن چوں کہ اعتکاف کی ابتدا سب کے نزدیک بیس (۲۰) کی شام اور اکیس (۲۱) کی شب سے ہوتی ہے، اس لئے اکثر نے وہی مراد لیا ہے اور وہی راجح بھی ہے۔

شبِ قدر دو ہوتی ہیں

ویسے شبِ قدر کے متعلق بہت سارے اقوال ہیں، پچاس (۵۰) قول ہیں کہ کب ہوتی ہے۔ بعض حضرات اس طرف گئے ہیں، علّامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ سال بھر میں گھومتی رہتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: شبِ قدر دو ہوتی ہیں، ایک تو وہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے متعلق فیصلے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے معاملات طے ہوتے ہیں؛ وہ تو سال بھر میں گھومتی رہتی ہے، اور قرآنِ پاک جس سال نازل ہوا وہ رمضان المبارک میں تھی۔ اس لیے کہ قرآن پاک کے نزول دو ہیں، ایک تو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک جو یکبارگی ہوا ہے۔ اور دوسرا نزول آسمان دنیا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر؛ وہ تیئیس (۲۳) سال تک مختلف اوقات میں اُترتا رہا۔ لہٰذا ﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ فِي لَيۡلَةِ ٱلۡقَدۡرِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر جو اُتارا وہ اسی رات میں اتارا جو اس سال رمضان میں تھی۔

اور دوسری وہ رات جس میں دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں اور انوارات کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے؛ وہ البتہ رمضان ہی میں ہوتی ہے۔ ویسے اکثر حضرات اِس طرف گئے ہیں کہ شبِ قدر رمضان ہی میں ہوتی ہے، اور رمضان میں آخری عشرہ ہی میں اور اس میں بھی آخری عشرہ کی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ میں ہوتی ہے۔ اگر چہ بعضوں نے پورے عشرہ ہی میں زیادہ تلاش کرنے کو کہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اکیس (۲۱) تیئیس (۲۳) اور چوبیس (۲۴) میں ہونا روایتوں میں آیا ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اکابرِ صحابہ میں سے ہیں وہ تو فرماتے ہیں کہ ستائیس (۲۷) ہی کو شبِ قدر ہوتی ہے۔ اس لیے آدمی کو رمضان المبارک کی راتوں میں خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو پورے سال رات کی دو نمازوں یعنی مغرب اور عشاء کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس لیے کہ فجر

صبحِ صادق کے بعد ہوتی ہے لہٰذا وہ تو دن کی نماز میں آجاتی ہے۔اس لیے کم سے کم یہ دو نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا پورے سال اہتمام کروگے تو شبِ قدر میں عبادت ہو ہی جائے گی اور اس صورت میں بہت بڑا ثواب مل جائے گا اور یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ان راتوں میں عبادات کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان کا پورا مہینہ سوتے نہیں تھے، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی پورا پورا قرآن ایک رات میں پڑھنا ثابت ہے۔

حضراتِ تابعین میں سے بہت سے حضرات وہ تھے جو سال بھر رات میں ہمیشہ جاگا کرتے تھے جیسا کہ پہلے بتلا چکا ہوں۔حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ جو اکابرِ تابعین میں سے ہیں ان کے متعلق ہے کہ پچاس سال تک انھوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی یہی ہے۔وہ حضرات رات بھر عبادت کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت شدّاد کے متعلق لکھا ہے، وہ فرماتے تھے: اے اللہ! جہنم کی آگ نے میری نیند اڑا دی۔

حضرت صلہ بن اُشَیم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ رات بھر عبادت کرتے تھے اور جب سحر کا وقت ہوتا تو صبحِ صادق سے پہلے یہ دعا کرتے تھے: یا اللہ! اس بات کی تو مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں تجھ سے جنّت مانگوں، بس! جہنم کے عذاب سے مجھے بچا لینا۔

بہرحال! یہ حضرات عبادت کرنے کے بعد ڈرتے رہتے تھے، انہیں کے اوصاف میں یہ آیت ہے ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ رات کے آخری حصہ میں

وہ لوگ اپنے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں۔ گویا رات بھر کی اپنی عبادت کو بھی وہ لوگ نیکی نہیں سمجھتے، بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ پتہ نہیں؛ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوئی یا نہیں۔

قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو ایسی حالت میں کرتے ہیں کہ ان کے دل ڈرے رہتے ہیں۔ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ﴿يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ کیا گناہ کرنے کے بعد ڈرے سہمے رہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ایسا نہیں ہے، گناہ کرنے کا تو سوال ہی نہیں، بلکہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ انجام دینے کے بعد اس بات سے ڈرے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں! ہمارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول بھی ہوا یا نہیں، اللہ تعالیٰ کے دربار کی شان کے مطابق ہے بھی یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ منھ پر مار دیا جائے۔ اس لیے ہمیں بھی ان کیفیات کے ساتھ عبادات کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ہمارے معاشرہ کی عام وبا

آج ہم میں ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ مبارک رات ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ بڑی رات ہے؛ جاگو۔ حالاں کہ جاگنے کا مطلب صرف جاگنا نہیں ہے، بلکہ جاگ کر عبادت کرنا ہے۔ بہت سے لوگ صرف جاگنے ہی کو کافی سمجھتے ہیں، اور کسی بھی طریقے سے وقت گزاری، مجلس بازی، لطیفہ بازی، اور پتہ نہیں کیسے کیسے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں، بعض لوگ گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نوجوان موٹر سائیکل لے کر گھومنے نکل جاتے ہیں، چوپاٹی کے چکّر لگاتے ہیں؛ یہ سب بالکل غلط طریقے ہیں۔ ارے اللہ کے بندو! اگر یہی سب کرنا تھا تو پھر تو سو گئے ہوتے یہ زیادہ اچھا تھا۔

یہ رات صرف جاگنے کی نہیں ہے، اور صرف جاگنا مقصود بھی نہیں ہے، بلکہ مقصود تو عبادت ہے، اگر جاگ کر اس کو ضائع کرنا ہے تو اس کے بجائے آدمی سو جائے یہ زیادہ اچھا ہے، تاکہ اتنا وقت گناہوں سے تو اپنے آپ کو بچا کر رکھ سکے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ پہلے بھی کبھی سنا چکا ہوں کہ ان کو ان کے والد صاحب نے بچپن ہی سے رات کو تہجد میں نماز کے لئے اٹھنے کی عادت ڈالی تھی۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ دوسرے لوگ سو رہے تھے، میں اس وقت بچہ تھا، میں نے والد صاحب سے کہا: یہ لوگ ایسے پڑے ہوئے ہیں جیسے کہ مردے پڑے ہوں۔ تو والد صاحب نے مجھ سے کہا: بیٹا! تو بھی اگر سویا رہتا تو زیادہ اچھا تھا اس بات سے کہ لوگوں کی غیبت میں مشغول ہوا۔

تو درحقیقت جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوا جائے اور ایسی مبارک راتوں اور ایسے مبارک اوقات میں چھوٹے بڑے ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانے کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیے، خدانہ کرے ان راتوں میں اگر کوئی آدمی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو جیسے ان راتوں میں عبادت کا ثواب بہت بڑا ہے، اسی طریقہ سے ان میں گناہ کی وجہ سے وبال بھی بہت بڑا ہے۔ جیسے: کوئی آدمی حرم میں جا کر عبادت کرے گا تو ایک لاکھ گنا ثواب ملتا ہے، اسی طرح وہاں اگر گناہ کرے گا تو گناہ کا وبال بھی اُسی مناسبت سے ہوا کرتا ہے۔

بہرحال! جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وقت گزارا جائے۔

اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے

۱۱۹۳:- وعنها رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ

الأَوَاخِرُ مِنْ رَمَضَانَ، أَحْيَا اللَّيْلَ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ، وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو آپ رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بھی خوب جدّ جہد اور محنت سے کام لیتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ازار باندھ لیا کرتے تھے۔

افادات:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کو اس بات کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔ بہت سے حضرات اپنے طور پر تو اس کا اہتمام کرتے ہیں لیکن اپنے گھر والوں پر توجہ نہیں کرتے، اگر چہ ان کو پوری رات نہ جگائے، لیکن ترغیب دے کر کچھ نہ کچھ اعمال کروانے کی عادت ڈالنی چاہیے، دھیرے دھیرے عادت پڑ جائے گی "وَشَدَّ الْمِئْزَرَ" یعنی کسی کام کے لیے کمر باندھ لینا اور بالکل تیّار ہو جانا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرزِ عمل

۱۱۹۴:- وعنها رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم يَجْتَهِدُ فِي رَمَضَانَ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ، وَفِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْهُ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان کے مہینہ میں عبادت وغیرہ میں اتنی مشقت اٹھاتے تھے کہ رمضان کے علاوہ میں اتنی نہیں اٹھاتے تھے، اور رمضان کے آخری عشرہ میں تو اتنی زیادہ جو اور کسی دن میں نہیں ہوا کرتی تھی۔

افادات:- جیسا کہ اوپر بتلایا تھا رمضان المبارک کا مہینہ خاص طور پر وصول کرنے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا مہینہ ہے۔ اس لئے آدمی کو خاص طور پر عبادت کی مشقت اُٹھانی چاہیے اور اس میں بھی آخری دس راتوں میں تو اور زیادہ

اہتمام کرنا چاہیے۔

شبِ قدر کی خاص دعا

۱۱۹۵:-وعنها رضی اللہ عنہا قالت: قُلْتُ: يَا رسول الله، أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ: ((قُولِي: اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي)) (رواه الترمذی، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتلایئے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کونسی رات شبِ قدر ہے؛ تو میں اس میں (خاص طور پر) کونسی دعا مانگوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا مانگو: "اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ" اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے؛ لہٰذا میرے گناہوں کو معاف کر دے۔

افادات:- قربان جایئے حضراتِ صحابۂ کرام پر! کہ مبارک راتوں میں کیا مانگنا چاہیے وہ بھی انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بتلا دیا؛ پھر بھی ہم اس کا اہتمام نہیں کرتے۔ ہم تو اپنے طور پر اپنے دماغ میں جن چیزوں کو لیے بیٹھے ہیں؛ انہیں کو مانگتے رہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں کی تاکید فرمائی ہے اور جن چیزوں کی تعلیم دی ہے؛ اُدھر ہمارا کبھی خیال بھی نہیں جاتا۔

اس دعا کے ذریعہ اتنی بڑی چیز منگوائی گئی ہے کہ اگر وہ مل جائے تو دونوں جہاں کی کامیابی مل گئی ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ جو آدمی جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنّت میں داخل کیا گیا تو وہی ہے حقیقی کامیاب۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر مغفرت کا پروانہ مل جائے، گناہوں سے معافی دیدی جائے؛ تو یہ سب سے بڑی کامیابی کی چیز ہے:-

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر ❁ قلمِ عفو بر گناہم کش

میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعتوں اور عبادتوں کو قبول کرلیا جائے، بلکہ میرے گناہوں پر معافی کا قلم پھیر دیا جائے۔ تو حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا پروانہ مل جانا؛ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے مغفرت کے طلب کرنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

ہم لوگوں کا بھی عجیب مزاج بنا ہوا ہے کہ ہم اپنی دنیا کی اِدھر اُدھر کی ساری چیزیں مانگتے رہتے ہیں، لیکن بھولے سے بھی مغفرت مانگنے کی طرف دھیان نہیں جاتا، ہماری نگاہوں میں بس مانگنے کے لئے بھی دنیا ہی کی چیزیں ہیں، آخرت کی نعمتیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو چیزیں مانگ کر بتلائی ہیں ان کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

فَضْلُ السِّوَاكِ وَخِصَالُ الْفِطْرَةِ

مسواک کے فضائل اور فطرت کی باتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے، اور ہر ہر مخلوق اپنے ایک الگ مخصوص مزاج، مخصوص اوصاف وخوبیوں اور امتیازی شانوں کی حامل ہوا کرتی ہے؛ اسی کو عربی میں فطرت اور جبلّت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے: بہت سوں کے مزاج میں تیزی ہوتی ہے، اور ان کے متعلق لوگ کوشش کرتے ہیں کہ یہ تیزی باقی نہ رہے؛ تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو اس کی فطرت ہے، گویا اس کی پیدائش ہی اس انداز سے ہوئی ہے کہ تیزی والا مزاج اس کے اندر پایا جاتا ہے، اب چاہے کتنی ہی محنت کی جائے تب بھی وہ تیزی اس کے اندر سے نکلنے والی نہیں ہے۔ ہاں! اس پر اتنی محنت کی جاسکتی ہے کہ وہ غلط جگہ استعمال ہونے کے بجائے صحیح جگہ استعمال ہونے لگے۔ تو فطرت کی کچھ باتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھی ہیں کہ وہ اپنی فطرت اور مزاج کی وجہ سے انہیں امور کو اختیار کرے گا۔ اور علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتِ سلیمہ پر پیدا فرمایا، پھر انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا جو فطرتِ سلیمہ ہی کی دعوت دیا کرتے ہیں، تو گویا نبیوں کا طریقہ اور ان کی سنتیں فطرت ہی کا ایک حصہ ہیں، ہر نبی نے انسانوں کو انسانیت کی دعوت دی اور جو چیزیں امت تک پہنچائیں ان میں جن چیزوں کے کرنے کی طرف توجہ دلائی یا جن چیزوں سے روکا، دراصل ہر آدمی کی فطرتِ سلیمہ اسی کا تقاضہ کرتی ہے۔ اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی سنتیں

فطرت کی باتیں ہیں۔اس باب میں اصل تو مسواک کے فضائل کا عنوان قائم کیا ہے اور مسواک کو دین کی اہم سنتوں میں شمار کیا گیا ہے، مسواک کرنا سنّتِ مؤکدہ ہے۔

کن کن مواقع پر مسواک کی جائے؟

تو علماء نے لکھا ہے کہ وضو کے موقع پر، نماز کے موقع پر، نیند سے بیدار ہونے کے وقت، منھ میں اگر بد بو پیدا ہو جائے، یا دیر تک بولنے کی وجہ سے منھ کی بو میں فرق آجائے تو اس کو دور کرنے کے لئے، جب آدمی باہر سے گھر میں آئے؛ یہ مختلف اوقات بتائے گئے ہیں جن مواقع میں مسواک کے استعمال کو مستحب اور سنّت قرار دیا گیا ہے۔

مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی؟

اور خاص طور پر جہاں نماز کا مسئلہ آتا ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسواک وضو کی سنّت ہے، یعنی وضو کرتے وقت اگر آپ نے مسواک استعمال کرلی اور مسواک کا اہتمام کیا تو اُس وضو سے جتنی بھی نمازیں ادا کریں گے، چاہے فرض ہو، یا نفل؛ ان تمام نمازوں کو مسواک کے ساتھ ادا کیا ہوا ہی کہا جائے گا، اور بغیر مسواک والی نماز پر مسواک والی نماز کو جو فضیلت دی گئی ہے؛ وہ فضیلت آپ کو حاصل ہو جائے گی۔ لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں: اگر وضو کر کے فوراً نماز ادا کی اور اس وضو میں بھی مسواک کرلی ہے وہ کافی ہو جائے گی، اور اگر وضو کئے ہوئے دیر ہو گئی ہے تو اس صورت میں نماز کے لئے الگ سے مسواک کرنا مستحب ہے، اگرچہ اس کو سنّتِ مؤکدہ قرار نہیں دیا ہے لیکن اچھا اور بہتر ہے، البتہ اگر کسی آدمی کو یہ ڈر ہو کہ مسواک کرنے کے نتیجہ میں مسوڑھوں کے کمزور ہونے کی وجہ سے خون نکل آئے گا تو پھر

مسواک استعمال نہ کرے، ورنہ دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ مسواک وضو کی سنت تو ہے ہی، لیکن نماز کی بھی الگ سے سنّت ہے، اس لیے مسواک والی نماز کو بغیر مسواک والی نماز کے مقابلہ میں جو فوقیت وفضیلت حاصل ہے وہ تو اسی وقت حاصل ہوگی جب نماز کے لئے الگ سے مسواک کریں گے۔

وضو میں مسواک کب کی جائے؟

اس سلسلہ میں فقہ کی کتابوں میں دو باتیں لکھی ہیں، ایک تو یہ کہ وضو شروع کرنے سے پہلے یعنی گٹوں تک ہاتھ دھو کر پہلے مسواک کرلے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ کلّی کرتے وقت مسواک کی جائے، اور اسی وقت مسواک کرنے والے قول کو زیادہ راجح قرار دیا گیا ہے۔

مسواک کون سے درخت کی ہونی چاہیے؟

حدیث میں پیلو کا تذکرہ آیا ہے۔ پیلو ایک درخت کی جڑ کی لکڑی ہوتی ہے جس میں ایک مخصوص قسم کی بو بھی ہوا کرتی ہے اور اس کا ایک مخصوص ذائقہ بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے دانتوں کی صفائی بھی ہوتی ہے، اسی کو ترجیح دی گئی ہے، باقی اس کے علاوہ اور ایسے درخت جن میں کچھ کڑواہٹ ہو اور اس کی لکڑی نرم ہو، اس سے بھی مسواک کی جاسکتی ہے۔ ہاں! زہریلے درخت کی لکڑی، یا جو ایسی سخت ہو کہ ان کو استعمال کرنے کے نتیجہ میں دانتوں سے خون نکلنے یا مسوڑھوں کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو، جیسے: بانس وغیرہ؛ تو اس سے مسواک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مسواک کی مقدار کتنی ہونی چاہئے؟

تو اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ جب نئی استعمال کرنا شروع کرے تو لمبائی کے اعتبار سے ایک بالشت ہونی چاہیے، اور موٹائی کے اعتبار سے درمیانی انگلی کے بقدر ہو، اور زیادہ سے زیادہ انگوٹھے کے برابر موٹی ہونی چاہیے، اس سے زیادہ موٹی نہ ہو۔ اور خود استعمال کرنے والے کی بالشت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ درمیانی قد کے انسان کی بالشت کا اعتبار کیا جائے گا۔

استعمال کا طریقہ کیا ہے؟

استعمال کرنے کا طریقہ یہ بتلایا ہے کہ مسواک کو مٹھی میں پکڑنے کے بجائے اس طرح پکڑا جائے کہ چھوٹی اُنگلی اخیری سرے پر رکھی جائے اور انگوٹھے اور بقیہ انگلیوں سے پکڑی جائے، اور پہلے دائیں طرف اوپر کے دانت، پھر بائیں طرف اوپر کے دانت، پھر دائیں طرف نیچے کے دانت، پھر بائیں طرف نیچے کے دانت، اس کے بعد پھر اندر کے حصہ میں بھی کی جائے، ڈاڑھوں پر بھی کی جا سکتی ہے۔ اور دانتوں کی چوڑائی کے اعتبار سے استعمال کی جائے گی، لمبائی کے اعتبار سے نہیں، اس لئے کہ اس طرح استعمال کرنے میں مسوڑھوں کو نقصان ہو سکتا ہے، اگرچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث میں ایسی کوئی تحدید نہیں ہے، اس لیے لمبائی کے اعتبار سے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

مسواک تین مرتبہ کی جائے، مثلاً: ایک مرتبہ اس کو پانی سے بھگا کر دائیں طرف اوپر، پھر بائیں طرف اوپر، پھر دائیں طرف نیچے، پھر بائیں طرف نیچے کر لی جائے۔ پھر دوبارہ پانی سے بھگا کر اسی طرح کی جائے، پھر تیسری مرتبہ بھگا کر اسی طرح

کرلی جائے۔ اور استعمال کرنے کے بعد جو ریشے والا حصہ ہے اس کو اوپر کی طرف رکھ کر مسواک کو کھڑا رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

اگر امّت کے مشقّت میں پڑنے کا ڈر نہ ہوتا......

۱۱۹۶:- عن أَبِي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: ((لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي - أَوْ عَلَى النَّاسِ - لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاَةٍ))(متفقٌ عَلَيهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میری امّت کے مشقّت میں پڑنے کا ڈر نہ ہوتا؛ تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا ان کو (وجوبی طور پر) حکم دیتا۔

افادات:- اور واجب قرار دینے کی صورت میں اگر کوئی آدمی ہر نماز کے وقت اس پر عمل نہ کرتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس حکم کے چھوڑنے کے نتیجہ میں امّت گنہگار ہو کر مشقت و مصیبت میں پڑ جاتی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو واجب قرار نہیں دیا۔ باقی جیسا کہ ابھی بتلایا ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے، لہٰذا استحباب والا حکم اب بھی موجود ہے، لیکن استحباب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی نہیں کرے گا تو فضیلت سے محروم رہے گا، باقی گنہگار نہیں ہوگا۔ جبکہ وجوبی حکم دیا جاتا تو نہ کرنے کی صورت میں گنہگار ہوتا اور یہ چیز امّت کے لئے مشقّت اور تکلیف کی ہوتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نیند سے بیدار ہوتے وقت کا معمول

۱۱۹۷:- وعن حُذَيْفَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم إِذَا قَامَ مِن

النَّوۡمِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. (متفقٌ عَلَيۡهِ) ((الشَّوۡصُ)): الدَّلۡكُ.

ترجمہ:- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نیند سے اُٹھتے تھے تو اپنے دہنِ مبارک کو مسواک سے ملتے تھے (یعنی مسواک استعمال فرماتے تھے)

افادات:- جیسا کہ ابھی بتلایا جن مواقع میں مسواک کرنا مستحب ہے ان میں سے ایک موقع یہ بھی ہے کہ آدمی جب نیند سے بیدار ہو۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کا استعمال فرماتے تھے ویسے بھی سونے کے نتیجہ میں منھ کی بو میں فرق آجاتا ہے، کچھ رطوبتیں بھی جمع ہوجاتی ہیں، مسواک استعمال کرنے کے نتیجہ میں منھ کی صفائی ہوجائے گی۔ سونے سے پہلے بھی مسواک کرنا مستحب ہے اور سوکر اٹھنے کے بعد بھی مسواک کرنا مستحب ہے۔

۱۱۹۸:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كُنَّا نُعِدُّ لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سِوَاكَهُ وَطُهُورَهُ، فَيَبۡعَثُهُ اللهُ مَا شَاءَ أَنۡ يَبۡعَثَهُ مِنَ اللَّيۡلِ، فَيَتَسَوَّكُ، وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي

(رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (اُمّہات المؤمنین) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آپ کی مسواک اور وضو کا پانی تیار کر کے رکھ دیا کرتی تھیں (یعنی آپ صبح اٹھیں گے تو آپ کو وضو کے لئے پانی کی ضرورت پیش آئے گی، اور مسواک استعمال فرمائیں گے) پھر اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوتا آپ کو اٹھاتا (یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو رات کے کسی حصہ میں اٹھاتا تو) آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھتے، مسواک فرماتے، وضو فرماتے اور نماز ادا فرماتے۔

افادات:- ازواجِ مطہرات رات ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مسواک اور وضو کے لیے پانی تیّار کر کے رکھ دیا کرتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے مناسب ہے کہ اپنے شوہر کی خدمت میں اس کا بھی اہتمام کرے، کم سے کم پانی کا

لوٹا ہی رکھ دے، تاکہ اس کو غیرت آئے اور وہ نماز کے لئے اٹھنے کی کوشش کرے۔

یہاں بتلایا گیا کہ مسواک ایک ایسی چیز ہے جس کا پہلے سے اہتمام کیا جانا چاہیے، جیسے: وضو کے پانی کا پہلے سے تیّار رکھنے کا اہتمام ہو اسی طرح مسواک کو بھی پہلے سے تیّار کرکے رکھا جائے تاکہ وقت پر اس کے استعمال میں کوئی دشواری اور رُکاوٹ پیش نہ آئے، ایسا نہیں کہ وقت پر ڈھونڈنا پڑے۔

۱۱۹۹:-وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِى السِّوَاكِ)) (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: میں نے تم کو مسواک کے سلسلہ میں بہت زیادہ تاکید کردی ہے۔

افادات:- گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کو مسواک کی اتنی زیادہ تاکید فرمائی تھی کہ آپ کو خود بھی اس کا احساس ہوا اور آپ نے اس کا اظہار کیا کہ میں نے مسواک کے سلسلہ میں تم کو بہت مرتبہ کہا ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت کا معمول

۱۲۰۰:-وعن شریح بن هانیءٍ، قَالَ: قلت لعائشة رضی اللہ عنہا: بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟ قالت: بِالسِّوَاكِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت شریح بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلا کام کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: مسواک کرتے تھے۔

افادات:- آدمی چوں کہ باہر ہوتا ہے تو بولنے کی بھی نوبت آتی ہے اور

دیر تک بولنے کی وجہ سے بھی منہ کی بو میں فرق آجاتا ہے، جیسے دیر تک خاموش رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے تو گھر والوں کے پاس قریب بیٹھنے اور ان سے بات کرنے کا موقع آتا ہے، لہٰذا پہلے سے مسواک کرلی جائے، تاکہ منہ کی بدبو سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ویسے بھی کسی مجمع میں حاضری کا موقع ہو اس وقت بھی مسواک کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

زبان پر بھی مسواک پھیرے

۱۲۰۱:- وعن أبي موسىٰ الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: دَخلتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَطَرَفُ السِّوَاكِ عَلَى لِسَانِهِ. (متفقٌ عَلَيْهِ، وهذا لفظ مسلمٍ)

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت مسواک کی ایک طرف کا حصہ آپ کی زبان پر تھا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زبان پر مسواک استعمال فرمارہے تھے)۔

افادات:- یہاں ایک واقعہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی قوم نے درخواست کی کہ ہمیں سواری کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ جاکر سواری مانگئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جس وقت پہنچے اور جو منظر دیکھا اس کو بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک پر مسواک کی نوک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسواک کا استعمال زبان کی صفائی کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے، خاص کر سوکر اٹھنے کے بعد مسواک کا کچھ حصہ زبان پر بھی پھرا لیا جائے تاکہ زبان پر جو رطوبتیں جمع ہوئی ہیں وہ دور ہوجائیں، اور اس کی وجہ سے آدمی کا گلا بھی صاف ہوجاتا ہے اور آواز بھی صاف ہوجاتی ہے۔

منھ کی صفائی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ

۱۲۰۲:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا: أنّ النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: ((السِّوَاكُ مطهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ للرَّبِّ)) (رواه النسائي وابنُ خُزَيمَةَ في صحيحهِ بأسانيدَ صحيحةٍ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسواک منھ کی صفائی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

افادات:- مسواک کے جو فوائد ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ منھ کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اور لکھا ہے کہ مسواک کے بے شمار فوائد میں سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ موت کے وقت آدمی کو کلمہ نصیب ہوتا ہے، یعنی ایمان پر موت آتی ہے اور مسواک کی برکت سے روح کے نکلنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔

پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں

۱۲۰۳:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: ((الفِطْرَةُ خَمْسٌ، أَوْ خَمْسٌ مِنَ الفِطْرَةِ: الخِتَانُ، وَالاسْتِحْدَادُ، وَتَقْلِيمُ الأظْفَارِ، وَنَتْفُ الإبطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

((الاستحْدَادُ)): حَلْقُ العَانَةِ، وَهُوَ حَلْقُ الشَّعْرِ الَّذِي حَوْلَ الفَرْجِ.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں، ختنہ کرنا، زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرنا، ناخنوں کو کاٹنا، بغل کے بالوں کو اکھاڑنا، اور مونچھوں کو کتروانا۔

افادات:- جیسا کہ شروع میں بتلایا تھا، فطرت کا معنیٰ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اور سنّت ہے۔ پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں:-

۱:- الخِتَانُ: ختنہ کرنا۔ مرد کی شرم گاہ میں آگے ایک زائد چمڑی ہوتی ہے جس کو کاٹ دیا جاتا ہے تاکہ آگے کا حصہ کھل جائے؛ اسی کو ختنہ کرنا کہتے ہیں۔ یہ سنّت ہے اور انبیاء علیہم السلام کے طریقوں میں سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ختنہ اسّی (۸۰) سال کی عمر میں کی تھی، جیسا کہ بخاری شریف میں روایت موجود ہے۔

۲:- وَالاسْتِحْدَادُ: زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرنا۔ ناف کے نیچے اور شرمگاہ کے اوپر، اور دونوں شرم گاہ کے آس پاس کے بالوں کی صفائی کرنا تاکہ استنجاء میں کوئی دشواری نہ ہو، اور اس کی وجہ سے بال بھی ملوّث ہوکر آدمی کے لئے مزید ناپاکی کا ذریعہ نہ بنیں۔ ان بالوں کی صفائی اُسترے کے ذریعہ، یا پاؤڈر اور صابن وغیرہ استعمال کر کے کی جاسکتی ہے۔

ناخن کاٹنے کی ترتیب

۳:- وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ: ہاتھ اور پاؤں؛ دونوں کے ناخنوں کو کاٹنا حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔

ناخن کاٹنے کی ترتیب کے سلسلہ میں صریح طور پر کوئی روایت نہیں ہے، ہاں! بزرگوں نے ترتیب بتلائی ہے، ہاتھوں کے ناخن میں دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کا ناخن پہلے کاٹا جائے، پھر بیچ والی بڑی انگلی، پھر اس کے برابر والی، پھر اخیر والی چھوٹی انگلی۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی، پھر اس کے بعد والی، پھر درمیانی بڑی انگلی، پھر اس کے بعد والی، اس کے بعد بائیں ہاتھ کا انگوٹھا، پھر دائیں ہاتھ کا انگوٹھا۔ عام

طور پر فقہ کی کتابوں میں ناخن تراشنے کی یہی ترتیب لکھی ہے۔

پیروں کے ناخنوں میں دائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کیا جائے، پھر بائیں پیر کے انگوٹھے سے شروع کر کے چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔

بغل کے بال اُکھاڑنا

۴:- وَنَتْفُ الإِبطِ: بغل کے بالوں کو اُکھاڑنا۔ بغل کے بالوں میں اصل تو اُکھاڑنا ہی ہے، اس کی وجہ سے بغل میں بدبو بھی نہیں رہتی، اور دوبارہ بال دیر سے نکلتے ہیں، اور مونڈنے کے نتیجہ میں بال جلدی نکل آتے ہیں اور بال سخت بھی ہو جاتے ہیں، جبکہ اُکھاڑنے کے نتیجہ میں سخت نہیں ہوتے۔ لیکن اگر کسی آدمی کو عادت نہ ہونے کی وجہ سے اُکھاڑنا دشوار ہو تو مونڈ لیا کرے، مونڈنے سے بھی سنّت حاصل ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغل کے بال مونڈ رہے تھے، ایک آدمی نے کہا کہ اصل بغل کے بال اُکھاڑنا ہے، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اصل تو اس کا اُکھاڑنا ہی ہے لیکن ہم کمزوری کی وجہ سے اُکھاڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تو مونڈ رہے ہیں۔

مونچھوں کا کتروانا

۵:- وَقَصُّ الشَّارِبِ: مونچھوں کا کتروانا بھی سنّت ہے۔ اب مونچھوں کے کترنے کے سلسلہ میں ایک طریقہ تو یہ بتلایا گیا ہے کہ اتنی مونچھ لے لی جائے کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ بالکل کھل جائے، اس صورت میں کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوگی۔ دوسرا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ مونچھوں کو اتنی کترے کہ جیسی بھویں ہوتی ہیں اُتنی مونچھیں رہ جائیں۔ اور تیسرا طریقہ جس کو بہتر قرار دیا ہے کہ اس طرح

کترے کہ وہ بالکل صاف ہوجائے، مونڈنے کو پسند نہیں کیا گیا، اگرچہ احناف کے یہاں مونڈنا بھی جائز ہے، مکروہ نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مونچھوں کے مونڈنے کو مکروہ بتلاتے ہیں، لیکن حنفیہ کے یہاں مونڈنا جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ قینچی سے اس انداز سے کترا جائے کہ مونڈنے جیسی صاف ہوجائیں۔

اور مونچھوں کے کنارے کے حصے اگر باقی رکھے جائیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مونچھوں کی صفائی میں دونوں طرف کے کنارے کو باقی رکھتے تھے۔ ویسے بھی مونچھوں کے کترنے کا مقصد یہ ہے کہ کھانے پینے میں دشواری نہ ہو، تو دونوں کناروں کو باقی رکھنے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اس لیے اس کی اجازت دی گئی ہے۔

اور مدّت کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ دن میں ناخن تراش لیتے تھے، پندرہ دن میں تراشنے کی بھی گنجائش ہے، چالیس دن سے پہلے پہلے ان ساری چیزوں کی صفائی کرلینی چاہیے، چالیس دن سے زیادہ تک چھوڑے رکھنا مکروہ ہے اور اس صورت میں آدمی گنہگار ہوگا۔

دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہیں

۱۲۰۴:-وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ((عَشْرٌ مِنَ الفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ المَاءِ، وَقَصُّ الأَظْفَارِ، وَغَسْلُ البَرَاجِمِ، وَنَتف الإِبْطِ، وَحَلْقُ العَانَةِ، وَانْتِقَاصُ المَاءِ)) قَالَ الرَّاوِي: وَنَسِيْتُ العَاشِرَةَ إِلاَّ أَنْ تَكُونَ المَضمَضَةُ.

قَالَ وَكِيعٌ -وَهُوَ أَحَدُ رُوَاتِهِ- انْتِقَاصُ المَاءِ: يَعْنِي الاسْتِنْجَاء. (رواہ مسلم)

((البَرَاجِم)) بالباء الموحدۃِ والجِیم: وھی عُقَدُ الأَصَابِعِ.

وَ((إِعْفَاءُ اللِّحْیَۃِ)) مَعْنَاہُ: لَایَقُصُّ مِنْھَا شَیْئاً.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں فطرت (یعنی انبیاء علیہم السلام کی سنّت) میں سے ہیں: ۱۔ مونچھوں کو کترنا، ۲۔ ڈاڑھی کو بڑھانا (البتہ ایک مُشت سے زیادہ ہو تو اس زائد حصہ کو کترا جاسکتا ہے) ۳۔ مسواک کرنا، ۴۔ (وضو اور غسل میں) ناک میں پانی ڈالنا (وضو میں ناک میں پانی ڈالنا سنّت ہے اور غسل میں فرض ہے) ۵۔ ناخن تراشنا، ۶۔ جوڑوں کو دھونا، ۷۔ بغل کے بالوں کو اُکھاڑنا، ۸۔ زیرِ ناف بالوں کو مونڈنا، ۹۔ پیشاب پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے بھی صفائی کا اہتمام کرنا (صرف پانی استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے) اس روایت کے نقل کرنے والے راوی کہتے ہیں کہ دسواں کیا فرمایا وہ میں بھول گیا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ وہ کلّی کرنا ہے (اس لیے کہ منھ کی صفائی بھی انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہے۔ اور کلّی وضو میں تو سنّت ہے، لیکن غسل میں فرض ہے۔)

افادات:- ''إِسْتِنْشَاق'' کا مطلب یہ ہے کہ چلّو میں پانی لے کر ناک کے قریب لے جاکر زور سے سانس لے کر پانی کو اوپر کھینچنا پھر نکالنا تاکہ ناک کی صفائی ہوجائے؛ اس کو ''اسْتِنْشَاقُ المَاءِ'' کہتے ہیں، یہ بھی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے

''غَسْلُ البَرَاجِمِ'' ''بَرَاجِمُ، بُرْجُمَۃٌ'' کی جمع ہے، انگلیوں کے جوڑ جہاں عام طور میل جم جاتا ہے، لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ انگلیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بدن میں جہاں جہاں بھی جوڑ ہیں، وہ اگر وضو والے اعضاء ہے تو وضو میں، اور غسل میں تو پورے بدن کو دھونا ہی ہوتا ہے، لہٰذا ان تمام جوڑوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ دھونا تاکہ میل اگر ہو تو وہ صاف ہوجائے، یہ بھی سنّت ہے۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام صفائی کی

بہت زیادہ تاکید فرماتے ہیں، اس لیے ان جگہوں کی صفائی کی طرف خاص توجہ ہونی چاہیے جہاں میل جمنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اسی لئے اس کو الگ سے بیان کیا ہے۔

مونچھیں صاف کرو، ڈاڑھی بڑھاؤ

۱۲۰۵:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبیِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ((أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَعْفُوا اللُّحیٰ)) (متفقٌ عَلَیْہِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو صاف کرو، اور ڈاڑھی کو بڑھاؤ۔

افادات:- ایک روایت میں آتا ہے کہ مونچھوں کو بڑھانا مجوس کا طریقہ ہے، تم ان کی مخالفت کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو مونچھوں کو بڑھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ڈاڑھی کا بڑھانا نبیوں کا طریقہ ہے۔ ڈاڑھی کو بڑھانا واجب ہے اور اسلام کا شعار ہے، اور ڈاڑھی کو مونڈنا، یا ایک مشت سے کم کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ اسلام دینے کے واسطے کسریٰ شاہِ ایران کے نام خط بھیجا تھا جس کو پڑھنے کے بعد اس کو بڑا غصّہ آیا اور کہنے لگا کہ میری رعیت کا ایک آدمی مجھے اس طرح برابر کا خطاب کرتا ہے، اس زمانہ میں یمن کا علاقہ ایران کے ماتحت تھا اور اس کو خراج ادا کیا کرتا تھا، تو کسریٰ نے یمن کے حاکم باذان کو لکھا کہ تم اس آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے جن کا میرے پاس خط آیا ہے دو آدمی بھیجو۔ لہٰذا دو پہلوان قسم

کے آدمی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسی مقصد سے بھیجے گئے، اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی ہیبت عطا فرما رکھی تھی کہ جب وہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر پڑتے ہی ان کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور وہ دونوں کانپنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم دونوں کون ہو؟ اور کیوں آئے ہو؟ انہوں نے مقصد بتلایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا آقا جس کے حکم سے تم یہاں بھیجے گئے ہو، آج رات اس کے بیٹے نے اس کو قتل کردیا ہے۔ چناں چہ انہوں نے تاریخ نوٹ کرلی، اور اسی کے مطابق ہوا تھا کہ وہ قتل کردیا گیا تھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ ان کی ڈاڑھیاں مونڈی ہوئی ہیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری کے ساتھ اپنا چہرہ ان کی طرف سے پھیرلیا، حالاں کہ وہ دونوں مسلمان نہیں تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اپنی شکل کیوں بگاڑ رکھی ہے کہ ڈاڑھیاں مونڈ رکھی ہیں اور مونچھیں بڑھا رکھی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمارے رب (یعنی کسریٰ) نے ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو کترواؤں۔

تو دیکھئے! وہ دونوں مسلمان نہیں تھے پھر بھی نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ایسی شکل وصورت سے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ اس لیے ڈاڑھی رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، یہ اسلامی شعار ہے اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ اور سنّت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بَابُ تَأْكِيْدِ وُجُوْبِ الزَّكٰوةِ وَبَيَانِ فَضْلِها وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا

زکوٰۃ کے واجب ہونے کا مؤکد اور پختہ ہونا اس کی فضیلت اور اس سے متعلق دوسری چیزوں کا بیان

اس باب میں زکوٰۃ کے فضائل کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔قرآن وحدیث میں اس کے بے شمار فضائل موجود ہیں ان میں سے چند روایتیں اس باب میں پیش کی ہیں۔

زکوٰۃ فرائضِ اسلامیہ میں سے ایک فریضہ ہے،قرآنِ پاک میں جگہ جگہ نماز کے ساتھ اس کو بھی ادا کرنے کا تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے، جہاں اہلِ ایمان کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہاں اکثر ﴿وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ. يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ﴾ ساتھ ساتھ آیا ہے،نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں۔اگرچہ اس کی تفصیلات قرآنِ پاک میں نہیں آئیں، بلکہ نبیٔ کریم ﷺ نے بتلائی ہیں،لیکن نفسِ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم قرآنِ پاک میں بے شمار مقامات پر آیا ہے،اور یہ اسلام کے فرائض میں سے ایک بنیادی فریضہ ہے۔

زکوٰۃ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا ترجمہ بڑھنا اور پاک ہونا ہوتا ہے۔

چوں کہ زکوٰۃ کی نیت سے اپنے مال کی مقدار میں سے ڈھائی فی صد نکالنا دوسرے مال میں زیادتی اور بڑھوتری کا اور بقیہ مال کی پاکیزگی کا ذریعہ بھی بنتا ہے، اس لئے اس کو زکوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے بنیادی مسائل

زکوٰۃ کے سلسلہ میں کچھ بنیادی مسائل ہیں:-

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر آدمی پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ نماز اور روزہ کا معاملہ تو ایسا ہے کہ جو بھی بالغ ہو، چاہے مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا فقیر، مسافر ہو یا مقیم؛ اس پر نماز اور روزہ فرض ہے، لیکن زکوٰۃ کے سلسلہ میں شریعت کی طرف سے ایک مقدار متعین کی گئی ہے جس کو نصاب کہتے ہیں کہ وہ مخصوص آدمی جو مخصوص مقدار کا مخصوص زمانہ تک مالک بنے؛ تب ہی اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، ورنہ نہیں۔

پھر نصاب میں بھی شریعت نے بتلایا ہے کون سے مال میں زکوٰۃ فرض ہوگی، ہر طرح کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ پھر کب فرض ہوگی وہ بھی بتلایا ہے۔ چناں چہ غنی یعنی مالدار پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہونے کا ایک نصاب بتلایا گیا ہے کہ اگر چاندی ہو تو اُس زمانہ کے حساب سے دوسو درہم ہوں۔ اور دوسو درہم کی مقدار ہمارے پُرانے وزن کے اعتبار سے ساڑھے باون تولہ ہوتی ہے، اور نئے وزن کے اعتبار سے ۵ ۳ / ۶۱۲ گرام ہوتی ہے۔ اور اگر سونا ہو تو قدیم زمانہ کے حساب سے ۲۰ ر مثقال ہوتا ہے، اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوا کرتا تھا، لہٰذا ۲۰ ر مثقال ہمارے پُرانے وزن کے حساب سے ساڑھے سات تولہ ہوتا ہے۔

تولہ کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت

اور دیکھو! تولہ کا لفظ آج کل بھی بولا جاتا ہے اور آج کل دس گرام کو تولہ کہتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کے نصاب میں یہ وزن مراد نہیں ہے۔ دراصل تولہ کا لفظ لوگوں کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اور ایک پُرانی اصطلاح چلی آرہی تھی جو نیا وزن آنے کے بعد بھی باقی رہی، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ گرام ایک الگ وزن ہے جو اعشاریہ وزن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور تولہ ایک الگ وزن ہے جس کا گرام کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے، لیکن لوگ پُرانے وزن کے عادی ہونے کی وجہ سے تولہ بولتے ہیں۔ اب نئی نسل جو آئی اس کو تولہ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، پُرانے لوگ تولہ جانتے تھے۔ اور آج کل دس گرام کو تولہ بولتے ہیں، ورنہ حقیقت میں دس گرام تولہ نہیں ہے، تولہ کا اصلی وزن پُرانے حساب سے بارہ ماشہ ہوتا ہے۔ اور گرام کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے گیارہ گرام ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ساڑھے سات تولہ بول کر اگر آج کل کے حساب سے وزن دیکھیں گے تو پچھتر (۷۵) گرام ہو جائے گا، جو صحیح نہیں ہے۔ آج کل کے گرام کے وزن کے اعتبار سے ۸۷/۴۹۰ گرام وزن ہوتا ہے۔ خیر! یہ تو چاندی اور سونے کا نصاب ہوا۔

اس کے علاوہ جانوروں میں بھی زکوٰۃ کا نصاب ہے۔ چوں کہ اُس زمانہ میں ان علاقوں میں جانوروں کو پالنے کا رواج تھا تو اس کے لئے ایک مستقل نصاب شریعت نے بتلایا ہے، اب ہمارے یہاں وہ چیز رائج نہیں ہے۔ اور جانوروں کی زکوۃ کی تفصیل میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ وہ پالے گئے ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ سال کا اکثر حصہ وہ عام زمین میں مفت کا چر پھر کر کھاتے ہوں، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو مالک خود چارہ لا کر کھلاتا ہے تو اس صورت میں اس پر زکوٰۃ نہیں ہے،

چاہے وہ پالے ہوئے جانور کتنی ہی مقدار میں کیوں نہ ہوں۔ہاں! اگر تجارت کا سامان ہے تو اس میں زکوٰۃ آئے گی، جس کو مالِ نامی یعنی بڑھنے والا سامان کہا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

اب ہمارے ماحول میں کن کن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے، اس کو اگر آپ کو مختصر طور پر سمجھنا ہو تو یوں سمجھیے کہ (۱) سونا (۲) چاندی (۳) نقد روپیہ (۴) اور تجارت کا سامان؛ یہ کل چار چیزیں ہو جائیں گی۔

سونا چاندی اور روپیہ کا نصاب

اب سونا اور چاندی تو ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو؛ ویسے ہی آپ نے جمع کر کے رکھا ہو، یا عورتوں نے زیور کے طور پر خریدا ہو، تب بھی اس میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اگر اس کے نصاب کی مقدار کا ہو۔

اور روپیہ پیسہ اگر اتنا ہو جو سونے اور چاندی کے نصاب کی کم سے کم مقدار کو پہنچ جائے۔آج کل سونے کے مقابلہ میں چاندی سستی ہے، اس لئے چاندی کا جو نصاب چھ سو بارہ اعشاریہ پینتیس (۶۱۲/ ۳۵) گرام ہے، جس کی قیمت پچپن (۵۵) روپیہ گرام کے حساب سے چونتیس (۳۴) ہزار کے قریب میں نصاب پورا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر کسی کے پاس کم سے کم چونتیس (۳۴) ہزار روپیہ ہوں اور اس پر کسی طرح کا قرض بھی نہیں ہے، اور دیگر ضرورتوں سے فارغ ہے؛ تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

---

(۱) یہ قیمت اُس دن کی ہے۔

تجارت اور بیوپار کا سامان

دیکھو! بیوپار اور تجارت کا لفظ جب ہم بولتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اس کا ایک خاص مفہوم آتا ہے کہ آدمی کوئی دوکان کھول کر بیٹھا ہو اور بیچنے کے لیے مال لایا ہو۔ یہاں زکوٰۃ کے معاملہ میں تجارت کا سامان وہ کہلائے گا جو خریدتے وقت بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہو، چاہے دوکان لے کر نہ بیٹھا ہو۔ مثلاً: آپ نے زمین کا ایک پلاٹ خریدا، اور آپ کی نیت یہ ہے کہ اگر نفع ملے گا تو اس کو بیچ دوں گا؛ تو آپ کا یہ پلاٹ تجارت کا سامان کہلائے گا چاہے آپ ظاہری اعتبار سے لوگوں کی نگاہوں میں زمین کے تاجر نہیں ہیں۔ یا مثلاً آپ نے کوئی مکان خریدا اور خریدتے وقت آپ کی نیّت یہ تھی کہ اگر نفع ملے گا تو اس کو بیچ دوں گا؛ تو یہ تجارت کا سامان کہلائے گا۔ یا مثلاً: آپ نے کوئی گھڑی خریدی، اور آپ کی نیت یہ تھی کہ اگر دو پیسے ملیں گے تو میں اس کو بیچ دوں گا؛ تو چاہے آپ گھڑی کی دوکان کھول کر نہیں بیٹھے ہیں، اس کے باوجود آپ تاجر کہلائیں گے۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

یہ بات یاد رکھئے، خاص کر پلاٹ، مکان وغیرہ کے معاملہ میں تو بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں، جب وہ اپنے زائد پیسوں سے زمین یا مکان وغیرہ خریدتے ہیں تو اسی نیّت سے خریدتے ہیں کہ جب زیادہ نفع ملے گا تو اسے بیچ ڈالیں گے، اور ان کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میرے پاس جو پلاٹ ہے وہ تجارت کا ہے وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں کہاں اس کا تاجر ہوں۔ تو شریعت کی نگاہ میں جو چیز خریدتے وقت بیچنے کی نیت ہو تو آپ اس کے تاجر کہلائیں گے، اس لئے کہ تجارت نام ہی خرید و

فروخت کا ہے۔ اسی لئے جو چیز آپ کے گھر میں پیدا ہوئی اس میں نیت بیچنے کی ہو تب بھی وہ تجارت نہیں ہے، جیسے: ایک کسان آدمی ہے، اس کے کھیت میں چاول ہزار دو ہزار کونٹل کی پیداوار ہوئی، اس کی نیت ہوئی کہ میں اس کو بیچوں گا، تو یہ چاول تجارت کا سامان نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے خریدا نہیں، بلکہ اس کی زمین میں یہ پیدا ہوا ہے اب اگر یہ چاول دو سال بھی اس کے گھر میں پڑا رہے، تو اس پر ایک پائی بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ہاں! بیچنے کے بعد جب نقد پیسے آئیں گے تو اس کا مسئلہ میں نے بتادیا۔ تو معلوم ہوا کہ جو چیز خریدتے وقت ہی بیچنے کی نیت ہو، چاہے بیچنے کی نیت سے مٹّی ہی خریدیں؛ تو یہ تجارت کا سامان ہے۔ اس تفصیل کو اگر آپ سمجھ لیں تو زکوٰۃ کے حساب کو سمجھنے میں بہت آسانی ہوجائے گی۔

بہر حال! سونا، چاندی، نقد روپیہ اور تجارت کا سامان؛ ان چار مالوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے پاس پیسے زیادہ ہوتے ہیں تو ان پیسوں کو نقد محفوظ رکھنے کے بجائے اس سے سونا یا چاندی خرید لیتے ہیں، یا زیورات کے طور پر محفوظ کرتے ہیں تو ان میں تو زکوٰۃ آتی ہے۔ لیکن اگر کسی نے ہیرے خریدے، تو ہیرے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں! اگر بیچنے کی نیّت سے خریدے ہیں تو تجارت کا سامان ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہوگی، ورنہ نفس ہیرے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ کوئی آدمی اگر یوں کہے کہ یہ سونے سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے، یا آج کل پلاٹینم خرید لیا جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی دھات ہے، لیکن اس کے باوجود بیچنے کی نیت نہیں ہے تو اس صورت میں وہ تجارت کا سامان نہیں ہے، اور یہ سونا چاندی نہیں ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ کون سے مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ تو بتلادیا کہ وہ چار قسم کے اموال ہوئے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہ کتنی مقدار میں ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اس لئے کہ اگر کسی کے پاس سونا ہے لیکن ایک ہی تولہ ہے، یا چاندی ہے لیکن فقط دو چار تولے ہیں۔ یا روپیہ پیسے ہیں لیکن دو پانچ ہزار ہیں؛ تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ ان میں ایک مقدار ہے جو ابھی میں نے بتلائی، اور اس پر بھی جب پورا سال گزر جائے۔ آپ کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، لیکن سال پورا ہونے سے پہلے آپ کے ہاتھ سے نکل گئے، چاہے خرچ ہو گئے یا چوری ہو گئے یا جو بھی ہوا؛ تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ تو سال کا بھی پورا ہونا ضروری ہے۔ تو جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس مال کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد ادا کرے، لیکن پورا حساب کر کے نکالنا ضروری ہے۔

زکوٰۃ دراصل امتحان

جو لوگ صاحبِ نصاب ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فریضہ سمجھتے ہوئے پوری خوش دلی کے ساتھ ادا کریں، اس کو اپنے اوپر بوجھ اور بار سمجھتے ہوئے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم سے مال کا مطالبہ کیا، وہ تو بڑا غنی ہے لیکن اس نے ہم سے مانگا کہ میرے دیے ہوئے مال میں سے دو۔ اس میں بھی دراصل بندہ کا امتحان ہوتا ہے، جیسے: باپ اپنے چھوٹے بچّے کو سو یا پانچ سو روپیہ کا نوٹ دے، پھر وہی اس بچّے سے کہے کہ: بیٹا! لاؤ، مجھے دس روپیہ دو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ دس روپیہ کا محتاج ہے، بلکہ باپ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس بیٹے کو میرے ساتھ کتنا تعلق ہے، میرے مانگنے پر وہ مجھے کتنا دیتا ہے، میرے کہنے پر خرچ کرنے پر کتنا آمادہ ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبدیت و بندگی کا جو تعلق ہے اس کو جانچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام

دیئے گئے ہیں کہ اپنے مال میں سے اتنا نکالو جس میں بندہ کا امتحان ہوتا ہے۔

گاہک کے دل میں داعیہ پیدا کرنے والا کون؟

حالاں کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ میں دوکان لے کر شام تک بیٹھتا ہوں، میں فیکٹری میں اتنی محنت کرتا ہوں، میں کھیتی باڑی میں اتنی محنت کرتا ہوں، صبح سے شام تک ہل چلاتا ہوں، بیج بوتا ہوں، یہ میری محنت کی کمائی ہے، حالاں کہ یہ سب صرف ذرائع اور اسباب ہیں، دینے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، آپ تو زمین کے اندر بیج ڈالنے کے بعد اپنے ہاتھ کٹوا چکے، زمین میں بیج ڈالنے کے بعد پھر اندر سے کونپل نکال کر اس کو بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آپ دُکان لے کر بیٹھے ہیں تو آپ کا کام تو اتنا ہی ہے کہ دکان کھول کر بیٹھیں، آگے کسی کو ڈنڈا مار کر خریدنے کے لئے زبردستی کیا آپ لا سکتے ہیں؟ گاہک کے دل میں خریدنے کا جذبہ کس نے پیدا کیا؟ اس گاہک کو آپ کی دُکان پر کس نے بھیجا کہ وہ پیسے لے کر آئے اور آپ کی دکان ہی سے وہ چیز خریدے؟ ہم اور آپ دیکھتے رہتے ہیں کہ دو دُکاندار پڑوس پڑوس میں ہوتے ہیں، لیکن ایک کی دُکان خوب چل رہی ہوتی ہے اور دوسرے کی نہیں چلتی؛ حالاں کہ دونوں کے پاس ایک ہی کمپنی کا ایک ہی جیسا مال ہوتا ہے، اور بعض مرتبہ پڑوس والا اس کو کم قیمت پر دینے کے لئے تیّار ہوتا ہے، پھر بھی لوگ اس کے پاس نہیں جاتے، اور دوسرے کے پاس سے زیادہ قیمت دے کر بھی خریدتے ہیں۔ تو اس کی دُکان سے خریدنے کا لوگوں کے دلوں میں داعیہ پیدا کرنے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تو حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے اس میں آدمی کی صلاحیت

کو کچھ بھی دخل نہیں ہے، محض اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے اور اُسی کا دیا ہوا ہے، جن لوگوں کو یہ خیال ہے یا اپنے متعلق یہ خوش فہمی ہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے اس میں میری صلاحیت کو دخل ہے، جس کو قرآنِ پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بندے کو جب اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر کوئی چیز ملتی ہے تو اس کی عادت ہوتی ہے کہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اس کا حقدار تھا، میں نے محنت کی ہے، مجھ میں صلاحیت ہے، میں نے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا تو یہ تو مجھ کو ملنا ہی چاہیے، حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے، بہت سی مرتبہ صلاحیت والوں کی ساری صلاحیتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور بغیر صلاحیت والے آگے نکل جاتے ہیں۔

مدار اگر عقل پر ہوتا تو....../ ایک واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لطیفہ کے طور پر ایک قصہ بیان فرمایا ہے، ایک مرتبہ ایک آدمی سفر میں جا رہا تھا، اونٹ پر دو بوریاں لادی ہوئی تھیں، راستہ میں پڑھے لکھے سمجھ دار قسم کے ایک صاحب مل گئے، انہوں نے پوچھا: بھائی! ان دونوں بوریوں میں کیا ہے؟ اس نے کہا: ایک بوری میں تو گیہوں ہیں، اور دوسری میں ریت بھر رکھا ہے۔ پوچھا: ریت کیوں بھر رکھا ہے؟ دنیا میں ریت کی کیا کمی ہے کہ لادے جا رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک طرف تو گیہوں ہیں دوسری طرف کچھ نہیں تھا، اب توازن برابر رہے اس لیے ریت بھرا ہے۔ انہوں نے کہا: بیلنس کے لئے ایسا بھی کر سکتے تھے کہ اس بوری میں جتنے گیہوں ہیں، اس کے آدھے ایک طرف اور بقیہ آدھے دوسری طرف رکھ دیتے تب بھی بیلنس برابر ہو جاتا۔ اونٹ کا بوجھ کم ہو جاتا اور یہ تیز بھی چلتا، اس طرح سفر بھی جلدی پورا ہو جاتا۔ چناں چہ اس نے اس کے کہنے کے مطابق ریت والی بوری خالی

کردی اور گیہوں آدھے آدھے کر دیئے۔ پھر یہ دیہاتی اپنے جی میں سوچنے لگا کہ اس نے اتنا اچھا اور عمدہ مشورہ دیا، معلوم ہوتا ہے کہ بہت سمجھ دار آدمی ہے، لہٰذا اس کے پاس تو بہت کچھ مال ہوگا۔ چناں چہ وہ اپنے جی میں سوچنے لگا کہ میرے سوگائیں ہیں تو اس کے پاس تو زیادہ ہی ہوں گی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے پوچھا: بھائی صاحب! آپ کے پاس گائیں کتنی ہیں؟ اس نے جواب دیا: ایک بھی نہیں ہے۔ پوچھا: اچھا! تو بکریاں کتنی ہیں؟ اس نے کہا: ایک بھی نہیں۔ پوچھا: زمین کتنی ہے؟ اس نے کہا: کچھ بھی نہیں ہے۔ خود اپنے پاس جو کچھ تھا ان سب کا باری باری پوچھا، اور اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میرے پاس ان سب چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ تو اب یہ سوچنے لگا کہ اتنا عقلمند ہے اور اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، لہٰذا یہ تو بڑا منحوس آدمی ہے پھر کہنے لگا کہ میں تیری بات پر عمل نہیں کروں گا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزی کا مدار اگر عقل اور صلاحیتوں پر ہوتا تو دنیا میں جتنے بھی کم عقل ہیں وہ سب بھوکے مرتے حالاں کہ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے پاس پیسہ زیادہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روزی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دی ہوئی نعمت میں سے صرف ڈھائی فیصد کا مطالبہ کیا ہے، باقی ساڑے ستانوے فیصد ہمارے پاس رہتا ہے، اگر اُدھر سے یہ مطالبہ ہوتا کہ ساڑے ستانوے ہم کو دیدو، اور ڈھائی اپنے پاس رکھو؛ تب بھی صحیح تھا، لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ معمولی مقدار کا مطالبہ کیا، اور وہ بھی سال میں ایک مرتبہ، اور وہ بھی اس مال میں جس پر سال گزرا ہو۔ اگر درمیان میں خرچ ہوگیا تو اب مطالبہ نہیں ہے۔ اور آج کل ہمارے یہاں تو ایسا قانون ہے کہ مال ہمارے ہاتھ میں آئے کہ فوراً اس میں سے ٹیکس کاٹ کر وصول کر لیا جاتا ہے۔

عبادات کا فلسفہ

اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عبادات میں شریعت نے خصوصی رعایتیں دے رکھی ہیں۔ جو مالی عبادتیں ہیں جیسا کہ زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور قربانی؛ اس میں ایسی شرطیں رکھی ہیں تا کہ آدمی آسانی کے ساتھ ان کو ادا کر سکے۔ جو آدمی زکوٰۃ نکالتا ہے وہ اللہ کے واسطے نکالتا ہے، اس لئے کہ عبادت نام ہے بندہ کا اللہ تعالیٰ کے حضور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنا۔ اس لئے کہ عبادت کا حقدار اللہ تعالیٰ ہی ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کی جاسکتی۔ تو مال جو نکالا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے نکالا جائے گا۔ اسی لئے کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے، بلکہ بعض روایتوں میں بھی موجود ہے کہ آپ فقیر کو زکوٰۃ کے طور پر جو مال دیتے ہیں، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے فقیر کے پاس آتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیا اور اللہ تعالیٰ نے فقیر کو دیا۔ اس لئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ مال نکالا تھا۔ اب آپ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے نکالا ہے، تو کہاں دیں؟ تو قرآنِ پاک ہی میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ فلاں فلاں جگہ دو، اگر وہاں دیدو گے تو یوں سمجھا جائے گا کہ گویا تم نے ہمارے یہاں جمع کرا دیا۔

فقیر کا ویسا احترام کیوں نہیں؟

اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ فقیر کو جب مالِ زکوٰۃ دیا جائے تو دل میں اس کی تحقیر اور تذلیل نہیں ہونی چاہیے۔ دیکھئے! ہم نماز کو مسجد میں ادا کرتے ہیں، مسجد ایک اسلامی فریضہ نماز کی ادائیگی کی جگہ ہے، تو ہم اس کا کتنا احترام کرتے ہیں؟ حالاں کہ یہ

پتھر کی بنی ہوئی ایک عمارت ہے جہاں نماز (جو اللہ تعالیٰ کا ایک فریضہ ہے) ادا کی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے اس فریضہ کی ادائیگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اس کی عظمت اور عزّت اتنی بڑھ گئی، اس کے بڑے آداب ہیں جن کی رعایت کی جاتی ہے، ہمارے دلوں میں اس کا احترام ہے، لیکن ایک فقیر کا ویسا احترام نہیں ہے، حالاں کہ وہ تو انسان ہے، اور یہ بھی ایک عبادت ادا کرنے کا محل اور مقام ہے، لہٰذا اس کا تو اور زیادہ احترام ہونا چاہیے۔

زکوٰۃ کے اسلامی نظام کا فائدہ

جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے ان کے متعلق آج کل جو تحقیر کے جذبات پائے جاتے ہیں، درحقیقت یہ چیز پیدا نہ ہونے پائے اسی لئے اسلام نے زکوٰۃ کا ایک نظام بنایا تھا، اور وہ یہ تھا کہ آپ اپنی زکوٰۃ کو سرکاری خزانہ میں جمع کرادیں، وہاں سے مستحقین کے پاس جائے، اس صورت میں دینے والے کو بھی پتہ نہ چلے کہ ہماری زکوٰۃ کس کے پاس گئی ہے، اور لینے والوں کو بھی پتہ نہ چلے کہ ہمارے پاس جو مال آیا ہے وہ کس کا نکالا ہوا ہے، اگر وہ نظام چلے تو پھر آج کل جو گڑبڑیں ہو رہی ہیں اس کی نوبت ہی نہ آئے۔

زکوٰۃ پر وعدے

بہرحال! زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا ایک فریضہ ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار وعدے ہیں۔ مال کی حفاظت، مال میں برکت، زیادتی اور بڑھوتری، مال کی پاکیزگی کہ اس کی ادائیگی کے نتیجہ میں دل میں پاکیزگی آتی ہے، بخل اور دوسرے رذائل سے دل پاک صاف ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس فریضہ کی ادائیگی کا خاص

اہتمام ہونا چاہیے۔

دوسری آیت ہے:﴿وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم دیا گیا ہے کہ خالص اللہ کے لئے عبادت کریں، اور سب طرف سے رُخ پھیر کر ایک اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں؛ یہی یقین والوں کا طریقہ ہے۔

تیسری آیت ہے:﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ اے نبی! آپ مسلمانوں کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کیجئے تاکہ اس کے ذریعہ سے ان کو پاک کریں، اور تزکیہ کریں۔﴿تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ﴾دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، گویا اس مال کو لے کر بقیہ مال کو گندگی سے پاک کیا جائے۔

صاحبِ نصاب کی چند ذمہ داریاں

جو لوگ صاحبِ نصاب ہیں زکوٰۃ کے سلسلہ میں ان کی چند ذمہ داریاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ زکوٰۃ کے لیے سال مقرر ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے آپ کے پاس کچھ نہیں تھا لیکن آج آپ کے پاس ایک لاکھ روپیہ آیا تو آج جو تاریخ ہے، آئندہ سال اسی مہینہ کی اسی تاریخ پر آپ کے اوپر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جائے گی۔ بعض لوگ رمضان ہی کو لئے بیٹھے رہتے ہیں، حالاں کہ ان کو معلوم ہے کہ ہمارے پاس مال فلاں وقت آیا تھا تو اب رمضان کی وجہ سے تاخیر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں! اگر کسی کو یاد نہیں ہے کہ میرے پاس مال کب آیا تھا اور میرا زکوٰۃ کا وقت کب شروع ہوتا ہے، تو پھر اگر رمضان کی پہلی یا دسویں کا دن مقرر کر دیا تو بات دوسری ہے۔

دوسرے یہ کہ زکوٰۃ کا پورا پورا حساب لگایا جائے، بعض لوگ ایسے ہی اندازاً زکوٰۃ نکال لیتے ہیں، حالاں کہ اندازاً نکالنے کی صورت میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زیادہ نکلے، لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جتنی مقدار واجب ہوئی ہے اس سے کم نکلے۔ اب اگر ایک روپیہ بھی کم نکلا تو گویا زکوٰۃ کا ایک روپیہ آپ کے پاس رہ گیا، اور حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ والا مال جس مال کے ساتھ ملے گا وہ اس بقیہ مال کو بھی ہلاک کردے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ پورا پورا صحیح حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

پھر یہ کہ جہاں دیا جارہا ہے اس کی بھی پوری تحقیق کی جائے کہ وہ مستحق ہے یا نہیں۔ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ گھر میں بیٹھے ہیں اور دروازہ پر مانگنے والا آیا، تو اسی کو بغیر تحقیق کے اپنی زکوٰۃ دیدیتے ہیں۔ اور آج کل جو فقیر ہیں وہ تو پروفیشنل لوگ ہیں، حقیقت میں فقیر نہیں ہیں، اب انہیں دے کر یوں سمجھ لینا کہ ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی؛ یہ بالکل درست نہیں ہے۔ بلکہ اپنے رشتہ داروں میں، محلّے میں، اپنی بستی میں ایسے لوگ جو حقیقت میں محتاج ہیں، لیکن وہ ہاتھ نہیں پھیلاتے؛ ایسے لوگوں کو تلاش کر کے ان تک زکوٰۃ کا مال پہنچانا اربابِ اموال کی ذمہ داری ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں تو زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے گھر سے باہر نہیں نکلوں گا، اگر کوئی میرے گھر آکر مطالبہ کرے گا تب ہی دوں گا۔ بھائی! جیسے نماز ادا کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلتے ہیں، حج ادا کرنے کے لئے نکلتے ہیں؛ اسی طریقہ سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے خود جائیں، تب ہی حقیقت میں اس کا حق ادا ہوا سمجھا جائے گا۔

اسلامی فاؤنڈیشن

۱۲۰۶:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أَنَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ البَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (یعنی پانچ چیزیں اسلام کے لئے فاؤنڈیشن، بنیاد اور جڑ کی حیثیت رکھتی ہیں) لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله کی گواہی دینا (یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں) نماز کو قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

افادات:- بس! اس روایت کو یہاں پر اسی لئے لائے ہیں کہ زکوٰۃ کو اسلام کی بنیاد اور جڑ بتلایا ہے۔

اگر اپنی بات میں سچا ہے تو کامیاب ہے

۱۲۰۷:- وعن طَلْحَةَ بن عبيد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رسولِ الله صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ، وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ، حَتَّى دَنَا مِنْ رسولِ الله صلی اللہ علیہ وسلم فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الإِسْلَامِ، فَقَالَ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ((خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي اليَوْمِ وَاللَّيْلَةِ)) قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: ((لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ)) فَقَالَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وسلم: ((وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ)) قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ: ((لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ)) قَالَ: وَذَكَرَ لَهُ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الزَّكَاةَ، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ

غَيْرُهَا ؟ قَالَ: ((لاَ، إِلاَّ أَنْ تَطَّوَّعَ)) فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ: وَاللهِ لاَ أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلاَ أَنْقُصُ مِنْهُ، فَقَالَ رسول الله ﷺ: ((أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا جو نجد کا رہنے والا تھا (سفر سے آیا تھا اس لئے) بال بکھرے ہوئے پراگندہ تھے، ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ کو سن رہے تھے، لیکن وہ کیا بول رہا ہے سمجھ میں نہیں آرہا تھا (جیسے بچّہ کو کوئی چیز لانے کے لئے بھیجتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز لانا، تو وہ جاتے ہوئے پوری لسٹ بولتے ہوئے جاتا ہے تاکہ بھول نہ جائے۔ اسی طرح وہ بھی سوالات پوچھنے کی نیت سے آیا تھا اس لیے وہ اپنے سوالات کو دُہرا رہا تھا، اور اس کی آواز ہمیں محسوس ہورہی تھی) یہاں تک کہ جب وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوا تو اس نے وہی سوالات زور سے کئے، اب ہم نے سنا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ رہا تھا کہ اسلام کیا ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات اور دن میں پانچ نمازیں ادا کرنا۔ اس نے پوچھا: ان پانچوں نمازوں کے علاوہ اور بھی کوئی نماز میرے اوپر فرض ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بس یہی پانچ نمازیں ہیں، البتہ تو اپنے طرف سے نفل کے طور پر پڑھنا چاہے تو تجھے اختیار ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے مہینہ کے روزے بھی اسلام کا ایک حصہ ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے علاوہ اور بھی روزے میرے اوپر فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! رمضان کے روزے فرض ہیں، اس کے علاوہ تم نفل کے طور پر رکھنا چاہو تو رکھ سکتے ہو۔ پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کا تذکرہ کیا، تو اس نے کہا: اس کے علاوہ بھی مالی عبادت میں اور کچھ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! البتہ تم نفل کے طور پر کچھ خرچ کرنا چاہو تو اختیار ہے (زکوٰۃ کے تذکرہ کی وجہ سے اس حدیث کو یہاں لائے ہیں) یہ سب سننے کے بعد وہ آدمی واپس یہ کہتا ہوا جارہا تھا: اللہ کی قسم! نہ اس میں کمی کروں گا، نہ زیادتی کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: یہ آدمی اگر اپنی بات میں سچا ہے تو کامیاب ہے (اور جنّت

میں چلا جائے گا)۔

افادات:- اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کمی نہ کرنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، زیادتی نہ کروں گا اس پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﴿أَفْلَحَ﴾ کیوں فرما رہے ہیں؟ تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دو لفظ بولے جاتے ہیں لیکن مقصود ایک ہی ہوتا ہے، دوسرا مقصود نہیں ہوتا، جیسے: آپ خریدنے کے لئے جائیں اور دوکاندار سے قیمت پوچھیں کہ اس گھڑی کی قیمت کیا ہے؟ وہ کہے: سو روپے۔ تو خریدنے والا کہتا ہے کہ کچھ کمی بیشی؟ تو اس سوال سے پوچھنے والے کا مطلب بیشی نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیا جائے۔

مالداروں سے لے کر فقیروں کو دی جائے

۱۲۰۸:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بعث مُعاذاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ إِلَى اليَمَنِ فَقَالَ: ((ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رسول اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ تَعَالَى، افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، وتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا تھا (بعض حضرات کہتے ہیں کہ قاضی بنا کر بھیجا تھا) جب وہ روانہ ہو رہے تھے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ پہلے ان لوگوں کو اس بات کی دعوت دینا کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں۔ جب وہ تمہاری اس دعوت کو قبول کر لیں تو ان کو بتلانا کہ

اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ اس پر عمل کرنے لگیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو مالداروں سے وصول کر کے فقیروں کو دی جائے گی (یہاں پر بھی زکوۃ کا تذکرہ ہے اس لئے اس روایت کو یہاں لائے ہیں۔)

وہ چیزیں جن پر جان و مال کی حفاظت کو موقوف رکھا گیا

۱۲۰۹:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ:((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رسول الله، وَيُقِيمُوا الصَّلاةَ، وَيُؤتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِني دِمَاءهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّ الإِسْلاَمِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے (جو مشرک ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے) قتال اور جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوۃ ادا کریں۔ جب وہ لوگ ایسا کرنے لگیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرلیں اور نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا شروع کردیں) تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے، ہاں! اگر اسلام کا کوئی حق باقی نکلتا ہے تو ان کی جان یا مال پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اس بات کا حساب لینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے (کہ انھوں نے کلمہ دل سے پڑھا ہے کہ نہیں، اور نماز حقیقت میں دل سے ادا کرتے ہیں یا دکھلاوے کے طور پر ادا کرتے ہیں)۔

افادات:- مطلب یہ کہ ایمان لے آنے کے بعد ان کی جان اور مال کو

ہاتھ لگانا درست نہیں اور اب تک ان کے ساتھ قتال و جہاد کا جو حکم دیا گیا تھا وہ باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اب تو وہ خود بھی مسلمان ہو گئے ہیں، اب ان کی جان اور مال کی حفاظت کی گارنٹی دی گئی، البتہ اگر اسلام کا کوئی حق باقی نکلتا ہے تو اسلام کی طرف ان کی جان یا مال پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً: ان میں سے کسی نے کلمہ پڑھنے اور ایمان لانے کے بعد کسی مسلمان کو قتل کر دیا، تو ظاہر ہے جس کو قتل کیا ہے اس کی جان کے بدلہ میں اس کی جان لینے کا حکم دیا گیا ہے، اب یہاں پر یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ تو کلمہ پڑھنے والا ہے، اس لیے اس کو کیسے قتل کیا جائے؟ چوں کہ اس نے ایک کلمہ گو کو قتل کیا ہے اس لیے اسلام ہی نے حکم دیا ہے کہ اس کے بدلہ میں قصاص کے طور پر قتل کیا جانا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی جان محفوظ تھی، اس نے ایک کلمہ گو کی ناحق جان لے کر اپنی جان کی حفاظت کی جو گارنٹی ملی تھی اس کو ختم کر دیا۔

یا مثلاً ایک آدمی نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کیا، تو اگر اسلامی حکومت ہو تو اس کی سزا سنگسار ہے، پتھر مار کر اس کی جان لے لیں گے، تو اس کی جان لینے کا حکم بھی اسلام ہی نے دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ویسے تو کلمہ پڑھ لینے، نماز کو قائم کر لینے، اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے اس کی جان اور مال محفوظ ہو جاتا ہے البتہ جن صورتوں میں اور جہاں جہاں خود اسلام ہی اس کی ان کوتاہیوں اور قصوروں، اور اس کے گناہ اور جرم کی وجہ سے اس کی جان یا مال پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت دے گا، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

﴿وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ﴾ اور ان کا حساب لینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ محض دکھلانے کے واسطے ظاہری

طور پر انھوں نے زبان سے اقرار کرلیا ہے، یا ہمارے دکھلانے کے واسطے نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ بھی ہمارے دکھلانے واسطے ادا کرتے ہیں، اندر سے وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ان کے دل کا حال کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ان سے نمٹے گا۔ ہمیں اندر کی کھود کرید کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہمیں تو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ ظاہری طور پر اسلام کے جو احکام ہیں، اور ایک مسلمان پر اسلام کے ناطے سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو جب وہ ادا کررہا ہے، کلمہ کا اقرار کررہا ہے، نماز ادا کررہا ہے، زکوٰۃ ادا کررہا ہے؛ اب ہم ان کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کریں گے، ان کی جان و مال محفوظ ہوجائے گی۔

بس! یہاں تو یہ روایت اسی لئے لائے ہیں کہ جن چیزوں پر جان و مال کی حفاظت کو موقوف رکھا گیا ہے ان میں سے ایک زکوٰۃ بھی ہے، جب تک زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی تب تک اس کی جان و مال محفوظ نہیں ہوگی۔

نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرنے والے سے جنگ

۱۲۱۰:- وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رسولُ الله ﷺ وَكَانَ أَبُوبَكْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ العَرَبِ، فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لاَ إلٰهَ إِلاَّ اللهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلاَّ بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى الله)) فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بين الصَّلاَةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ المَالِ. وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالاً كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رسولِ الله ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ. قَالَ عُمَرُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلاَّ أَنْ رَأَيْتُ اللهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الحَقُّ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتقال ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانشین ہوئے اور عرب کے بعض قبائل نے کفر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: آپ لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے جب کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لا الٰہ الا اللہ کہیں۔ جب وہ اس بات کا اقرار کرلیں تو انہوں نے اپنے مال و جان کو میری طرف سے محفوظ کرلیا، سوائے اسلامی حق کے۔ پھر ان کے اندرون کا حساب اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے (اس کا مطلب اوپر بتلایا جاچکا ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا جنہوں نے نماز وزکوٰۃ کے درمیان فرق کیا ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اور اللہ کی قسم! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ کے نام سے ایک رسّی بھی جو جمع کرائی جاتی تھی اگر اس کے دینے سے کوئی انکار کرے گا تو میں اس کے انکار کرنے پر اس کے ساتھ جنگ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے کو ان کے ساتھ اس معاملہ میں جنگ کرنے کے لئے منشرح کردیا ہے تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہی حق ہے (اس سے زکوٰۃ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ فرائضِ اسلام میں سے ایک اہم فریضہ ہے)۔

افادات:- نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبائل نے اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرلیا تھا، اور بعض وہ تھے جو مرتد تو نہیں ہوئے تھے، لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے جو نظام مقرر کیا گیا تھا کہ مرکز کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے باقاعدہ آدمی بھیجے جاتے تھے جو لوگوں کی زکوٰۃ وصول کرکے بیت المال میں جمع کراتے، انہوں نے زکوٰۃ کو بیت المال میں جمع کرانے سے انکار کردیا تھا۔ اب جو لوگ مرتد ہوچکے تھے ان کے متعلق تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق

تھا کہ ان کے ساتھ قتال کیا جائے، لیکن جنھوں نے اسلام نہیں چھوڑا تھا اور بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرانے سے انکار کیا تھا ان کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان گفتگو ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے ساتھ بھی جنگ کرنے کے قائل تھے کہ جب تک کہ وہ اس حکم کو پورا نہیں کریں گے تب تک ہم ان کے ساتھ لڑیں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سلسلہ میں اشکال اور تردّد تھا، وہ یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ کلمہ گو تو ہیں، پھر ان کے ساتھ کیسے جنگ کی جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب میں فرماتے: اگر کچھ لوگ نماز کی ادائیگی سے انکار کردیں تو ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا یا نہیں؟

اسلامی شعائر کے معاملہ میں کوتاہی کرنے پر حاکم کو یہ حق پہنچتا ہے

اسلامی شعائر کے معاملہ میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے حاکم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کرے جب تک کہ دوبارہ اس کو ادا نہ کرنے لگیں، بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اسلامی شعائر میں سے ہے۔ شعار کے معنیٰ یہ ہیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مذاہب کی خاص خاص علامات ہوتی ہیں، اسی میں نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا بھی ہے، حالاں کہ جماعت فرض نہیں ہے، بعضوں نے واجب یا سنّتِ مؤکدہ کہا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ تو جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی اسلامی شعار یعنی مذہبِ اسلام کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اگر کسی جگہ کے لوگ اس کو چھوڑ دیں تو حاکمِ وقت ان سے کہے گا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا شروع کرو۔ اگر وہ اس سے انکار کریں گے تو حاکم ان کے ساتھ جنگ کرے گا جب تک کہ وہ اس کو ادا کرنے والے نہ بن جائیں۔ یہاں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے معاملہ میں بھی حضرت

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی فرماتے تھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ کے نام سے ایک رسّی بھی جوجمع کرائی جاتی تھی اگراس سے کوئی انکارکرے گا تو میں ان کے ساتھ جنگ کروں گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس پر اطمینان، تسلّی اورانشراحِ صدر عطا فرما دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو رائے ہے وہی حق ہے اس لئے کہ اگر اُس وقت کوتاہی کی جاتی تو آج انہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا ہے، کل نماز کے معاملہ میں یہ بات آتی، اوریہی چیز لوگوں کے دین سے ہٹنے کا ذریعہ بنتی۔

جنت میں لے جانے والے پانچ اعمال

۱۲۱۱:- وعن أَبي أيُّوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنّ رَجُلاً قَالَ للنبيِّ ﷺ : أَخْبِرْنِي بعمل يُدْخِلُنِي الجَنَّة. قَالَ: ((تَعْبُدُ اللهَ، وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع افادات:- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنّت میں لے جائے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور صلہ رحمی کرو (یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔ دیکھو! جنّت میں جانا جن چیزوں پر موقوف رکھا گیا ہے ان میں ایک زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہے، اس سے اس کی اہمیت اور فضیلت کا پتہ چلتا ہے)۔

چلتا پھرتا جنتی

۱۲۱۲:- وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنَّ أعْرَابياً أتَى النبيَّ ﷺ فَقَالَ:

يَارسولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ، دَخَلْتُ الجَنَّةَ. قَالَ: ((تَعْبُدُ اللهَ لاتُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً، وتُقِيمُ الصَّلاَةَ، وتُؤتِي الزَّكَاةَ المَفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ)) قَالَ: وَالذي نَفْسِي بِيَدِهِ، لا أزيدُ عَلَى هَذَا، فَلَمَّا وَلَّى، قَالَ النبيُّ ﷺ: ((مَنْ سَرَّهُ أنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دیہاتی نے آکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلائیے کہ جب میں وہ کروں تو جنّت میں پہنچ جاؤں (یعنی جنّت میں داخل کرنے والا عمل مجھے بتلائیے) تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان المبارک کے روزے رکھو۔ اس پر اس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے؛ میں اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کروں گا۔ جب وہ جانے لگا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہو کہ کسی جنّتی کو دیکھے اس کو چاہیے کہ اس آدمی کو دیکھ لے۔

افادات:- چوں کہ اس آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ میں ان چیزوں پر برابر عمل کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے لیے جنت کی بشارت سنادی۔ ان میں ایک عمل زکوٰۃ کا بھی ہے۔

۱۲۱۳:- وعن جرير بن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: بَايَعْتُ النبيَّ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کے قائم کرنے، زکوٰۃ کے ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی و بھلائی چاہنے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی (یعنی میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عہد کیا کہ میں ان تین چیزوں کا اہتمام کروں گا)۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید

۱۲۱۴:-وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ، وَلاَ فِضَّةٍ، لا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ، وَجَبِينُهُ، وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ))

قيل: يَا رسولَ الله! فالإبلُ؟ قَالَ: ((وَلاَ صَاحِبِ إِبِلٍ لا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، وَمِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ، لاَ يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيلاً وَاحِداً، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا، وَتَعَضُّهُ بِأَفْوَاهِهَا، كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولاَهَا، رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرَى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ)).

قِيلَ: يَا رَسولَ اللهِ، فَالبَقَرُ وَالغَنَمُ؟ قَالَ: ((وَلاَ صَاحِبِ بَقَرٍ وَلاَ غَنَمٍ لاَ يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، لاَ يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئاً لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ، وَلاَ جَلْحَاءُ، وَلاَ عَضْبَاءُ، تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا، وَتَطَؤُهُ بِأَظْلاَفِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولاَهَا، رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ، فَيَرَى سَبِيلَهُ، إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ))

قيل: يَا رسول الله فالخَيلُ؟ قَالَ: ((الخَيلُ ثَلاَثَةٌ: هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ، وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَهِيَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ. فَأَمَّا الَّتي هي لَهُ وِزْرٌ فَرَجُلٌ ربطها رِيَاءً وَفَخْراً

وَنِوَاءً عَلٰی أَهْلِ الإِسْلَامِ، فَهِيَ لَهُ وِزْرٌ، وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ سِتْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي ظُهُورِهَا، وَلَا رِقَابِهَا، فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ، وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لِأَهْلِ الإِسْلَامِ فِي مَرْجٍ، أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ مَا أَكَلَتْ حَسَنَاتٌ وَكُتِبَ لَهُ عَدَدَ أَرْوَاثِهَا وَأَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ، وَلَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ آثَارِهَا، وَأَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ، وَلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلٰی نَهْرٍ، فَشَرِبَتْ مِنْهُ، وَلَا يُرِيدُ أَنْ يَسْقِيَهَا إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ مَا شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ))

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ؟ قَالَ: ((مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ إِلَّا هٰذِهِ الآيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ: {فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ})) (متفقٌ عَلَيْهِ، وهذا لفظ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سونے چاندی کا مالک ہو، پھر اس میں سے اس کا حق (یعنی زکوۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی اور جہنم کی آگ میں ان تختیوں کو گرم کیا جائے گا، پھر ان تختیوں کے ذریعہ اُس آدمی کے پہلو، پیشانی اور پُشت کو داغ لگایا جائے گا۔ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہونے لگیں گی تو پھر دوبارہ ان کو آگ میں تپایا جائے گا، اور یہ اُس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یعنی میدانِ حشر میں) اور یہی سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوجائے (یعنی یہ عذاب جہنم میں نہیں ہوگا، بلکہ جنت و جہنم کا فیصلہ ہونے سے پہلے میدانِ حشر میں ہوگا۔ پھر لوگوں کے حساب کتاب کے بعد

جس کو جہنم میں جانا ہے اس کو جہنم میں بھیجا جائے گا جس کا جنّت کے لئے فیصلہ ہوا ہے اس کو جنّت میں بھیجا جائے گا) تو وہ بھی اپنا راستہ دیکھ لے گا کہ جنّت کی طرف بھیجا جارہا ہے یا جہنم کی طرف۔

کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! (یہ تو اُس آدمی کا حال ہے جس کے پاس سونا چاندی تھا اور اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی) اگر کسی کے پاس اونٹ ہوں اور اس نے ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اونٹ والا بھی جو اس کا حق ادا نہ کرے، جس کے حق میں (ایک تو زکوٰۃ ہے، اور) ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی باری کے دن اس کا دودھ دوہا جائے (اُس زمانہ میں اونٹ وغیرہ کا دودھ بیچا نہیں جاتا تھا، بلکہ اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے گھاٹ پر لے جاتے تھے، وہیں ان کا دودھ دوہا جاتا تھا اور غرباء و مساکین میں جن کو دودھ کی ضرورت ہوتی تھی وہ پہلے سے وہاں آجایا کرتے تھے، ان کو ان کی ضرورت کے مطابق دودھ دیدیا جاتا تھا اور مالک اپنے لئے بھی رکھ لیتا تھا۔ گویا حاجتمندوں کو ان کی حاجت کے مطابق دودھ دینا بھی اونٹ کے حقوق میں سے ایک حق ہے، اُس وقت یہی عرف اور رواج تھا، بعد میں اس کی فروخت کی بھی اجازت ملی ہے، لہٰذا اگر کوئی آدمی اس کا دودھ بیچے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ خیر) جب قیامت کا دن آئے گا تو ان اونٹوں کے سامنے اس آدمی کو ایک چٹیل میدان میں لٹا دیا جائے گا اور وہ اونٹ دنیا میں جیسی بڑی جسامت والے نظر آتے ہیں اس سے بھی بڑے نظر آئیں گے، یہاں تک کہ اُس کے پاس جو اونٹ تھے اس کا ایک سال کے چھوٹے سے بچّے کو بھی وہاں گُم نہیں پائے گا (مطلب یہ ہے کہ جتنے اونٹ تھے سب وہاں موجود ہوں گے) اور وہ اونٹ اپنے پاؤں سے اس آدمی کو روندیں گے، ان اونٹوں کو اس کے اوپر سے گزارا جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اونٹ اُس آدمی کو اپنے منہ سے کاٹیں گے، اور ایک

مرتبہ تمام اونٹوں کی لائن پوری ہوجائے گی تو پھر دوبارہ اس کو شروع کیا جائے گا اور بار بار یہی سلسلہ جاری رہے گا ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یعنی میدانِ حشر میں) یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان حساب کتاب ہوجائے گا، پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا کہ جہنم کی طرف بھیجا جارہا ہے، یا جنّت کی طرف۔

پھر حضور ﷺ سے گائے اور بکری کے متعلق پوچھا گیا تو حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گائے اور بکریوں کا مالک جو اس کا حق ادا نہیں کرتا (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا) اس کو بھی قیامت کے دن (میدانِ محشر میں) لٹایا جائے گا، پھر اس کی ان گایوں اور بکریوں کو لایا جائے گا، ان میں سے ایک بھی گائے اور بکری غیر حاضر نہیں ہوگی، اور ان گایوں کے سینگ مڑے ہوئے نہیں (بلکہ نوکیلے) ہوں گے، اور بغیر سینگ کی اور ٹوٹے ہوئے سینگ والی بھی کوئی گائے نہیں ہوگی پھر یہ سب اپنے پاؤں سے اس کو روندیں گی اور اپنے سینگوں سے اس کو ماریں گی۔ جب ایک مرتبہ وہ سب گزر جائیں گی تو دوبارہ پھر گزارا جائے گا اور یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کا حساب وکتاب ہوجائے گا، اور پھر یہ بھی اپنا راستہ دیکھ لے گا کہ جنّت کی طرف بھیجا جارہا ہے یا جہنم کی طرف۔

پھر حضورِ اکرم ﷺ سے پوچھا گیا: کسی کے پاس اگر گھوڑے ہوں، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھوڑے تین طرح کے ہوتے ہیں (یعنی تین مقاصد سے پالے جاتے ہیں) ایک قسم تو اس کے پالنے والے کے لئے بوجھ ہے، دوسری قسم اس کے پالنے والے کے لئے پردہ پوشی کا ذریعہ ہے، اور تیسری قسم پالنے والے کے لئے اجر وثواب کا باعث ہے۔

پہلی قسم جو پالنے والے کے لئے بوجھ ہے وہ جس نے دکھلانے کے واسطے اور ریا ونمود اور فخر وغرور کے لئے گھوڑے پالے (تاکہ لوگ یوں کہیں کہ ماشاء اللہ اس کے پاس تو بڑے عمدہ عمدہ گھوڑے ہیں اور لوگوں کے سامنے اپنے گھوڑوں کے ذریعہ تکبر کرتا پھرے) اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت وانتقام کے لئے پالتا ہے؛ تو ایسے گھوڑے اس کے لئے عذاب ہیں (اور قیامت

میں ان کی وجہ سے اس کی گرفت ہوگی۔)

اور گھوڑوں کی دوسری قسم جو پردہ پوشی کا ذریعہ ہے، وہ آدمی جس نے گھوڑوں کو اللہ کے راستہ میں استعمال کرنے کے لئے پالا، پھر ان کی پشت میں اور ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ کا جو حق تھا (گردن میں حق یعنی ان کی زکوۃ ادا کی۔ اور پشت میں حق کا مطلب یہ ہے کہ کسی ضرورت مند کی کسی ضرورت میں کام آیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جہاں گھوڑے پالے جاتے ہیں، وہاں اطراف میں جن کے پاس سواری کا جانور نہیں ہوتا، اگر ان کے یہاں اچانک کوئی بیمار ہوگیا اور اس کو دیہات سے شہر کی طرف لے جانے کی ضرورت پیش آئی، تو ایسے موقعوں پر جن کے پاس اس قسم کی سواریاں ہوتی ہیں وہ مانگی جاتی ہیں۔ تو یہ بھی حق ہے کہ ضرورتمندوں کو ضرورت کے وقت سواری دی جائے، انکار نہ کیا جائے۔ تو ان کی پشت میں جو حق تھا وہ بھی بھولا نہیں بلکہ اس کو ادا کیا) تو ایسے گھوڑے اس کے پالنے والے کے لئے پردہ پوشی کا ذریعہ ہوں گے۔

اور وہ آدمی جس کے لئے گھوڑا پالنا اجر ہے وہ ہے جس نے گھوڑوں کو (صرف اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے نہیں پالا، بلکہ) اللہ کے راستہ میں مسلمانوں کے واسطے (جہاد میں استعمال کرنے کے لئے) پالا، اس کا گھوڑا چراگاہ میں جتنا بھی گھاس چرے گا تو ہر گھاس کے بدلہ میں اس کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی، اور یہ گھوڑا اگر پیشاب پاخانہ بھی کرے گا تو اس پر بھی پالنے والے کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(اور ایسا ہوتا ہے کہ گھوڑے کو چرنے کے لئے بڑے میدان میں ایک دم سے چھوڑ نہیں دیتے، بلکہ ایک لمبی رسّی سے باندھ دیا جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس رسّی سے باندھا ہوا ہوتا ہے، گھوڑا جوش میں آکر اس رسّی کو توڑ ڈالتا ہے، اور میدان میں ایک دو چکّر کاٹتا ہے، اس درمیان میں لید بھی نکالتا جاتا ہے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے

ہیں کہ) وہ رسّی جس سے اس کو باندھا گیا تھا اگر اس نے توڑ ڈالی، پھر ایک دو چکّر لگائے تو اس نے جتنے قدم اٹھائے ہیں ان کے بقدر اس کے مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی، اور اس درمیان جو لید نکالی ہے اس پر بھی نیکیاں لکھی جائیں گی۔

اور اگر اس کا مالک اس گھوڑے کو لے کر کسی نہر کے پاس سے گزر رہا ہو، اور نہر پار کرتے ہوئے اس نے منھ ڈال کر پانی پی لیا، حالاں کہ مالک کا ارادہ پانی پلانے کا نہیں تھا؛ تب بھی اس نے جتنا پانی پیا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مقدار میں اس کے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی (مطلب یہ ہے کہ ایسے گھوڑے کی ہر ہر چیز پر پالنے والے کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں)۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کسی نے گدھے پال رکھے ہوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گدھوں کے سلسلہ میں میرے اوپر کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے، ہاں! ایک آیت ہے جس میں آدمی کے ہر عمل کے متعلق ایک اصول اور ضابطہ بتلا دیا گیا ہے ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ جس نے معمولی سی نیکی کی اس کا بدلہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں دیکھے گا، اور اگر ذرّہ برابر بھی برائی کی تو اس کی سزا بھی اس کو وہاں پر ملے گی۔

افادات:- یہ ایک لمبی روایت ہے جس میں زکوۃ کے ادا نہ کرنے پر عذاب کا تذکرہ ہے۔ اور اس میں ایک ایسا اصول ہے کہ آدمی کی زندگی کا ہر عمل اس کے ماتحت آجاتا ہے اور اس کا حکم بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ جس نے گدھے پالے اور اچھی نیت سے پالے ہیں تو وہ نیکی میں داخل ہے، اس کا بھی اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر ملے گا۔ اور اگر کوئی بری نیت ہے تو یہ گناہ میں داخل ہے اور قیامت میں اس کو اس کی سزا ملے گی۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ گدھوں میں زکوۃ نہیں ہے، البتہ اگر وہ تجارت کے ہوں تو اس میں زکوۃ ہوتی ہے، لیکن اگر پالے ہوئے ہیں تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بَابُ وُجُوْبِ صَوْمِ رَمَضَانَ وَبَيَانِ فَضْلِ الصِّيَامِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ

رمضان کے روزوں کا فرض ہونا، روزوں کی فضیلت اور اس سے متعلق دوسری چیزوں کا بیان

چناں چہ اس سلسلہ میں قرآنِ شریف کی یہ آیت جس کے نزول سے روزوں کی فرضیت کا حکم آیا تھا اس کو پیش کیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ أَيَّاماً مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾[1] اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں

---

(۱) ترجمہ:- اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر، تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔ چند روز ہیں گنتی کے، پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر؛ تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے۔ اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلا ہے ایک فقیر کا کھانا۔ پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا=

اسی طرح جیسے تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے۔

صرف فرض کئے جانے میں یہ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ان پر فرض تھے تم پر بھی فرض کئے گئے ہیں، باقی تعداد اور کیفیت وغیرہ کے اعتبار سے پورے طور پر دونوں کو مساوی قرار دینا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگلی امتوں میں روزوں کی شکل یہ ہوا کرتی تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد آدمی جب سو گیا تو وہیں سے روزہ شروع ہو جاتا تھا یعنی جیسے ہم لوگ اُٹھ کر سحری کرتے ہیں اور صبحِ صادق سے پہلے پہلے کھا پی سکتے ہیں، چاہے سوئے ہوں، یا نہ سوئے ہوں؛ ان کے یہاں ایسا نہیں تھا، بلکہ وہاں تو یہ تھا کہ جہاں آنکھ لگ گئی بس روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ شروع اسلام میں بھی جب روزوں کی فرضیت ہوئی تو یہی طریقہ تھا کہ جہاں آنکھ لگ گئی کہ اب کھانا پینا، بیوی کے ساتھ صحبت کرنا؛ سب ممنوع ہو جاتا تھا اور روزہ شروع ہو جاتا تھا، لیکن حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعضوں کے ساتھ ذرا سخت حالات پیش آئے جیسا کہ روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس عشاء کی نماز کے بعد مشورہ کے لئے بیٹھتے تھے، ایک مرتبہ وہ وہاں سے دیر سے پہنچے، ان کو اپنی بیوی سے اپنی ضرورت پوری کرنے کا تقاضہ تھا، انہوں نے مطالبہ کیا تو بیوی نے جواب دیا کہ میری تو آنکھ لگ گئی تھی اور میں سوگئی تھی، گویا میرا روزہ شروع ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تھوڑا ہی سویا تھا اور اپنی ضرورت پوری کرلی۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل کیا جاتا ہے۔

= ہے اس کے واسطے۔ اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن، ہدایت ہے واسطے لوگوں کے، اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے، اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر، تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیے اور دنوں سے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

بہر حال! کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی صورت پیش آئی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ (۱)۔

اس آیت سے گویا اس بات کی اجازت دیدی گئی کہ صبحِ صادق تک آپ اپنی بیویوں کے ساتھ صحبت کر سکتے ہیں اور اب روزہ صبحِ صادق سے شروع ہوگا، چاہے آنکھ لگی ہو یا نہ لگی ہو۔

اسی طرح کھانے پینے کے معاملہ میں بھی ہوا۔ قیس بن صرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک غریب صحابی تھے، محنت مزدوری کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ دن بھر روزے سے تھے، فطار کے وقت گھر پہنچے، بیوی سے کہا: افطار کے لئے کچھ ہے؟ بیوی نے کہا: کچھ بھی نہیں ہے، پھر بیوی نے کہا: ٹھہرو! میں پڑوسی کے یہاں سے کچھ لے آتی ہوں، سورج تو غروب

---

(۱) ترجمہ:- حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے، وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی، اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے، سو معاف کیا تم کو اور درگذر کی تم سے، پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے، اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے، پھر پورا کرو روزہ کو رات تک، اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں، یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی، سو ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اسی طرح بیان فرمایا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تا کہ وہ بچتے رہیں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ہو ہی چکا تھا، بیوی پڑوسی کے یہاں کچھ لینے گئی اور جب وہاں سے واپس لوٹی تو دیکھا کہ ان کی تو آنکھ لگ گئی ہے، اب وہ کچھ لے کر تو آئی تھی لیکن چوں کہ ان کی آنکھ لگ گئی تھی اس لیے ان کا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا تھا اس لیے وہ کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے، اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ پھر دوسرے دن روزہ پورا ہوا تو شام کو پھر یہی صورت پیش آئی کہ افطاری کے لئے کچھ تھا نہیں، بیوی نے کہا: میں پڑوسی کے یہاں سے کچھ لے کر آتی ہوں، وہ لینے گئی اور جب کچھ لے کر لوٹی تو دیکھا کہ ان کی آنکھ لگ گئی ہے، اب تو ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ بہر حال! یہ بھی ایک سبب تھا۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگلی امتوں میں ایسا تھا کہ جب آدمی رات کو سو جاتا، وہیں سے روزہ شروع ہو جاتا تھا، صبح صادق کے آنے کا انتظار نہیں تھا، اسلام میں بھی شروع میں اسی طرح کا حکم دیا گیا تھا، بعد میں پھر اس میں تخفیف کر دی گئی اور صبح صادق سے روزہ کی ابتدا قرار دی گئی، چاہے کسی کی آنکھ لگی ہو یا نہ لگی ہو۔

اسی طریقہ سے روزوں کی تعداد کے سلسلہ میں بھی ہے، شروع اسلام میں دسویں محرم کا روزہ فرض ہوا تھا، اس کے بعد رمضان کی فرضیت آئی، یعنی پورے مہینہ کے روزے اس کے بعد فرض ہوئے۔ اور شروع میں جب روزوں کا حکم دیا گیا اس وقت بھی لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہیں تھے، اس لیے شریعت کی طرف سے سہولت دی گئی تھی کہ روزہ رکھنا چاہو تو روزہ رکھ لو، اور اگر روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ دینا چاہو یعنی ایک روزہ کے بدلہ میں غریب کو صدقۃ الفطر کی مقدار صدقہ کر دو؛ تب بھی کافی ہو جائے گا۔ ہمارے معاشرہ میں تو چوں کہ بچّوں کو بچپن ہی سے روزہ رکھواتے ہیں، اس لئے ان کو عادت پڑ جاتی ہے اور بڑے ہو کر آسانی سے روزے رکھ لیتے ہیں، لیکن جو پہلے سے

عادی نہ ہوں ان کو آپ دیکھیں گے کہ چاہے پیٹ بھر کر سحری کھائی ہو تب بھی ان کے لیے شام تک بھوکا رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو گویا ان کو شروع میں روزہ رکھنے اور فدیہ دینے کے معاملہ میں اختیار دیا گیا تھا، اور یہ حکم کسی بیماری یا بڑھاپے پر موقوف نہیں تھا، لیکن بعد میں لوگ جب روزوں کے عادی ہو گئے تو پھر یہ آیت ﴿فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ﴾ نازل ہوئی جس میں یہ حکم دیا گیا کہ اب تو ہر حال میں روزہ ہی رکھنا ہے، فدیہ سے کام نہیں چلے گا ﴿وَمَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ البتہ کوئی آدمی بیمار ہو تو بیماری کی وجہ سے اس کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے اور افطار کر لے، پھر بیماری سے جب تندرست ہو جائے تو ان روزوں کی قضا کر لے۔ اسی طریقہ سے کوئی آدمی رمضان کے مہینہ میں سفر میں ہو تو سفر کی وجہ سے اس کو رخصت اور اجازت دی گئی کہ روزہ نہ رکھے اور افطار کر لے، بعد میں سفر سے جب واپس آئے تو دورانِ سفر جتنے روزے چھوٹے ہوں ان کی قضا کر لے۔ اب بھی یہی حکم باقی ہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ﴾ کے لفظ ''كُتِبَ'' سے مشائخِ صوفیاء نے روزہ کے آداب کے سلسلہ میں کچھ نکات پیدا کئے ہیں کہ تمہاری ذات پر جو روزے فرض کئے گئے ہیں تو ان روزوں کے کچھ حقوق کی ادائیگی بھی تمہارے جسم کے دوسرے اعضاء کے ذریعہ ہونی چاہیے۔ چناں چہ آنکھ کا بھی روزہ ہے، زبان کا بھی روزہ ہے، کان کا بھی روزہ ہے، اور دوسرے اعضاء کا بھی روزہ ہے۔

اس لیے پہلی بات یہ ہے کہ آدمی روزہ کی حالت میں اپنی آنکھوں کو بدنظری سے بچائے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ وہ چیزیں جو روزہ کے علاوہ دیگر اوقات میں حلال ہیں،

روزہ کے نام پر ان سے تو بچا جائے، جیسے: کھانا پینا اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت۔ہم رمضان کے دنوں ہی میں رات کے وقت کھاتے پیتے ہیں، اور رمضان کے علاوہ دن میں بھی کھاتے پیتے ہیں۔تو حلال کام ایک عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خاطر صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب کے مقررہ وقت تک اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے روزہ کی مناسبت سے ہم نے چھوڑ دیئے۔تو جب آدمی حلال کام چھوڑ کر روزہ رکھ رہا ہے،تو پھر ایسے کام جو روزہ کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی حرام اور ممنوع ہوں، جیسے: بدنظری یعنی آنکھ کا گناہ، ٹی وی دیکھنا، ویڈیو اور سنیما دیکھنا؛ یہ سب کام روزہ کے علاوہ بھی ہر حال میں ممنوع ہیں؛ ان سے تو بطریقۂ اولیٰ بچنا چاہیے۔آج کل لوگوں نے انہیں چیزوں کو روزہ میں ٹائم پاس کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے کہ ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں، گندی گندی فلمیں دیکھتے رہتے ہیں؛ پھر روزہ میں تاثیر کہاں رہے گی؟

آگے راویت آنے والی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کو ڈھال قرار دیا ہے میدانِ جنگ میں آدمی دشمن کے حملہ سے بچاؤ کے لئے اپنے پاس ڈھال رکھتا ہے، جب دشمن تلوار کے ذریعہ سے حملہ اور وار کرتا ہے ڈھال سامنے کردی جاتی ہے اور اس کے حملہ سے اپنے آپ کو بچالیا جاتا ہے۔گویا شیطان ہمارے اوپر وار کرتا ہے اس سے بچاؤ کے واسطے روزہ ہی کو ایک طرح کی ڈھال قرار دیا گیا ہے، یا جہنم سے حفاظت کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کو ڈھال بتلا دیا ہے۔ایک روایت میں ہے ﴿الصَّوْمُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا﴾ روزہ ڈھال ہے بشرطیکہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے ڈھال جب پھٹ جاتی ہے تو پھر مقابلہ کے وقت دشمن کے حملہ سے حفاظت کا کام نہیں دیتی۔اسی طرح روزہ کو بھی اگر ہم نے گناہوں کے ذریعہ سے خراب کردیا تو گویا

ڈھال کو بیکار کر دیا اور پھاڑ دیا، اب ایسا روزہ شیطان کے حملہ سے حفاظت کا باعث نہیں بن سکتا۔اس لیے پہلی چیز تو یہ ہوئی کہ آدمی اپنی آنکھوں کی حفاظت کرے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔روزہ کی حالت میں غیبت،چغلی، بہتان،لڑائی جھگڑا وغیرہ چیزوں سے بہت بچے۔اگر کوئی ہم سے جھگڑا کرنے لگے تو اس سے کہہ دیا جائے کہ میرا روزہ ہے، میں تیری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔اور اگر وہ نادان ہے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اپنے جی سے خود ہی خطاب کر کے کہہ دے کہ میرا تو روزہ ہے۔تو زبان بھی ایک عضو ہے، روزہ میں اس کی حفاظت کا اہتمام ہونا چاہیے تب ہی زبان کا روزہ ہوگا۔آج کل لوگ روزہ کی حالت میں غیبت کرتے رہتے ہیں، گویا لوگوں نے غیبت کو بھی ٹائم پاس کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے،بس! میری تیری میں لگے رہتے ہیں۔

تیسری چیز یہ ہے کہ کان کو بھی غیبت سننے سے،لڑائی جھگڑے سے،کسی کی بدگوئی، گانے اور موسیقی سننے سے بچایا جائے،بعض لوگ انہیں چیزوں کو روزہ میں ٹائم پاس کرنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں، دن بھر گانے سنتے رہتے ہیں؛ تو ان صورتوں میں روزہ کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح اپنے دوسرے اعضاء یعنی ہاتھ، پاؤں کو بھی گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے، ورنہ جس روزہ کو ڈھال قرار دیا ہے ایسا روزہ پھر ڈھال نہیں بنتا۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جو آدمی روزہ کی حالت میں لغو چیزوں سے نہیں بچتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ بھوکا پیاسا رہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ تم پر روزے فرض کئے گئے ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اسی طرح جیسے اگلی امتوں پر فرض کئے گئے۔روزوں کی فرضیت

میں انسان کے اعضاء بھی داخل ہیں﴿أَيَّاماً مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ چند دنوں کے روزے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب روزوں کی فرضیت والا یہ حکم نازل فرمایا تو اس میں بھی بڑا پیارا انداز اختیار کیا، چوں کہ لوگ روزوں کے عادی نہیں تھے، اور روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو آگے حکم ہوا﴿أَيَّاماً مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ چند دنوں کے روزے ہیں ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ اور وہ رمضان کے مہینہ کے ہیں۔ وہ چند دن جن میں تم پر روزے فرض کئے گئے وہ فقط ایک ہی مہینہ ہے، اگر انتیس کو چاند ہوجائے تو انتیس (۲۹) ورنہ تیس (۳۰) روزے ہیں۔﴿الَّذِیْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآن﴾ پھر رمضان کا یہ مہینہ ایسا بابرکت ہے جس میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف پورا قرآن پاک یکبارگی اتارا گیا، پھر آسمانِ دنیا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تیئیس (۲۳) سال کے عرصہ میں تدریجاً رمضان اور غیر رمضان میں اترتا رہا﴿هُدًى لِّلنَّاس﴾ یہ وہی قرآن ہے جو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے ﴿وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ اور اس کا ایک ایک جزو اور ایک ایک آیت ہدایت کی روشن دلیل ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی ہے ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ تم میں سے جو کوئی رمضان کا مہینہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں پالے اس کو چاہیے کہ روزے رکھے ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ اور اگر کوئی بیمار ہے، یا سفر میں ہے تو یہ گنتی دوسرے مہینہ میں پوری کرلے، یعنی ان روزوں کی بعد میں قضا کرلے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مہینہ رکھا ہی اس لئے ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ تقویٰ حاصل کرلے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ صفتِ تقویٰ پیدا کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزوں کو فرض کیا۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچائے۔ درحقیقت روزہ کی حالت میں آدمی کو اس بات کا

مکمل استحضار رہتا ہے اور وہ اپنے دل و دماغ میں ہر وقت یہ بات تازہ رکھتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جیسے ہی ایک آدمی نے روزہ کی نیت کرلی، تو پھر چاہے وہ کیسا ہی گیا گزرا آدمی کیوں نہ ہو، اور کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، لیکن جب ایک مرتبہ وہ یہ طے کرلیتا ہے کہ میں نے روزہ رکھا ہے، تو اب گرمی کے دن ہوں، وہ اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا ہو، دروازہ اندر سے بند ہو، کُنڈی لگی ہوئی ہو، اس کو پیاس بھی شدّت کے ساتھ لگ رہی ہو، حلق میں کانٹے چُبھ رہے ہوں، زبان سوکھ رہی ہو، کمرہ میں فریج موجود ہو اور اس میں ٹھنڈا پانی بھی رکھا ہوا ہو، اس کے باوجود وہ آدمی کبھی بھی اس پانی کو نہیں پیئے گا۔ حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ میں ابھی چُپکے سے پانی پی لوں تو یہاں کوئی بھی دیکھنے والا نہیں ہے، میں پانی پی کر بھی لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو روزہ دار ظاہر کرسکتا ہوں، اور شام کو افطار کے دستر خوان پر بڑی آزادی سے اپنے آپ کو روزہ دار ظاہر کرتے ہوئے شریک ہوسکتا ہوں، کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ روزہ کے معاملہ میں مَیں نے کوئی خیانت کی ہے؛ لیکن اس کے باوجود کوئی بھی ایسا نہیں کرتا۔ اس وقت گویا ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اسی لیے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ﴾ روزہ میرے لئے ہے، اس لیے اس کا بدلہ بھی میں ہی دوں گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کیفیت جو دل میں پیدا ہوئی جس نے اس بات کو آپ کے دل و دماغ میں ہر وقت تازہ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، میں اگر پانی پی لوں گا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہے، چاہے دنیا نے نہ دیکھا ہو، تو جیسے اُس وقت آدمی پانی نہیں پیتا اور یہ سوچتے ہوئے- کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے روزہ رکھا ہے اور جس کے لئے رکھا ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے- روزہ توڑنے کی کبھی جرأت نہیں کرتا، اسی تصور اور احساس کو اور اسی استحضار کو دل و دماغ میں اور زیادہ پھیلانے اور

بڑھانے کی ضرورت ہے۔ یہ خیال صرف پانی پینے یا روزہ کے خلاف کام کرنے تک باقی نہ رہے، بلکہ جب آپ دکان پر بیٹھیں اور گاہک کے ساتھ کوئی معاملہ کررہے ہوں، اُس وقت بھی آپ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یا گھر والوں اور پڑوسیوں کے ساتھ کوئی معاملہ کررہے ہوں، یا دنیا میں کہیں بھی کسی کے بھی ساتھ جب کوئی معاملہ کرنے لگیں تو یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اور میں جو کچھ کررہا ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، تو اس صورت میں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی جرأت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کے ڈر کا یہ احساس روزہ کی حالت میں تو ہمارے دل میں ہوتا ہی ہے، اگر یہی احساس ایسا عام ہوجائے کہ روزہ تک محدود نہ رہے، اسی کو تقویٰ کہتے ہیں، اور روزہ کے ذریعہ یہی احساس پیدا کرنا مقصود ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزہ میں تقویٰ کی ایک چھوٹی سی مشق کرائی گئی ہے، اسی کو آگے بڑھا کر پوری زندگی میں لانا ہے اور عملی جامہ پہنانا ہے۔ اگر ایسا کریں گے تو ان شاء اللہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہوجائے گا، اور روزہ کا یہی اصل فائدہ اور خصوصیت ہے۔

رمضان المبارک کے مہینہ میں روزہ کے علاوہ تراویح پڑھی جاتی ہے، نفلی عبادتیں، تلاوتِ قرآنِ کریم، ذکر و اذکار اور صدقہ وغیرہ کی کثرت کی جاتی ہے، لیکن زیادہ کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ آدمی اپنے آپ کو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچائے۔ اس لئے کہ نفلی عبادت کا حال تو یہ ہے کہ اگر آپ کریں گے تو اس کا ثواب ملے گا، اور نہیں کریں گے تو کوئی گناہ ہونے والا نہیں ہے، اور اس پر کوئی گرفت اور پکڑ بھی نہیں ہوگی، لیکن خدا نہ کرے اگر کوئی بھی گناہ کرلیا تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوگی اور عذاب ہوگا۔

ویسے بھی جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو کیسا ہی گیا گزرا آدمی کیوں نہ ہو، وہ

بھی نہا دھو کر مسجد میں آ ہی جاتا ہے اور تراویح میں شریک ہو جاتا ہے اور چھوٹی موٹی عبادتیں بھی کر لیتا ہے، اگر روزانہ نہیں تو رمضان میں اور جمعہ کے دن وہ بھی اہتمام کر لیتے ہیں، یا بڑی راتیں آتی ہیں تو روزانہ والوں کے مقابلہ میں ایسے لوگ پہلے سے آ کر مسجد میں جگہوں پر قابض ہو جاتے ہیں۔ تو نفلی عبادتوں کا اہتمام ہر کوئی کر لیتا ہے لیکن گناہوں سے بچنا بڑی اہم چیز ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے۔ اس آیت میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کے ذریعہ سے یہی تعلیم دینا مقصود ہے کہ روزوں کے نتیجہ میں تم کو تقویٰ آ جائے، اور آدمی اپنی زندگی میں تقویٰ والی صفت پیدا کر لے۔ گویا روزہ خود ہی تقویٰ کا ایک چھوٹا سا پروگرام اور نصاب ہے۔

ایک حدیثِ قدسی

۱۲۱۵:- وعن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((قَالَ اللهُ -عزوجل-: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلاَّ الصِّيَام، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ. فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلاَ يَرْفُثْ وَلاَ يَصْخَبْ فإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ: لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ. لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ بفطره، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ، وهذا لفظ رواية البُخَارِي)

وفی روايةٍ لَهُ: ((يَتْرُكُ طَعَامَهُ، وَشَرَابَهُ، وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي، الصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا)).

وفی رواية لمسلم: ((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يضاعف، الحسنةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ. قَالَ اللهُ تَعَالَى: إِلاَّ الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ

؛ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي. للصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ. وَلَخُلُوفُ فِيهِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ)).

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے؛ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں (میرے لئے ہونے کی وجہ دوسری روایت میں یہ آئی ہے) کہ وہ اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت کو میرے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اور روزہ شیطان کے حملہ سے حفاظت کی ڈھال ہے، جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ بے کار باتیں نہ کرے اور نہ شور مچائے۔ اگر کوئی دوسرا برا بھلا کہے یا لڑنے لگے تو اس کو جواب میں کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، پھر بھی اگر وہ نہیں مانتا تو کم سے کم اپنے دل ہی سے کہہ دے کہ تیرا تو روزہ ہے۔ اور قسم ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کی! روزہ دار کے منھ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ روزہ دار کے لئے دو چیزیں خوشی کی ہیں جن سے وہ بہت خوش ہوگا، ایک تو افطار کے وقت جو کہ افطار سے ہوتی ہے، اور دوسری خوشی اللہ تعالیٰ سے ملنے کے وقت ہوگی۔

دوسری روایت میں ہے کہ (تمام اعمال کے بدلوں کے لئے تو فرشتوں کو بتلا دیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہدایت اور اصول کے مطابق اعمال کا ثواب لکھتے رہتے ہیں) کسی عمل کا ثواب دس سے لے کر ستّر گنا تک، اور کسی عمل کا سات سو گنا تک لکھتے ہیں، لیکن روزہ کے ثواب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ اس کا ثواب مَیں ہی دوں گا (گویا اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس کا ثواب کتنی مقدار میں ہے۔ اس لیے کہ روزہ میں ایک خاص چیز یہی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے تصور سے اور اُسی کے خاطر اپنے آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھتا ہے۔)

ایک نومسلم کے ایمان لانے کا قصہ

افادات:- قدرۃ اللہ شہاب ایک سرکاری آفیسر تھے، انھوں نے ’’شہاب نامہ‘‘ کے نام سے اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔ تقسیمِ ملک سے پہلے وہ یہیں تھے، تقسیم کے بعد اُدھر چلے گئے تھے۔ ایک مرتبہ سفیر کی حیثیت سے وہ بیلجیم (ہولینڈ) گئے ہوئے تھے۔ اس سفر کا ایک واقعہ انہوں نے لکھا ہے کہ میں ہولینڈ میں ایک پارک میں گیا، وہاں کے لوگ اپنے مذہب (یعنی عیسائیت) کے معاملہ میں بڑے متعصب تھے۔ اس کا بھی ایک نمونہ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے یہاں اپنے بچّوں کو مذہب کے معاملہ میں آزادی ہے۔ بچّے کی پیدائش کے بعد پیدائش کا جو فارم پُر کیا جاتا ہے اس میں اس بچّے کا نام اور دوسری ساری چیزیں لکھ کر مذہب والا خانہ خالی چھوڑ دیا جاتا ہے کہ یہ بچّہ بڑا ہونے کے بعد جس مذہب کو اپنے لئے مناسب سمجھے اختیار کر سکتا ہے، اس وقت اس جگہ اس کا مذہب لکھا جائے گا۔ تو اس جگہ کو خالی چھوڑنے کے ساتھ ساتھ وہاں لکھ دیتے ہیں کہ بڑا ہو کر سوائے اسلام کے جو مذہب چاہے وہ اختیار کرے۔ گویا ان کو اسلام کے ساتھ اتنا زیادہ تعصب ہے۔

لیکن وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں وہاں ایک پارک میں گیا، ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ عربی لہجہ میں قرآنِ پاک کی آواز سنی، تو میں سوچنے لگا کہ ہولینڈ کا رہنے والا قرآن پاک پڑھ رہا ہے؟ میں اس کے پاس پہنچا، سلام کیا، بات چیت میں اس نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں کے ہو؟ میں نے کہا: میں پاکستان کا ہوں۔ اس سے نام پوچھا تو اس نے اپنا نام عبدالرحمن بتلایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کیسے اسلام لائے؟ تو اس نے کہا: میرے اسلام لانے کی اصل بنیاد یہ ہوئی کہ میں اسٹیمر کا کپتان تھا۔ ایک

مرتبہ ہماری اسٹیمر کراچی کی بندرگاہ پر کھڑی ہوئی، سخت گرمی کا زمانہ تھا، مزدور لوگ سامان منتقل کررہے تھے اور سخت گرمی کی وجہ سے پسینے میں شرابور ہورہے تھے، میں نے ان مزدوروں کے لئے پانی پینے کا انتظام کیا، تو ایک بوڑھا آدمی تھا اس نے پانی نہیں پیا اور کہا کہ میرا روزہ ہے۔ میں اس کو اپنے کیبن میں لے گیا، دروازہ اندر سے بند کیا اور فریج میں سے بہترین جیوس نکال کر اس کو دیا اور کہا کہ یہاں کوئی نہیں ہے، اس کو پی لو۔ اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا کہ وہ دیکھ رہا ہے۔ اس کے اس طرز عمل سے مجھے بہت تعجب ہوا، پھر میں نے اس کو بہت سمجھایا کہ بھائی! تم محنت مزدوری کر رہے ہو، تمہیں پیاس لگی ہوگی۔ تو اس نے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے لیکن میرا روزہ ہے، اس لیے میں ابھی کچھ نہیں پی سکتا، شام کو جب غروبِ آفتاب ہوگا اس کے بعد پیوں گا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں کوئی دیکھنے والا نہیں ہے، اور میری طرف سے اتنا زیادہ اصرار ہے، یہ اتنا غریب آدمی ہے، اور اس کو کبھی اتنا عمدہ جیوس میسر بھی نہیں آیا ہوگا، اس کے باوجود اس حال میں بھی وہ پینے کے لیے تیّار نہیں ہوا۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ کوئی تو بات ہے جس کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرتا۔ اسی واقعہ کی وجہ سے میرے دل میں ایمان آنا شروع ہوا اور اسی بنیاد پر میں ایمان لایا۔

شیطان کے حملوں سے حفاظت کی تدابیر

روزہ شیطان کے حملہ سے حفاظت کے لیے ڈھال ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ شیطان انسان کی رگوں میں ایسے چلتا ہے جیسا کہ خون؛ اس کے راستوں کو بھوک کے ذریعہ بند کرو۔ آدمی کا پیٹ جب بھرا ہوا ہو تب ہی خواہشیں ابھرتی ہیں اور خرمستیاں سوجھتی ہیں، پیٹ جب خالی ہو اور بھوک کی وجہ سے بے چینی ہو تو کبھی گناہ کا

تصور نہیں آسکتا، بھوک آدمی کی قوتِ حیوانیہ کو قابو میں لانے والی ہے، اسی لئے اس کو ڈھال قرار دیا گیا کہ بھوک گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے اکابر واسلاف کے زمانہ میں ریاضات ومجاہدات کے طریقے بتلائے گئے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے ان میں اصولی طور پر چار چیزیں بتلائی گئی تھیں، ایک تقلیلِ طعام ہے کہ کھانا کم کر دیا جائے، دوسرا بولنا کم کر دیا جائے، تیسرا لوگوں سے ملنا جلنا کم کر دیا جائے، اور چوتھا سونا کم کر دیا جائے۔ گویا یہ چار چیزیں مجاہدات کی بنیاد ہیں۔ اور روزہ میں ایک چیز یہ ہوتی ہے کہ آدمی بھوکا رہتا ہے اس لئے اس کو ڈھال قرار دیا۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے: ﴿الصِّيَامُ جُنَّةٌ مَالَمْ يَخْرِقْهَا﴾ روزہ ڈھال ہے جب تک کہ آدمی اس کو پھاڑ نہ دے۔ اس لئے کہ ڈھال اگر پھٹی ہوئی ہو تو پھر وہ کام نہیں دے گی، اور اس کے ذریعہ سے آپ دشمن کے حملہ سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے۔ اسی طرح روزہ بھی شیطان کے حملہ سے اُسی وقت بچا سکے گا کہ جب آپ اس کو گناہوں کے ذریعہ سے پھاڑ نہ دیں۔

بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک نمونہ

روزہ دار کے منھ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ دراصل بندوں کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور بندوں کی قدر و عظمت کا ایک نمونہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے خاطر بھوکا رہا جس کے نتیجہ میں معدہ کے خالی رہنے کی وجہ سے منھ میں بدبو پیدا ہوئی اس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ قدر ہے۔

روزہ دار کے لئے دو چیزیں خوشی کی ہیں، ایک تو ہر روزہ دار جانتا ہے کہ افطار

کا وقت آتا ہے تو کیسی خوشی ہوتی ہے، اور اسی روزہ کی وجہ سے کل اللہ تعالیٰ سے ملنے کا وقت آئے گا تو یہی روزہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے، اس لئے وہاں پر بھی اس کو خوشی ہوگی، تو دنیا میں بھی خوشی ملتی ہے اور آخرت میں بھی خوشی ملے گی۔

روزہ دار کو جنت میں باب الریّان سے بلایا جائے گا

۱۲۱۶:- وعنه أنّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، يَا عَبْدَ اللهِ هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ.)) قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ! مَا عَلَى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ فَقَالَ: ((نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے جوڑا جوڑا (یعنی دو دو چیزیں) اللہ کی راہ میں دینے کا اہتمام کیا (جیسے: کپڑے دئے تو جوڑی دیئے، بکری دی تو دو بکریاں دیں، اسی طرح اور چیزوں میں بھی اس کا اہتمام کیا) تو جنّت کے دروازوں سے اس کو پکارا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے (اور جیسی نیکی کی ہوگی اس کے مطابق ہی جنت کے دروازوں سے اس کو پکارا جائے گا) اگر کسی نے نماز والی نیکی کی ہے تو نماز والے دروازہ سے پکارا جائے گا (جنّت میں ایک دروازہ باب الصلوۃ کے نام سے ہے، نمازیوں کو وہاں سے جنّت میں داخل کیا جائے گا) اور جس نے جہاد والا عمل کیا ہے، تو اس کو جہاد والے دروازہ سے بلایا جائے گا، اور اگر روزہ والا عمل کیا ہے تو

اس کو جنّت میں باب الریّان سے بلایا جائے گا، اور کسی نے صدقہ وخیرات کی ہوگی تو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ان دروازوں میں سے اگر کسی ایک بھی دروازہ سے بلایا جائے تو پھر دوسرے دروازہ سے بلانے کی ضرورت تو نہیں ہے (مقصد تو جنّت میں داخل ہونا ہے، کسی ایک دروازے سے بھی بلایا جائے تو مقصد حاصل ہو گیا، لیکن میں پوچھنے کے طور پر پوچھ رہا ہوں کہ) کوئی ایسا بھی آدمی ہوگا جس کو جنّت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: جی ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جتنی نیکیوں کا اہتمام کرتا ہے اسی کے مناسب اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہاں تو روزہ رکھنے والوں کو باب الریّان سے بلایا جائے گا اسی مناسبت سے یہ روایت لائے ہیں۔

۱۲۱۷:- وعن سهل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((إنَّ في الجَنَّةِ بَاباً يُقَالُ لَهُ: الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَومَ القِيَامَةِ، لاَيَدْخُلُ مِنهُ أحدٌ غَيْرُهُمْ، يقال: أيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ لاَيَدخُلُ مِنهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ.)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنّت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریّان کہا جاتا ہے، قیامت میں روزہ دار اُس دروازہ سے داخل ہوں گے، اور روزہ داروں کے علاوہ کسی کو اُس دروازہ سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔ چناں چہ اعلان ہوگا: روزہ دار کہاں ہیں؟ تو سب روزہ دار اٹھیں گے اور اس دروازہ سے ان کے علاوہ کوئی نہیں جاسکے گا، جب سب روزہ دار اُس دروازہ سے داخل ہوجائیں گے تو وہ دروازہ بند ہوجائے گا۔

روزہ داروں کے فضائل

۱۲۱۸:- وعن أبي سعيد الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ: ((مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْماً فِي سَبِيلِ اللهِ إِلاَّ بَاعَدَ اللهُ بِذَلِكَ الْيَوْمِ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفاً. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ کے راستہ (یعنی جہاد) میں بھی روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اُس ایک دن کی وجہ سے جہنم سے ستّر سال دور کردیں گے۔

۱۲۱۹:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اور احتساب کی کیفیت کے ساتھ رکھے (احتساب یعنی اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھتے ہوئے) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

۱۲۲۰:- وعنه رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ، فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ مع تشریح:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں کی توفیق عام ہوجاتی ہیں) اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں (اسی وجہ سے بہت سے لوگ جو عام دنوں میں گناہوں کے عادی

ہوتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کر لیتے ہیں) اور شیطانوں کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے (یعنی قید کر دیا جاتا ہے، اس کے باوجود بھی جو تھوڑے بہت گناہ ہوجاتے ہیں وہ دراصل سال بھر کے گناہوں کا اثر ہوتا ہے۔)

۱۲۲۱:- وعنه أنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غَبِيَ عَلَيْكُمْ، فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِينَ))

متفقٌ عَلَيْهِ، وهذا لفظ البخاری.

وفی روایة لمسلم: ((فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَصُومُوا ثَلاَثِينَ يَوْماً)).

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور شوال کا چاند دیکھ کر افطار کرو، اگر انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

بَابُ الْجُوْدِ وَفِعْلِ الْمَعْرُوْفِ وَالْاِكْثَارِ مِنَ الْخَيْرِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَالزِّيَادَةِ مِنْ ذٰلِكَ فِيْ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْه

رمضان کے مہینہ میں نیکی کے کام اور سخاوت کی کثرت ہونی چاہئے۔ خاص طور پر رمضان کے آخری عشرہ میں اور زیادہ ترقی ہونی چاہئے

۱۲۲۲:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ رسول الله ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ جِبْرِيلُ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ الله ﷺ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبرِيلُ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان کے مہینہ میں جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے تھے اس وقت آپ کی سخاوت میں اور اضافہ ہوجاتا تھا۔ اور رمضان کی ہر رات میں

حضرت جبرئیل علیہ السلام آ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے تھے اور قرآنِ پاک کا دور کرتے تھے۔ اور جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال خرچ کرنے میں بادلوں اور پانی کو لانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے تھے۔

افادات:- ویسے بھی جتنے کمال کے اوصاف ہوسکتے ہیں وہ تمام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں پورے طور پر اور سب سے زیادہ موجود تھے۔ سخاوت بھی کمال کی ایک صفت ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں سب سے زیادہ تھی، حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی چیز کے متعلق انکار نہیں فرمایا، اگر آپ کے پاس وہ چیز ہوتی تو عنایت فرمادیتے، ورنہ اس کا وعدہ فرمالیتے، یا اس آدمی سے یوں کہہ دیتے کہ کسی سے قرض لے لو، بعد میں اس کی ادائیگی کا انتظام کردیا جائے گا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کے نمونے

ایک مرتبہ ایک عورت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے لنگی کے لئے ایک کپڑا آپ کی خدمت میں پیش کیا اور یوں کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میں نے اپنے ہاتھ سے تیّار کیا ہے تاکہ آپ کی خدمت میں پیش کروں، لہٰذا آپ اسے قبول فرمائیے۔ آپ نے اس کو قبول فرمالیا اور اس وقت آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ روایت میں آتا ہے کہ اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی دوسرا کپڑا نہیں تھا۔ چناں چہ آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، اور جب دوبارہ واپس تشریف لائے تو اسی کو پہنے ہوئے تھے، جب آپ مجلس میں آکر تشریف فرما ہوئے تو ایک صحابی اس کو ہاتھ لگا کر دیکھنے لگے اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو بڑا اچھا کپڑا ہے، مجھے عنایت فرمادیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ چناں چہ آپ دوبارہ اُس مجلس سے اُٹھے،

مکان میں تشریف لے گئے، اور وہاں سے آپ نے وہ کپڑا نکال کر تہہ کر کے ان کے پاس بھیج دیا۔ حضورِ اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن صحابی کو تنبیہ کی کہ تم بھی عجیب آدمی ہو، یہ چیز ایسے موقع پر آئی تھی کہ نبیٔ کریم ﷺ کو اس کی سخت ضرورت تھی، اسی لیے آپ نے فوراً اپنی ضرورت کے لئے اس کو استعمال بھی فرمایا، اور تم نے اسی کو مانگ لیا؟ حالاں کہ تم کو معلوم ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ ہے کہ آپ کبھی انکار نہیں فرماتے۔

ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا جس میں نوے ہزار درہم تھے، آپ نے وہ سارا مال مسجد کے صحن میں ڈلوا دیا اور اس کو تقسیم کرنا شروع کیا، شام ہونے سے پہلے وہ سارے دراہم تقسیم کر دئے، ایک پائی بھی اپنے پاس نہیں رکھی۔ نبیٔ کریم ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم تھا۔ اسی کو فرمایا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔

آپ ﷺ کے پرنواسے کے متعلق شاعر کی گواہی

عرب کا ایک بہت بڑا شاعر فرزدق گزرا ہے، اس نے امام زین العابدین حضرت علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے اور اکابرِ تابعین میں سے ہیں، ان کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ آپ بیت اللہ کے طواف کے لئے تشریف لائے، لوگوں کا مجمع تھا، اس وقت خاندانِ بنو امیہ کا ایک شہزادہ بھی وہاں موجود تھا، لیکن اس کی آمد پر کسی نے کوئی جگہ خالی نہیں کی، اور جب امام زین العابدین آئے تو لوگ ہٹ گئے اور ان کو راستہ دے دیا، انھوں نے بڑے اطمینان سے طواف کیا۔ کسی نے شہزادے سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حالاں کہ وہ جانتا تھا لیکن حسد کی وجہ سے اُس نے یہ جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ فرزدق شاعر بھی

وہاں موجود تھا اُس نے ان کی شان میں برجستہ ایک قصیدہ کہا جس میں ان کے اوصاف بیان کئے اور کہا کہ یہ وہ ہیں کہ جن کو حل بھی جانتا ہے اور حرم بھی جانتا ہے، انہیں میں ایک شعر یہ بھی ہے:

مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهِ ❁ لَوْلَا التَّشَهُّدُ لَكَانَتْ لَائُهُ نَعَمْ

انہوں نے سوائے کلمۂ شہادت کے اپنی زبان سے کبھی ''لا'' (یعنی ''نا'') نہیں کہا۔ اس میں لا الٰہ الا اللہ میں ''لا'' آتا ہے، اگر یہ کلمۂ شہادت نہ ہوتا تو ان کی زبان پر ''لا'' آتا ہی نہیں۔ تو گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا بھی یہ عالم تھا کہ کبھی کسی چیز کا انکار نہیں فرمایا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر رمضان کا معمول

رمضان المبارک کی ہر رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرآنِ پاک کا دَور کرتے تھے، حضرت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سناتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل کو سناتے تھے، اور یہ معمول ہر رمضان کا تھا۔ ہمارے یہاں عام طور پر رمضان کے مہینہ میں حفاظ کے دَور کا جو رواج ہے وہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری رمضان میں یہ دَور دو مرتبہ ہوا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرگوشی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مرض الوفات میں تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرگوشی کے انداز میں ان کے کان میں ایک بات کہی جس کو سن کر وہ رونے لگیں، ان کو روتا ہوا دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر کوئی بات ارشاد فرمائی جس کو سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں ان

سے پوچھا کہ حضور نے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا کہ وہ ایک راز کی بات ہے، میں نہیں بتاؤں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اُس تعلق اور رشتہ کا حوالہ دے کر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا پھر پوچھا کہ اب تو بتلاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ: اب بتلاتی ہوں، پہلی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرگوشی فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر سال حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے ساتھ قرآنِ پاک کا ایک دَور کرتے ہیں، لیکن اس سال دو مرتبہ دَور کیا، اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ میری موت کا وقت اب قریب آ گیا ہے، یہ سن کر میں رونے لگی تھی، میرا رونا دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ایک بات ارشاد فرمائی، اب اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں کہ کیا فرمایا تھا، ایک روایت میں تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم جنّت کی عورتوں کی سردار ہوگی۔ اور دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ: میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ سے آ کر ملوگی، یعنی یہ جدائی کا زمانہ زیادہ طویل اور لمبا نہیں ہے؛ تو وہ سن کر میں ہنسنے لگی تھی۔

اور جس زمانہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال خرچ کرنے میں بادلوں اور پانی کو لانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ یعنی جو ہوا بادلوں کو اٹھا کر لے جاتی ہے اور لوگوں کے لئے سیرابی کا سامان مہیا کرتی ہے اور گھر بیٹھے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتی ہے؛ اس سے بڑی سخاوت اور کیا ہو سکتی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اس سے بھی زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔

روایت کا سبق

یہاں تو اس روایت کو لا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عام حالت میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سخاوت فرماتے ہی تھے، لیکن رمضان میں سخاوت کا سلسلہ اور بڑھ جاتا تھا۔ لہٰذا ایک مؤمن کی شان بھی یہی ہونی چاہئے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں رمضان کے مہینہ میں سخاوت کا خوب اہتمام کرے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سال بھر ہاتھ روکے رکھے، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ سال بھر کچھ نہیں دیتے، اگر کوئی سائل آ بھی گیا تو کہتے ہیں کہ ہم ابھی نہیں دیتے، رمضان میں آنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں سال بھر بھی سخاوت کا سلسلہ رہتا تھا اور رمضان میں تو بہت بڑھ جاتا تھا۔

اور بعض لوگ اپنی زکوٰۃ بھی رمضان ہی میں دیتے ہیں، حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے پہلے زکوٰۃ پوری ادا ہوجانی چاہیے۔ ہاں! اگر آپ کا سال رمضان میں پورا ہوتا ہے تو بات دوسری ہے۔ اور بعض لوگ صرف زکوٰۃ پر ہی اکتفا کرتے ہیں یہ بھی درست نہیں ہے، سخاوت صرف زکوٰۃ تک ہی محدود نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ زکوٰۃ تو فرض ہے، اس کے علاوہ نفل کے طور پر بھی خوب خرچ کرنا چاہیے۔

اس سے بڑی حماقت کیا ہوگی؟

اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی ہے اس کو جتنا خرچ کرے کم ہے، اور جتنا خرچ کرے گا وہ اُسی کے لئے کارآمد ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور اس کو خرچ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے تو اپنی زندگی ہی میں خرچ کر لیجئے، جب آپ دنیا سے رخصت ہوجائیں گے تو یہ مال آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا، پھر خرچ کرنے کا اختیار آپ کے ہاتھ میں نہیں رہے گا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ میں اختیار ہے اُس وقت خرچ نہ کرنا اور بعد میں دوسروں سے توقع رکھنا؛ اس سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ جب اپنے ہاتھ میں اختیار ہوتا ہے اس وقت تو لوگ خرچ کرتے نہیں، اور یوں

سوچتے ہیں کہ ہمارے بعد بچے ہمارے لئے خرچ کریں گے، حالاں کہ جب آپ نے خود اپنے ہاتھ سے خرچ کیا نہیں، تو دوسرا آپ کے لیے کیا خرچ کرے گا؟

اور رمضان میں صرف مال خرچ کرنا ہی نہیں بلکہ ہر نیکی کے کام میں اضافہ ہونا چاہیے۔ تلاوت، ذکر، تسبیحات، نوافل اور نیکی کے کام جتنے بھی ہو سکتے ہیں ان تمام نیکی کے کاموں میں رمضان میں اضافہ ہونا چاہیے۔ رمضان کا مہینہ یوں سمجھئے کہ نیکی کے کاموں کو انجام دینے کا سیزن اور موسم ہے، اس لئے اس میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اہتمام کیا جائے۔

۱۲۲۳:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ رسول الله ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَى اللَّيْلَ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ، وَشَدَّ الْمِئْزَرَ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کا جب آخری عشرہ آتا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری رات بیدار رہتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے اور لنگی باندھ لیتے تھے۔

افادات:- یعنی عبادات میں بہت زیادہ مجاہدہ اور مشقت سے کام لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخری عشرہ میں ان چیزوں کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

باب النهي عن تقدم رمضان بصوم بعد نصف شعبان إلاَّ لمن وصله بما قبله، أوْ وافق عادة لَهُ بأن كَانَ عادته صوم الاثنين والخميس فوافقه

نصف شعبان کے بعد رمضان سے پہلے روزے رکھنے کا ناپسندیدہ ہونا

عنوان کا خلاصہ

اگر کوئی آدمی شعبان کے شروع سے روزہ رکھتا چلا آیا ہے تب تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن نصف شعبان کے بعد رمضان سے پہلے کوئی روزہ نہ رکھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ روزہ اس کے لئے کمزوری کا باعث ہو اور اس کے نتیجہ میں رمضان کے روزوں کی ادائیگی میں کچھ کمی اور کوتاہی ہو جائے۔ البتہ اگر اس کی عادت ہے، مثلاً: ہر ہفتہ میں پیر یا جمعرات کا روزہ رکھنے کی عادت ہے، تو پندرہ شعبان کے بعد جتنے پیر اور جمعرات آئیں گے اس میں وہ روزہ رکھے گا۔ یا مثلاً: ہر مہینہ کی

اسلامی ۲۰، ۲۱، ۲۲ تاریخ کو روزہ رکھنے کی عادت ہے؛ تو شعبان کی بھی ۲۰، ۲۱، ۲۲ کو روزہ رکھے گا۔ یا اگر پچھلے رمضان کے روزوں کی قضا باقی ہے اور ابھی تک ان کی قضا کرنے کی نوبت نہیں آئی ہے اور آگے پھر دوسرا رمضان آرہا ہے، تو پندرہ شعبان کے بعد رمضان شروع ہونے سے پہلے بھی قضا روزے رکھ سکتا ہے، اور اگر ایسی کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ ممانعت تحریمی نہیں ہے۔

شریعت کے حدود کی رعایت ضروری ہے

۱۲۲۴:- عن أبي هريرة رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبيِّ ﷺ قَالَ: ((لاَ يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إلاَّ أنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَومَهُ، فَلْيَصُمْ ذَلِكَ اليَوْمَ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھے، البتہ اگر وہ اُس دن روزہ رکھنے کا پہلے سے عادی ہو (مثلاً جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھتا ہے، یا پیر اور منگل کا روزہ رکھتا ہے، اور رمضان سے پہلے یہی دو دن آگئے) تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

۱۲۲۵:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((لاَ تَصُومُوا قَبْلَ رَمَضَانَ، صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإنْ حَالَتْ دُونَهُ غَيَايَةٌ فَأَكْمِلُوا ثَلاثِينَ يَوْماً)) (رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسنٌ صحيح)).

((الغَيَايَةُ)) بالغين المعجمة وبالياءِ المثناةِ من تَحْت المكررةِ، وهي: السحابة.

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: رمضان سے (ایک دو دن) پہلے روزہ مت رکھو، (رمضان کا) چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور (عید کا) چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اگر انتیس کو چاند نظر نہیں آیا، بادل بیچ میں رکاوٹ بن گیا، تو پھر تیس کی گنتی پوری کرو۔

۱۲۲۶:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ: ((إِذَا بَقِيَ نِصْفٌ مِنْ شَعْبَانَ فَلَا تَصُومُوا)) (رواه الترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب شعبان کا آخری نصف باقی رہ جائے تو روزہ مت رکھو۔

افادات:- رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے سے جو منع کیا گیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت نے رمضان کے روزے انتیس یا تیس متعین کر دئے ہیں، شریعت نے اس کے لئے جو مقدار متعین کی ہے اُس میں زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ جیسے: فجر کی دو رکعتیں فرض ہیں، اب اگر کوئی آدمی فجر کی دو رکعت فرض کے بجائے چار پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طریقہ سے رمضان کا مہینہ انتیس یا تیس کا ہوگا، اگر دو دن پہلے سے روزے شروع کرے گا تو مہینہ سے بڑھ جائیں گے، اس لیے منع کیا ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ اہلِ کتاب کی پرانی عادت تھی اس سے بھی منع کرنا مقصود ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ لہٰذا شریعت نے جو حدود اور بورڈر مقرر کئے ہیں ان کی پوری رعایت ضروری ہے۔

روزوں کے سلسلہ میں شریعت نے ایک مقدار اور کمیت یعنی تعداد مقرر کی ہے اس میں بھی کوئی ایسی شکل اختیار کرنا جس کی وجہ سے تعداد کے اندر زیادتی ہو، شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی لیے رمضان سے ایک دو دن پہلے سے روزہ رکھنے کو منع فرمایا ہے۔ ہاں! اگر عادت ہے جیسا کہ اوپر بتلایا گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

اسی طرح رمضان ختم ہونے کے بعد تو عید ہی ہے، اور عید کا روزہ شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں طرف پابندی لگادی، گویا رمضان کی جو تعداد مقرر کی ہے اس میں نہ تو کمی ہونی چاہیے اور نہ زیادتی ہونی چاہیے۔ یہ بات تو کمیت کے اعتبار سے ہوئی۔

اور کیفیت کے اعتبار سے بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ آگے آئے گا کہ افطار جتنا جلدی ہو وہ پسندیدہ ہے، اگر سورج غروب ہو گیا تو اب روزہ کھولنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ تو یہاں بھی دیکھیے کہ روزہ کا ایک وقت مقرر تھا تو اس کو زیادہ لمبانے کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح سحری میں جتنا لیٹ کرو کہ بالکل روزہ شروع ہونے سے پہلے پہلے سحری پوری کرو؛ وہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ تو روزہ کا جو وقت متعین کیا گیا ہے اس میں اُدھر بالکل اخیر میں کھائیں اور اِدھر فوراً افطار کر لیں، گویا جتنا وقت شریعت نے دیا ہے اتنا ہی استعمال کرنا اچھا ہے۔

اپنی مرضی پر چلنے کا نام عبادت نہیں

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ سارے جو احکامات دیئے گئے ہیں اور ان چیزوں کی جو تاکید کی گئی ہے وہ دراصل دین کے معاملہ میں غلو سے بچنے کے لیے ہے کہ دین کے معاملہ میں حد سے آگے بڑھنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے آپ ایسا مت کیجئے کہ آدھی رات کو سحری کر کے سو گئے اور روزہ بجائے ایک دن کا رکھنے کے ڈیڑھ دن کا رکھنے لگے۔ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ ایک تو یہ ہے کوئی آدمی اپنی سستی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے کہ رات کو ہی کھا کر سو جاتا ہے، تو اس میں گناہ تو نہیں ہے لیکن پسندیدہ طریقہ بھی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی آدمی ضروری سمجھ کر ایسا کرے گا تو گنہ گار ٹھہرے گا۔ لہٰذا شریعت دین کے معاملہ میں غلو کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے کہ عبادت نام ہے

اللہ اور رسول کے حکم کو بجالانے کا۔ اپنی مرضی کے اوپر چلنے کا نام عبادت نہیں ہے۔

یوم الشک کے روزہ کا بیان

۱۲۲۷:-وعن أبي اليقظان عمار بن ياسر رضی اللہ عنہما **قال: مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ، فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ** صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ أبو داود والترمذی، وقال: ((حدیث حسن صحیح))

ترجمہ:- حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جس نے یوم الشک کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔

افادات:- یوم الشک یعنی شعبان کی تیسویں تاریخ کہ اس سے اگلی شب میں چاند نظر آنے کے امکانات تھے لیکن بادل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا، ہوسکتا ہے کہ چاند ہوا ہو، اور نہ بھی ہوا ہو۔ تو چوں کہ چاند نظر نہیں آیا اس لیے رمضان شروع نہیں ہوا، لیکن شعبان کا تیسواں دن ہے اس کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ پہلی رمضان ہو، ایسے موقع پر بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ احتیاط کے طور پر رکھ لو؛ تو شریعت نے اس سے منع کر دیا ہے۔ جب بادل کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا اور رمضان ثابت نہیں ہوا؛ تو احتیاط کیسا؟ جب رمضان آیا ہی نہیں تو دل میں رمضان کا خیال رکھ کر روزہ کیوں رکھتے ہو؟ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی یوم الشک کا روزہ کہلاتا ہے۔

ہاں! اگر آپ کی عادت کا دن ہے، مثلاً آپ ہر پیر کو روزہ رکھتے ہیں اور آج پیر ہے تو وہ روزہ رکھ سکتے ہیں۔ یا آپ پکی نفل کی نیت کرتے ہیں (ڈاوانڈول اور تذبذب والی بات نہیں کہ اگر اعلان ہو گیا تو رمضان کا ہوجائے گا، ورنہ نفل تو کہیں گیا ہی نہیں؛ تو اس کی تو اجازت نہیں ہے) اور دل میں دوسرا ارادہ بالکل بھی نہ ہو؛ یہی لوگ

خواص کہلاتے ہیں اور انہیں کو روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ فقہ کی کتابوں میں خواص کی تعریف یہی کی گئی ہے کہ جو اپنی نیت پر کنٹرول رکھ سکتا ہو تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ اور جس کے دل میں ڈاوانڈول اور تذبذب ہو تو اس کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ویسے مسئلہ یہ ہے کہ بعد میں جا کر کہیں سے گواہی آگئی اور ثابت ہو گیا کہ یہ دن پہلی رمضان کا ہے تو ان لوگوں نے جو نفل روزہ رکھا تھا اور ان کی پکی نیت نفل کی ہی تھی؛ ان کا وہ روزہ رمضان ہی کا ہو جائے گا۔ لیکن نیت میں ڈاوانڈول اور تذبذب والے آدمی کو روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

باب مَا یقال عند رؤیۃ الھلال

چاند دیکھ کر کیا پڑھنا چاہیے؟

پہلے بھی بتلایا تھا کہ شریعت نے ہر موقع پر دعاؤں کا اہتمام کرایا ہے، تا کہ آدمی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، مکان میں داخل ہو رہا ہے تو دعا۔ نکل رہا ہے تو دعا۔ بازار میں جا رہا ہے تو دعا۔ سونے لگا تو۔ بیدار ہوا تو۔ بیت الخلاء میں جا رہا ہے تو۔ باہر نکلا تو۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں جہاں جہاں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور متوجہ ہونے کی تاکید کی جا رہی ہے۔ یہ تو آدمی کے ذاتی حالات کی بات تھی۔ لیکن جہاں غیر اختیاری حالات ہیں جیسے اوقات کی تبدیلی ہوتی ہے، مثلاً: رات ختم ہوئی اور دن نکلا تو یہ دعا پڑھ لو، دن ختم ہوا اور رات آئی تو یہ دعا پڑھ لو۔ اور یہ تو دن و رات کی بات تھی، اگر ایک مہینہ ختم ہوا اور دوسرا نیا مہینہ شروع ہوا تو کہا گیا ہے کہ یہ دعا پڑھ لو۔ گویا ہر موقع پر بندہ کا اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق رہنا چاہیے۔ ان مسنون دعاؤں کے ذریعہ سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستقل طور پر جوڑ دیا ہے۔ جب کوئی آدمی ان دعاؤں کا سمجھ کر اہتمام کرے گا تو ان معانی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا رہے گا۔ یہاں رمضان کا بیان چل رہا تھا اسی مناسبت سے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ چاند دیکھ کر کیا دعا پڑھنی چاہیے۔ یہ دعا رمضان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ ہر چاند کے موقع پر پڑھی جائے گی۔

۱۲۲۸:- عن طلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ إِذَا رَأی

الھلالَ، قَالَ: ((اللّٰھُمَّ أَھِلَّهُ عَلَیْنَا بِالأَمْنِ وَالإِیمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالإِسْلَامِ، رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ، هِلَالُ رُشْدٍ وَخَیْرٍ)) (رواہ الترمذی، وقال: ((حدیث حسن))

ترجمہ:- حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پہلا چاند دیکھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ! اس چاند کو ہمارے اوپر طلوع کر اور روشن کر امن اور ایمان کے ساتھ۔ سلامتی اور اسلام کے ساتھ۔ اور (چاند کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ (چوں کہ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو چاند کی پوجا کرتے ہیں تو اس موقع پر توحید کا تقاضہ یہ بھی تھا کہ اس کے معبود نہ ہونے کا اعلان کر دیا جائے کہ تو عبادت کے لائق نہیں ہے، بلکہ تیرا اور میرا مالک و پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اے اللہ) یہ چاند (میرے لیے) ہدایت اور بھلائی والا بن کر طلوع ہو۔

افادات:- اب جس مہینہ کے شروع میں امن و امان، سلامتی و اسلام ہدایت اور خیر و بھلائی کی دعا مانگی گئی ہو؛ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اثرات سے ضرور مالا مال کریں گے۔ ہم لوگ اپنی تمام چیزوں میں ہر طرح کا اہتمام کرتے ہیں لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے۔ حالاں کہ یہ بڑی اہم دعا ہے، اگر مہینہ کے شروع میں یہ دعا مانگ لی، تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس دعا کی برکات ضرور ظاہر ہوں گی اور آدمی کو امن و سلامتی اور خیر و بھلائی اور ہدایت نصیب ہوگی۔

باب فضل السحور

وتأخيره مَا لَمْ يخش طلوع الفجر

سحری کی فضیلت۔ جب تک کہ صبحِ صادق کے طلوع ہوجانے کا ڈر نہ ہو وہاں تک سحری کو مؤخر کرنا۔ برکت والا کھانا۔

۱۲۲۹:-عن أنس رضی اللہ تعالٰی عنہ قَالَ قَالَ رسولُ الله ﷺ: ((تَسَحَّرُوا، فَإِنَّ فی السُّحُورِ بَرَ كَةً)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت أنس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سحری کھاؤ، اس لیے کہ سحری میں برکت ہے۔

افادات:- سحری کو برکت والا کھانا کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ جو آدمی بغیر سحری کھائے روزہ رکھے گا تب بھی روزہ تو ہوجائے گا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بغیر سحری کے روزہ رکھنے کی صورت میں کمزوری لاحق ہو، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں رکاوٹیں پیدا ہوں، اس لیے کہ اگر سحری کھالیں گے تو دن بھر قوت رہے گی، اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پورے کرنے میں کمزوری رکاوٹ نہیں بنے گی، اور یوں اس کی برکت کا ظہور ہوگا۔

دوسرا یہ کہ بعض لوگ بھوک کی وجہ سے دوسروں پر گرم ہو جاتے ہیں ان کا مزاج بگڑ جاتا ہے، اب اگر سحری کرلیں گے تو مزاج کے بگڑنے سے حفاظت ہوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب سحری کے ارادہ سے اٹھیں گے تو اللہ تعالیٰ دو چار رکعات پڑھنے کی بھی توفیق دیں گے، اس بہانہ سے تہجد بھی ہو جائے گی، اور کچھ نہ کچھ دعا بھی ہو جائے گی۔ پھر اگر اس موقع پر کوئی غریب مسکین آجائے گا تو اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے دو چار لقمہ میں اس کو بھی شریک کرلیں گے تو صدقہ کا ثواب بھی مل جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے طفیل میں بہت ساری بھلائیاں ہو جائیں گی اس لیے اس کو برکت والا کھانا کہا گیا ہے۔

١٢٣٠:-وعن زيدِ بن ثابتٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: تَسَحَّرْنَا مَعَ رسولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قُمْنَا إِلَى الصَّلاَةِ. قِيلَ: كَمْ كَانَ بينهما؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسين آيةً. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کے لیے اٹھے۔ پوچھا گیا کہ: تمہاری سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو جواب دیا کہ: قرآنِ پاک کی پچاس آیتوں کی مقدار (گویا دس پندرہ منٹ)

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ سحری بالکل آخری وقت میں کھائی جائے، اور اس میں وہی حکمت ہے جو اوپر بیان کی کہ روزہ میں زائد وقت لگنے نہ پائے

١٢٣١:-وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ لرسولِ الله ﷺ مُؤَذِّنَانِ؛ بِلاَلٌ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَقَالَ رسول الله ﷺ: ((إنَّ بِلالاً يُؤَذِّنُ بِلَيلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)) قَالَ: وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إلاَّ أنْ يَنْزِلَ هَذَا وَيَرْقَى هَذَا. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو مؤذن تھے، ایک حضرت بلال اور دوسرے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: بلال رات میں اذان دیتے ہیں (یعنی ان کی اذان ایسے وقت میں ہوتی ہے کہ صبح صادق نہیں ہوئی ہوتی، اس لیے ان کی اذان سن کر کھانا پینا بند کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ) کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ اس روایت کے ناقل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دونوں کی اذان میں صرف اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ ایک اذان دے کر اترتا تھا اور دوسرا چڑھتا تھا۔

افادات:- حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق کو دیکھ کر اندازہ سے اذان دیتے تھے اور عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ نابینا تھے اس لیے جب تک لوگ بار بار کہہ کر ان کو اذان دینے کے لیے تیار نہ کرتے تھے وہاں تک وہ اذان نہیں دیتے تھے، اس لیے حقیقی صبح صادق ہونے کے بعد ہی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان ہوتی تھی۔

ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزہ میں فرق

۱۲۳۲:- وعن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وصِيَامِ أَهْلِ الكِتَابِ، أَكْلَةُ السَّحَر. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کھانے کا فرق ہے۔

افادات:- وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم سحری کھاتے ہیں۔ پچھلی مجلس میں بتلا دیا تھا کہ ان کے یہاں رات میں جیسے ہی آدمی کی آنکھ لگ جاتی تھی اور روزہ شروع ہوجاتا تھا، شروع اسلام میں بھی یہی حکم تھا، بعد میں یہ حکم ختم ہوگیا۔

باب فضل تعجیل الفطر وَمَا یفطر عَلَیْهِ وَمَا یقوله بعد الإفطار

رمضان سے متعلق فضائل کا سلسلہ چل رہا تھا آج جو عنوان قائم کیا ہے اس میں ایک بات تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب افطار کا وقت ہو جانے کا یقین ہو جائے تو فوراً افطار کر لینا چاہیے اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اور دوسری بات یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کون سی چیز سے افطار کرنا مستحب اور پسندیدہ ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ افطار کے بعد کون سی دعا پڑھنی چاہیے۔

لوگ بھلائی میں رہیں گے

۱۲۳۳:-عن سهل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رسول الله ﷺ قَالَ: ((لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے تب تک بھلائی میں رہیں گے۔

۱۲۳۴:-وعن أَبِي عَطِيَّةَ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوقٌ عَلَى عائشة رضی اللہ عنہا فَقَالَ لَهَا مَسْرُوق: رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ كِلَاهُمَا لَا يَأْلُو عَنِ الْخَيْرِ؛ أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْمَغْرِبَ وَالْإِفْطَارَ، وَالْآخَرُ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَالْإِفْطَارَ؟ فَقَالَتْ: مَنْ يُعَجِّلُ الْمَغْرِبَ وَالْإِفْطَارَ؟ قَالَ: عَبْدُ اللهِ-يعني: ابن مسعود-فَقَالَتْ: هٰكَذَا كَانَ رسولُ اللهِ يَصْنَعُ. (رواه مسلم) قَوْله: ((لَا يَأْلُو)) أَيْ: لَا يُقَصِّرُ فِي الْخَيْرِ.

ترجمہ:- ابوعطیہ تابعی کہتے ہیں کہ میں اور حضرت مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت مسروق نے عرض کیا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے دو آدمی ایسے ہیں جو بھلائی اور نیکی کو حاصل کرنے کے معاملہ میں ذرّہ برابر کوتاہی سے کام نہیں لیتے (گویا نیکی کرنے کے لیے ہر وقت تیار اور ریڈی رہتے ہیں، دونوں کا مزاج تو یہی ہے) لیکن دونوں میں سے ایک مغرب اور افطار میں جلدی کرتے ہیں، اور دوسرے دیر کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: وہ کون ہیں جو مغرب اور افطار میں جلدی کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

شریعت میں دخل اندازی نہ کریں

افادات:- سورج کے غروب ہوجانے کا یقین ہوتے ہی جب افطار کرلیا کریں گے وہاں تک بھلائی میں رہیں گے۔ گذشتہ مجلس میں بھی بتلادیا تھا کہ شریعت کی طرف سے روزہ کے لیے جو وقت مقرر کیا گیا ہے کہ روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے، تو شریعت یہ چاہتی کہ یہ وقت جو مقرر کیا گیا ہے اس میں روزہ رکھنے والوں کی طرف سے زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے اگر کوئی آدمی اپنی سہولت کی وجہ سے آدھی رات کو سحری کھا کر سو گیا تو روزہ میں کوئی اشکال نہیں، لیکن پھر بھی شریعت کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ بالکل آخری وقت میں سحری کی جائے اس پر اجر وثواب زیادہ ملے گا۔

اسی طرح سے روزہ کا وقت غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے تو جیسے ہی آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہوجائے تو اب افطار میں دیر نہیں کرنی چاہیے، جتنا جلدی

افطار کریں گے اتنا ثواب زیادہ ملے گا، اس لیے اب افطار کرنے میں دیر کرنا ایک طرح کا غلو ہے، اور میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ جہاں شریعت کے احکام پر عمل کی شریعت کی طرف سے تاکید کی گئی ہے، وہیں ایک مزاج یہ بھی بنایا گیا ہے کہ ان احکام پر عمل کے معاملہ میں بندے اپنی طرف سے کوئی چیز نہ بڑھائیں۔ ہم یوں سوچیں کہ سورج ڈوب گیا پھر بھی پندرہ منٹ اگر ٹھہر جائیں تو اس میں کیا حرج ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ نے روزہ کا جو وقت مقرر کیا تھا اس میں ہم نے اپنی طرف سے پندرہ منٹ کا اضافہ کر دیا، گویا ہمارا یہ طرز شریعت میں ایک طرح کی دخل اندازی کہلاتی ہے، اس لیے اس کو پسند نہیں کیا ہے۔

یہ غلو ہے

اسی لیے دیکھو کہ وضو کے اندر بھی حکم یہ ہے کہ اعضاء تین تین مرتبہ دھوئے جائیں گے، حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جو آدمی ان کو تین سے زیادہ مرتبہ دھوئے گا تو اس نے گویا شریعت کی مقرر کی ہوئی حد سے تجاوز کیا "فقد تعدیٰ وظلم" اس نے زیادتی کی اور ظلم کیا۔ حالاں کہ تین میں ایک مرتبہ اگر اضافہ کیا تو اس میں تو کمال پیدا ہونا چاہیے، لیکن شریعت کہتی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، جب آپ کے لیے ایک حد مقرر کی گئی ہے تو آپ اپنی طرف سے ایک مرتبہ بڑھا کیوں رہے ہیں۔ دین پر عمل کے معاملہ میں ہم اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرنا چاہیں تو یہ ایک طرح کا غلو شمار کیا گیا ہے۔

چار پانچ منٹ احتیاط کی جائے

روزہ کے وقت کے متعلق شریعت کی طرف سے جو تحدید کی گئی ہے کہ فلاں

وقت شروع ہوتا ہے اور فلاں وقت ختم ہوتا ہے، آپ اس کا جتنا زیادہ اہتمام کریں گے اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ اسی لیے سحری میں جتنا لیٹ کیا جائے گا اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا اور سورج کے غروب ہو جانے کا یقین ہونے کے بعد افطار میں جتنی جلدی کی جائے گی اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ آفتاب کے غروب ہو جانے کا پورا پورا یقین ہونا چاہیے، اگر ہم نے اپنی آنکھوں سے آفتاب کو ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے تب تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس صورت میں تو فوراً افطار کر لیجیے اور اگر آنکھوں سے غروب ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے بلکہ اوقات کے سلسلہ میں جو ٹائم ٹیبل چھپے ہوئے ہیں ان پر اعتماد کیا جا رہا ہے، تو چوں کہ وہ ایک حسابی چیز ہے اور حساب میں انیس بیس ہو سکتا ہے، اور ساتھ ساتھ اس کی بنیاد گھڑی پر ہے، اور گھڑیاں بھی آگے پیچھے ہوا کرتی ہیں، اس لیے جو وقت ٹائم ٹیبل میں لکھا ہوا ہے، اس میں چار پانچ منٹ احتیاط کی جائے۔

مسجد کی گھڑی ریڈیو ٹائم پر رکھیے

پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنی گھڑی کا ٹائم درست رکھنے کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے، خاص کر کے رمضان کے دنوں میں تو بہت ہی ضروری ہے۔ ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ رمضان کا تتمّہ جو ''اکابر کا رمضان'' سے مشہور ہے اس میں حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ روزانہ طلوع اور غروب کے وقت لوگوں کو دیکھنے کے لیے بھیجتے تھے تا کہ گھڑی کا وقت صحیح رہے۔ جب آفتاب نکل رہا ہو تو اس کو دیکھ کر ٹائم ٹیبل میں طلوع کا جو وقت لکھا ہو وہی وقت گھڑی میں بھی لگا دیا جائے تا کہ وہ گھڑی اس کے مطابق رہے۔ تو ایک بات تو یہ ہے گھڑی کو درست رکھنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اس لیے مسجدوں کے ذمہ دار چاہے وہ امام ہوں یا متولی ہوں، ان کو چاہئے کہ

گھڑیوں کا وقت درست رکھنے کا خاص اہتمام کریں۔ اس کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے، بہت سی جگہوں پر دیکھا گیا کہ مسجد کی گھڑی پانچ پانچ منٹ آگے پیچھے ہوتی ہیں جس کی وجہ سے بہت گڑبڑ ہو جاتی ہے، اور کبھی وقت سے پہلے اذان دی جاتی ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ آپ اپنی گھڑی کے وقت کو بالکل ریڈیو ٹائم پر رکھیے۔

تقویم کے استعمال کا طریقہ

دوسری بات یہ ہے کہ تقویم میں جو وقت لکھا گیا ہے تو چوں کہ وہ حسابی چیز ہے اس لیے اس پر تین یا پانچ منٹ کا اضافہ کر لیجئے۔ یہ دو چیزیں ضرور ہونی چاہئیں۔ بعض لوگوں کو اصرار ہوتا ہے کہ ٹائم ٹیبل میں وقت چھپا ہوا ہے اس میں بھی اضافہ کیوں کریں تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایک ٹائم ٹیبل تو سحری اور افطاری کا ہوتا ہے جو رمضان میں الگ سے شائع ہوتا ہے، اس میں تو احتیاط کی ہوئی ہی ہوتی ہے، اس میں جو وقت بتایا ہوا ہوتا ہے اسی وقت پر عمل کر لیا جائے، ٹائم ٹیبل بنانے والے نے خود ہی اس میں پہلے سے احتیاط کر لی ہے، اس لیے آپ کو مزید احتیاط کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مگر یہ اسی وقت جب کہ آپ کی گھڑی بالکل درست ہو۔ لیکن نمازوں کے لیے جو ٹائم ٹیبل بنائے ہوئے ہیں اس میں غروب آفتاب کا جو وقت لکھا ہوا ہے اس کو آپ دیکھ رہے ہیں تو پھر اس سے پانچ منٹ بعد افطار کیجئے، اور سحری میں اس وقت سے دس منٹ پہلے فارغ ہو جائیے، احتیاط اسی میں ہے۔ لیکن اگر کسی کی گھڑی بالکل ٹھیک ہے اور عام ٹائم ٹیبل کے مطابق افطار کرتا ہے تو ہم روزہ خراب ہونے کا فتویٰ نہیں دیں گے، ہاں! احتیاط کا حکم ضرور دیں گے۔ باقی ان دونوں چیزوں کا یعنی گھڑی کے صحیح رکھنے کا اور احتیاط کا بھی اہتمام نہایت ضروری ہے۔

لطیفہ

ہمارے الحاج بھائی عبدالحفیظ صاحب منیار زید مجدہم جو ٹائم ٹیبل تیار کرتے ہیں اور ساری دنیا میں بھیجتے رہتے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ لطیفہ سنایا جو سننے کے قابل ہے۔ انہوں نے کہا کہ کسی زمانہ میں مَیں نے اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ گھوم پھر کر دیکھوں کہ سورت کی مسجدوں میں اذان تیار کئے ہوئے ٹائم ٹیبل کی ہدایات کے مطابق دی جاتی ہے یا نہیں، لہٰذا روزانہ الگ الگ مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرتا تھا۔ ایک دن ایک مسجد میں پہنچا اور وہ مسجد بالکل ساحل دریائے تاپتی پر تھی جہاں سے غروبِ آفتاب صاف نظر آتا تھا۔ مؤذن صاحب نے مغرب کی اذان دینی شروع کی، تو میں نے ان سے کہا کہ مؤذن صاحب! ابھی وقت نہیں ہوا ہے۔ تو مؤذن صاحب مجھے کہنے لگے کہ: ٹائم ٹیبل دیکھو، اور گھڑیال دیکھو۔ میں نے ان سے کہا کہ: جناب وہ دیکھو! ابھی تو سورج نظر آرہا ہے (اصل میں مسجد کی گھڑی آگے تھی) جب انہوں نے سورج دیکھا تو خاموش ہوگئے۔ اس لیے گھڑی کو بھی صحیح رکھنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔

خیر! میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ جب سورج کے غروب ہونے کا یقین ہوجائے تو اب افطار میں تاخیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اب تو جتنا جلدی افطار کرلیں گے اتنی ہی فضیلت آپ کو زیادہ حاصل ہوگی۔

ڈیڑھ دن کا روزہ میرے بس کا نہیں

اور افطار میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''اکابر کا رمضان'' ہی میں ایک واقعہ لکھا ہے، بطور لطیفہ سنا دیتا ہوں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کی تھی، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بڑی بے تکلّفی تھی، ایک مرتبہ وہ تھانہ بھون ملاقات کے واسطے مہمان بن کر تشریف لے گئے، رمضان کا مہینہ تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: آپ سحری کب کرتے ہیں؟ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: آپ کب کرتے ہیں؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مَیں تو صبحِ صادق سے ایک گھنٹہ پہلے کرتا ہوں۔ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بھائی! ڈیڑھ دن کا روزہ تو میرے بس کا نہیں ہے (ایک گھنٹہ پہلے جو سحری کرلی جائے اس کو حضرت نے مزید آدھے دن سے تعبیر کیا) اس لیے کہ مَیں تو ایسے وقت سحری کرتا ہوں کہ دن بھر شک ہوتا رہے کہ روزہ ہوا بھی یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بالکل آخری وقت میں سحری کرتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دیکھو! ہم ایک کام کرتے ہیں، آپ کچھ اوپر آیئے اور مَیں کچھ نیچے اترتا ہوں۔ چناں چہ یہ طے ہوا کہ صبحِ صادق سے آدھا گھنٹہ پہلے سحری شروع کریں گے، تاکہ اپنے وقت پر اطمینان سے ختم ہوجائے۔ پھر جب افطار کے لئے بیٹھے تو (جیسا کہ آگے روایت آرہی ہے کہ جب پورب کی طرف سے رات آتی ہوئی نظر آئے اور پچھّم کی طرف سورج غروب ہوجائے؛ تو افطار کا وقت ہوگیا) حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف دیکھا اور افطار شروع کردیا۔ جب مولانا یحییٰ صاحب نے کھانا شروع کیا تو حضرت کے جو خدّام ساتھ تھے انہوں نے بھی افطار شروع کردیا۔ اِدھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کچھ احتیاط رہتی تھی، اس لیے کچھ وقت انتظار کر کے افطار کیا جاتا تھا، جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا شروع نہیں کیا تو حضرت کے خدّام بھی انتظار میں بیٹھے رہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ سب میرے انتظار میں ہیں تو تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ: اگر ہم اپنے

وقت کے مطابق افطار کرنے جائیں گے تو یہاں تو کچھ بچنے کا ہے نہیں؛ چلو! شروع کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کا یقین ہو جائے تو آدمی کو افطار میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

عنداللہ محبوب بندہ

۱۲۳۵:-وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ:((قَالَ اللهُ -عزوجل- أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْراً)) (رواه الترمذی، وقال:((حديث حسن))

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (حدیثِ قدسی ہے) میرے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ ہے جو جلدی افطار کرنے والا ہو۔

افادات:- جلدی افطار کا مطلب یہ نہیں کہ غروبِ آفتاب سے پہلے افطار کرلے بلکہ غروبِ آفتاب کے بعد افطار میں دیر نہ کرے۔

۱۲۳۶:-وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هاهُنَا، وَأَدْبَرَ النهارُ مِنْ هَاهُنَا، وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَقَدْ أَفْطَر الصَّائِمُ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب رات اُدھر سے آجائے اور پچھم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دن اِدھر سے چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار کے لئے افطار کا وقت ہوگیا۔

افادات:- یعنی پچھم کی طرف جب سورج ڈوبتا ہے تو فوراً مشرقی کنارہ پر سیاہی یعنی رات آنا شروع ہو جاتی ہے، تو اب روزہ دار افطار کے وقت میں داخل ہوگیا،

لہٰذا اس کو فوراً افطار کر لینا چاہیے۔

اب افطار کا وقت آ گیا

۱۲۳۷:- وعن أبي إبراهيم عبدِ الله بنِ أبي أوفى رضی اللہ عنہما قَالَ: سِرْنَا مَعَ رسولِ الله ﷺ وَهُوَ صَائِمٌ، فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، قَالَ لِبَعْضِ الْقَوْمِ: ((يَا فُلَانُ انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا))، فَقَالَ: يَا رسول الله، لَوْ أَمْسَيْتَ؟ قَالَ: ((انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا)) قَالَ: إِنَّ عَلَيْكَ نَهَاراً، قَالَ: ((انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا)) قَالَ: فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهُمْ فَشَرِبَ رسولُ الله ﷺ ثُمَّ قَالَ: ((إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ قَدْ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا، فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ)) وَأَشَارَ بِيَدِهِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

قَوْلُه: ((اجْدَحْ)) بجيم ثُمَّ دال ثُمَّ حاءٍ مهملتين أيْ: اخْلِطِ السَّوِيقَ بِالْمَاءِ

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ سے تھے، جب سورج ڈوب چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے کہا (دوسری روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے بلال!) اترو اور ہمارے لئے ستّو گھولو (تا کہ ہم افطار کر لیں) تو جن صحابی سے کہا تھا انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابھی ذرا ٹھہر جائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر سے فرمایا: اترو اور ستّو گھولو۔ ان صحابی نے پھر سے عرض کیا: ابھی تو دن ہے (یعنی اجالا بہت ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اترو اور ستّو گھولو۔ چناں چہ وہ اترے اور ستّو کو پانی میں ڈال کر تیار کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پیا، پھر فرمایا: جب تم دیکھو کہ رات اِدھر (یعنی پورب کی طرف) سے آ گئی تو روزہ دار کے لئے افطار کا وقت آ گیا (گویا اور زیادہ اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جب سورج ڈوب

گیا تو فوراً افطار کر لینا چاہیے۔)

ستو بنانے کی ترکیب (Recipe)

افادات:۔ستّو یعنی گیہوں کو آگ میں بھون لیا جاتا ہے اس کے بعد اس کو بڑا ابڑا ہی پیس ڈالتے ہیں، پھر پانی میں ڈال کر نرم بنا کر پی لیتے ہیں، بعض لوگ اور زیادہ مرغوب بنانے کے لئے اس میں شکر یا شہد ڈال لیتے ہیں۔لیکن حدیث میں جس ستّو کا ذکر آتا ہے وہ تو وہی ہے جس کو پکانے کی بھی ضرورت نہیں، بس! بھونے ہوئے گیہوں کو پیس ڈالتے ہیں اور اُسی کو پانی میں بھگا کر پی لیا جاتا ہے؛ اسی کو ستّو کہا جاتا ہے۔عام طور پر عرب لوگ سفر کے توشہ کے طور پر ستّو ہی رکھتے تھے۔

اس روایت میں بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افطار کے لئے جب ستّو گھولنے کا حکم دیا اور صحابی جواب میں یہ عرض کر رہے ہیں کہ اور کچھ وقت گزرنے دیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ انتظار نہیں فرمایا، غروب کے بعد جلدی سے افطار فرما لیا۔

کھجور پانی سے افطار کی حکمت

۱۲۳۸:- وعن سلمان بن عامر الضَّبِّيِّ الصحابي رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ((إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ، فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ، فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ؛ فإنَّهُ طَهُورٌ))(رواه أبو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح))

ترجمہ:۔حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی افطار کرنا چاہے تو کھجور سے افطار کرے۔اور اگر کھجور موجود

نہ ہو تو پانی سے افطار کرے کہ پانی پاک کرنے والا ہے۔

افادات:- بعض حضرات نے اس کی یہ حکمت بتلائی ہے کہ بھوکا رہنے کی وجہ سے آدمی کی بینائی ذرا کمزور سی ہونے لگتی ہے، اور میٹھے کی خاصیت یہ ہے کہ وہ بینائی کو تیز کرتا ہے اس لئے کھجور سے افطار کرنے کا حکم دیا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عرب میں عام طور پر کھجور آسانی سے میسر ہو جاتی تھی اس لئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور سے افطار کرنے کا حکم دیا، اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی تو ہر ایک کو میسر ہوتا ہی ہے۔

چوں کہ عنوان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ کونسی چیز سے افطار کیا جائے، اسی مناسبت سے یہ روایت لائے ہیں۔

رطب، تمر، پانی

۱۲۳۹:- وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وسلم يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّي عَلَى رُطَبَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ. (رواه أبو داود والترمذی، وقال: حديث حسن)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے تازہ کھجوروں سے افطار فرماتے تھے۔ اور اگر تازہ کھجور نہیں ہوتی تھی، تو پھر عام کھجور سے افطار فرماتے تھے، اور اگر کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی نوش فرما کر افطار فرما لیتے تھے۔

افادات:- رطب یعنی تازہ کھجوریں جو نرم ہوتی ہیں۔ جب کھجوریں پکتی ہیں تو اندر سے بالکل نرم ہوتی ہیں، وہی رطب کہلاتی ہیں، اور ان کو اس وقت ڈبے میں بند نہیں کیا جاتا ہے، اگر اس وقت فوری طور پر ڈبے میں بند کر دیں تو وہ خراب

ہو جائیں گی، اس لیے ان کو کھلیان میں ڈال دیتے ہیں، جیسے: ہمارے یہاں گیہوں کاٹ کر اس کی بالیاں کھلیان میں ڈالتے ہیں، پھر اس پر بیل چلا کر دانے اور بھوسے کو الگ کرتے ہیں۔ تو جیسے کسان لوگ کھلیان بناتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ تازہ کھجوروں کو اتارنے کے بعد کھلیان میں ڈالتے ہیں اور کچھ مدّت تک وہیں رہنے دیتے ہیں، وہاں پڑے پڑے وہ ایسی ہو جاتی ہیں کہ اندر کی نرمی ختم ہو جاتی ہے، اور عام طور پر حاجی لوگ وہی کھجوریں لاتے ہیں؛ اُس کو عربی میں تمر کہتے ہیں۔ اور شروع میں جو تازہ کھجوریں ہوتی ہیں وہ رطب کہلاتی ہیں۔ بہر حال! اگر تازہ کھجور ہو تو عام کھجور کے مقابلہ میں اسی کو ترجیح حاصل ہوگی، اور اگر تازہ کھجور نہیں ہے تو عام کھجور سے افطار کرنا چاہیے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پانی سے افطار کیا جائے، یا پھر کھانے کی کوئی بھی چیز ہو اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بَابُ أَمْرِ الصَّائِمِ بِحِفْظِ لِسَانِهِ وَجَوَارِحِهِ عَنِ الْمُخَالَفَاتِ وَالْمُشَاتَمَةِ وَنَحْوِهَا

روزہ دار کو چاہیے کہ اپنی زبان اور دیگر تمام اعضاء کو آپس کے جھگڑوں اور گالی گلوچ وغیرہ سے محفوظ رکھے

پہلے بھی بتلایا تھا کہ اصل روزہ تو صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک تین چیزوں (کھانے پینے اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت) سے بچنے کا نام ہے اور نیت بھی روزہ کی ہو تو وہ شرعی روزہ کہلائے گا۔

روزہ کے آداب

اب یہاں بتلانا چاہتے ہیں کہ اس روزہ کے آداب اور لوازمات میں سے یہ بھی ہے کہ روزہ دار جہاں کھانے پینے اور بیوی سے صحبت سے اپنے آپ کو بچا رہا ہے، حالاں کہ کھانا پینا اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا عام دنوں میں اور روزہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں حلال ہے، تو پھر حرام چیزوں سے تو بطریقۂ اولیٰ بچانا چاہیے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ روزہ دار کو چاہیے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ گالی گلوچ، غیبت،

تہمت، بہتان، اور لایعنی یعنی گپ شپ وغیرہ یہ تمام ایسی چیزیں ہیں جو روزہ کے تقاضوں کے خلاف ہیں، بعض لوگ صرف گپ شپ کو ہی روزہ گزارنے کا ذریعہ بناتے ہیں، حالاں کہ ایسی تمام باتیں زبان سے نہیں نکالنی چاہئیں، بلکہ زبان سے تو اللہ کا ذکر ہونا چاہیے، تسبیحات، تلاوت میں مشغول رہے۔ دوسری چیز آنکھوں کی حفاظت ہے۔ جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، ان سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرے، یا ان کو دیکھنا جائز تو ہے لیکن ان کو دیکھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، تو ایسی چیزوں کو دیکھنے سے بھی اپنے آپ کو بچائے۔ اسی طریقہ سے غلط چیزوں کے سننے سے کان کی حفاظت کرنا، جیسا کہ پہلے بھی بتلادیا تھا کہ بعض لوگ ٹائم پاس کرنے کے لئے روزہ کی حالت میں ٹی وی دیکھتے ہیں، گانا سنتے ہیں، یا اس طرح کی دوسری چیزوں میں مشغول رہتے ہیں، تو اگرچہ فرض تو ادا ہو جائے گا لیکن اس سے روزہ کا اصل ثواب ختم ہو جائے گا۔

۱۲۴۰:- عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: ((إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ، فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ))(متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو، تو وہ نہ تو فحش بات کرے، اور نہ شور وشغب کرے۔ اگر کوئی دوسرا اس کے ساتھ گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرے، تو اس سے کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔

افادات:- مجھے تیرے ساتھ گالی گلوچ اور جھگڑا کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر وہ نہیں مانتا تو اپنے جی سے کہے کہ تو روزہ سے ہے، تجھے اس کے ساتھ جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

''رفث''، یعنی ایسا کلام جس میں شہوت ابھارنے والی یا بیوی سے صحبت وغیرہ سے متعلق باتیں ہوں۔

۱۲۴۱:- وعنه، قَالَ: قَالَ النبیُّ ﷺ : ((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی (روزہ کی حالت میں) جھوٹ اور غلط کام (جن کی شریعت میں اجازت نہیں ہے) نہ چھوڑے؛ تو ایسے آدمی کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

افادات:- مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پرواہ نہیں ہے، کیوں کہ روزہ کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، جب آدمی اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے اپنے آپ کو بچا رہا ہو، تو حرام چیزوں سے تو اور زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

بَاب فِيْ مَسَائِلِ مِنَ الصَّوْم

روزے کے چند مسائل

بھول سے کھا پی لے تو؟

۱۲۴۲:- عن أَبِي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ، فَأَكَلَ، أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ)) (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کا کوئی آدمی بھول جائے کہ میرا روزہ ہے، اور اس نے بھول سے کچھ کھا پی لیا؛ تو اپنا روزہ پورا کرلے (مطلب یہ ہے کہ بھول سے کھانے پینے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹا) دراصل اللہ تعالیٰ نے اس کو کھلایا اور پلایا ہے۔

افادات:- اگر کسی کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ اس کا روزہ ہے، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ بھول سے کھا رہا ہے تو اس کو یاد دلانا چاہیے یا نہیں؟ تو اگر کسی کے متعلق آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ روزہ کی وجہ سے کمزور ہو چکا ہے، اس لیے یہ کچھ کھا لے تو ہی اچھا ہے، تو اس صورت میں آپ یاد نہ دلائیے، بلکہ اس کو کھا لینے دیجئے۔ بعد میں اس سے کہہ دو کہ آپ کا روزہ ہے۔ اور اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ اس کو روزہ کی وجہ سے کوئی کمزوری نہیں آئے گی تو شروع ہی میں بتا دیجئے تا کہ وہ کھانے سے بچا رہے۔

بحالتِ روزہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا طریقہ

۱۲۴۳:- وعن لَقِيط بن صَبِرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قُلْتُ: يَارسول الله،

أَخْبِرْنِی عَنِ الْوُضُوءِ؟ قَالَ: ((أَسْبِغِ الْوُضُوءَ، وَخَلِّلْ بَیْنَ الْأَصَابِعِ، وَبَالِغْ فِی الِاسْتِنْشَاقِ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا)) رواه أبو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ:- حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے وضو کے متعلق بتلائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضو پورے طور پر کرو، اور انگلیوں کا خلال بھی کرو، اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ سے کام لو؛ مگر یہ اس وقت جبکہ تم روزہ سے نہ ہو۔

افادات:- اسباغ کا معنیٰ ہے وضو میں تمام اعضاء کو آداب وسنن اور مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے پورے اطمینان سے اچھی طرح سے دھونا۔

ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ سے کام لینا یعنی جب ناک میں پانی چڑھاؤ تو اچھی طرح سانس سے اندر کھینچو تاکہ ناک کا بانسے اور نرم حصہ تک پانی پہنچ جائے، مگر یہ اس وقت جبکہ روزہ نہ ہو، اس لیے کہ روزہ کی حالت میں اگر اتنا زیادہ کھینچوگے کہ پانی حلق تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی لئے لکھا ہے کہ ویسے تو جنابت کے غسل میں غرغرہ کرنا چاہیے، لیکن روزہ کی حالت میں آدمی اگر غسل کرے تو غرغرہ نہ کرے۔

بحالتِ جنابت روزہ شروع کرنا

۱۲۴۴:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ رسول الله ﷺ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فجر ایسی حالت میں پالیتی تھی کہ آپ کو غسل کی ضرورت ہوتی تھی (یعنی آپ اپنے اہل سے صحبت کئے ہوئے

تھے) اس کے بعد آپ غسل کرتے تھے اور روزہ بھی رکھے ہوئے ہوتے تھے۔

افادات:- صحبت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ رات کے آخری حصہ میں تہجد سے فارغ ہونے کے بعد صحبت کرتے تھے، اور وہی زیادہ نشاط کا وقت ہوا کرتا ہے، پھر لیٹ جاتے تھے، کبھی ایسا ہوتا تھا کہ صبحِ صادق ہوئی اور ابھی غسل کرنا ہے تو آپ غسل کرتے تھے، اور آپ کا روزہ بھی رہتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں غسل کی حاجت ہوگئی، یا رات کا غسل باقی تھا اور صبحِ صادق کے بعد وہ فرض غسل کیا، تو اس کی وجہ سے روزہ پر کوئی زد نہیں پڑے گی، روزہ اپنی جگہ صحیح ہو جائے گا۔

۱۲۴۵:- وعن عائشة وأم سلمة رضی اللہ عنہما **قالتا: كَانَ رسول الله** ﷺ **يُصْبِحُ جُنُباً مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ، ثُمَّ يَصُومُ.** متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ اور حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر احتلام کے جنابت کی حالت میں صبح کرتے تھے، پھر روزہ بھی رکھتے تھے۔

افادات:- بغیر احتلام کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ صحبت کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل کی ضرورت پیش آتی تھی اور صبح ہو جاتی تھی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل فرماتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ جس کو غسل کی حاجت ہو، تو صبحِ صادق کے بعد غسل کرنے کی وجہ سے روزہ پر کوئی آنچ نہیں آتی ہے، روزہ اپنی جگہ پر صحیح ہو جائے گا۔

باب فضلِ صوم المُحرم وشعبان والأشهر الحُرُم

محرم،شعبان اوراشہرحرم کے روزوں کی فضیلت

۱۲۴۶:- وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: ((أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ: شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الفَرِيضَةِ: صَلاَةُ اللَّيْلِ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: رمضان کے روزوں کے بعد بہترین روزے اللہ تعالیٰ کے مہینہ محرم کے ہیں۔ اورفرض نمازوں کے بعد افضل نمازرات کی نماز (یعنی تہجد) ہے۔

۱۲۴۷:- عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: لَمْ يكن النبی ﷺ يَصُومُ مِنْ شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ، فَإنَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ.

وفی رواية: كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ إلاَّ قَلِيلاً. متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان سے زیادہ روزے کسی اورمہینہ میں نہیں رکھتے تھے، گویا (یوں کہا جاسکتا ہے کہ) پورے شعبان ہی روزے رکھتے تھے۔

ایک اورروایت میں یہ ہے کہ شعبان میں روزے رکھتے تھے مگر تھوڑے ہی دن (ایسے ہوتے تھے کہ ان میں روزہ رکھا ہوا نہ ہوتا تھا)۔

ایک صحابی کے روزہ رکھنے کی ترتیب

۱۲۴۸:-وعن مُجِيبَةَ البَاهِلِيَّةِ، عن أبيها أَوْ عمها: أنه أتى رسولَ اللهِ ﷺ ثُمَّ انطلَقَ فَأَتَاهُ بَعْدَ سَنَةٍ-وَقَدْ تَغَيَّرَتْ حَالُهُ وَهيئَتُهُ-فقَالَ: يَا رسولَ الله، أَمَا تَعْرِفُنِي؟ قَالَ: ((وَمَنْ أَنْتَ))؟ قَالَ: أَنَا البَاهِلِيُّ الَّذِي جِئْتُكَ عامَ الأَوَّلِ. قَالَ: ((فَمَا غَيَّرَكَ، وَقَدْ كُنتَ حَسَنَ الهَيْئَةِ!)) قَالَ: مَا أَكَلْتُ طَعَاماً مُنْذُ فَارقتُكَ إِلاَّ بِلَيْلٍ. فقَالَ رسولُ الله ﷺ: ((عَذَّبْتَ نَفْسَكَ!)) ثُمَّ قَالَ: ((صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ، وَيوماً مِنْ كُلِّ شَهْرٍ)) قَالَ: زِدْنِي، فَإنَّ بِي قُوَّةً، قَالَ: ((صُمْ يَوْمَيْنِ)) قَالَ: زِدْنِي، قَالَ: ((صُمْ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ)) قَالَ: زِدْنِي، قَالَ: ((صُمْ مِنَ الحُرُمِ وَاتركْ، صُمْ مِنَ الحُرُمِ وَاتركْ، صُمْ مِنَ الحُرُمِ وَاتركْ)) وقال بأصابعه الثَّلاثِ فَضَمَّها، ثُمَّ أَرْسَلَهَا. (رواه أبوداود)

وَ((شَهْرُ الصَّبر)): رَمَضَان.

ترجمہ: حضرت مُجِیبہَ باہلیہ اپنے والد یا چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر روانہ ہوگئے۔اس کے ایک سال کے بعد دوبارہ حاضر ہوئے تو ان کا حال وہیئت بالکل بدلی ہوئی تھی، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا: کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں قبیلۂ باہلہ کا وہ آدمی ہوں جو ایک سال پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (اب نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو پہچان لیا اور) فرمایا: تمہیں ایسا کیا ہوگیا کہ تم بالکل بدل گئے، حالاں کہ تم تو بہت اچھی حالت میں تھے؟ انہوں نے کہا: جب سے آپ سے جدا ہوا ہوں (اس دن سے آج تک) سوائے رات کے میں نے کھانا نہیں کھایا (یعنی مسلسل روزہ رکھتے چلا آرہا ہوں) یہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد

فرمایا: تم نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا۔ پھر فرمایا: صبر کے مہینہ (یعنی رمضان کے) روزے رکھو، اور ان کے ساتھ ہر مہینہ میں صرف ایک دن روزہ رکھا کرو۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! زیادہ کی اجازت دیجئے کہ مجھ میں قوت ہے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر مہینہ میں دو روزے رکھو۔ انہوں نے کہا: اور زیادہ کی اجازت دیجئے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر مہینہ میں تین روزے رکھو۔ انہوں نے کہا: اور زیادہ کی اجازت دیجئے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اشہر حرم میں روزے رکھو اور چھوڑو، اشہر حرم میں روزے رکھو اور چھوڑو، اشہر حرم میں روزے رکھو اور چھوڑو، اور آپ نے تین انگلیوں کو ملا کر بتایا پھر ان کو چھوڑ دیا۔

افادات:- تین انگلیوں کو ملا کر بتانے کا مطلب تو یہ تھا کہ اشہر حرم میں تین روزے رکھو۔ پھر ان کو چھوڑنے کا معنیٰ یہ تھا کہ اسی طرح تین روزے چھوڑو، یعنی تین دن روزے رکھو اور تین دن چھوڑو۔

حاصل یہ نکلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پورے رمضان کے روزوں کا حکم دیا اور سات مہینوں میں ہر مہینے میں تین تین روزے رکھنے کا فرمایا۔

اب اشہر حرم کے جو چار مہینے بچے، ان میں ہر مہینہ میں پندرہ (۱۵) دن روزے رکھو، لیکن یہ پندرہ دن مسلسل نہیں بلکہ تین تین دن کے فصل سے۔ اس حساب سے ان کے سالانہ نفلی روزے اکیاسی (۸۱) ہوں گے۔

نوٹ:- اشہر حرم چار ہیں: ذوقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔

باب فضل الصوم وغيره

في العشر الأول من ذي الحجة

ذی الحجہ کے مہینہ کے پہلے دس دنوں میں

روزہ اور دوسرے اعمال کی فضیلت کا بیان

روزہ کے معاملہ میں ذی الحجہ کے پہلے دس دن سے مراد نو (۹) دن ہیں، اس لیے کہ دسواں دن تو عید کا ہوتا ہے جس میں روزہ رکھنا حرام ہے، البتہ دوسرے اعمال کے لیے دسواں دن بھی شمار کیا جائے گا۔

۱۲۴۹:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ: ((مَا مِنْ أَيَّامٍ ،العَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هٰذِهِ الأَيَّامِ)) يعني أيام العشر۔ قالوا: يَا رسولَ اللهِ! وَلاَ الجِهَادُ فی سَبيلِ اللهِ؟ قَالَ: ((وَلاَ الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، إِلاَّ رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ)) (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی بھی دن میں اللہ تعالیٰ کو نیک عمل اتنا زیادہ پسند نہیں ہے جتنا ان دس دنوں میں پسند ہے، اوران دس دنوں سے مراد ذی الحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ کے راستہ میں جہاد بھی؟ (یعنی اوردنوں میں اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے پر بھی وہ

ثواب نہیں ملے گا جو ان دس دنوں میں عملِ صالح پر ملتا ہے؟) نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور دنوں میں جہاد والا عمل بھی ان دنوں میں دوسرے اعمالِ صالحہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا، البتہ وہ آدمی جو اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد کے لئے نکلا اور کسی بھی چیز کو لے کر واپس نہیں آیا (یعنی جان ومال دونوں اللہ کے راستہ میں قربان کردئے) اس کا مقام زیادہ بلند ہے۔

افادات:- اس روایت کو لاکر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان دس دنوں میں جہاں اوراعمال کی فضیلت ہے وہیں روزہ بھی اپنی فضیلت رکھتا ہے۔ ویسے دوسری روایتوں میں ان دنوں کے روزے کی فضیلت آئی ہے۔ اور جیسا کہ بتلایا دسویں تاریخ چھوڑ کر باقی نو(۹) دنوں میں روزہ کا معاملہ رہے گا۔

بَابُ فَضْلِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ وَعَاشُوْرَاء وَتَاسُوْعَاء

یومِ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ اور محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کے روزہ کی فضیلت

یومِ عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔ عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔ اور تاسوعاء یعنی محرم کی نویں تاریخ۔

۱۲۵۰:- وعن أَبي قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: سُئِلَ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن صَومِ يَوْمِ عَرَفَةَ، قَالَ: ((يُكَفِّرُ السَّنَةَ المَاضِيَةَ وَالبَاقِيَةَ)) رواه مسلم.

ترجمہ:- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نویں ذی الحجہ کے روزہ کے متعلق پوچھا گیا کہ اس کی کیا فضیلت ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ روزہ گذشتہ سال اور آئندہ ایک سال کے لئے کفّارہ ہوجاتا ہے۔

افادات:- یعنی ایک دن کا روزہ رکھنے کی وجہ سے گذشتہ پورے سال کے گناہ بھی معاف ہوں گے اور آنے والے سال کے گناہ بھی معاف ہوں گے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بھی بتلادیا تھا گناہوں سے مراد صغائر ہیں۔ بہر حال! اتنی بڑی فضیلت ہے کہ دوسال کے گناہوں کے لئے کفّارہ ہوجائے گا۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک

نکتہ یہ بھی نکالا ہے کہ جس نے یوم عرفہ کا روزہ رکھ لیا تو گویا اس کو آئندہ سال کی زندگی کی بھی گارنٹی مل جاتی ہے۔

۱۲۵۱:- **وعن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **أَنَّ رسولَ الله** صلی اللہ علیہ وسلم **صَامَ يَوْمَ عاشوراءَ وَأَمَرَ بِصِيامِهِ.** (متفقٌ عَلَيْهِ.)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔

افادات:- پہلے بھی آچکا ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہوئے اس سے پہلے دسویں محرم کا روزہ فرض تھا، اور جب رمضان کے روزے فرض ہوئے اس کے بعد دسویں محرم کے روزے کی فرضیت والا حکم ختم ہوگیا، لیکن سنّیت اور استحباب آج بھی باقی ہے۔ چناں چہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا تھا اور اس کا حکم بھی دیا تھا۔ اس لیے اس روایت میں ''أَمَرَ'' سے اگر فرض مراد ہے تو اس کی فرضیت ختم ہوچکی ہے۔ اور ''أَمَرَ'' سے مراد استحباب والا حکم ہے تو وہ حکم آج بھی باقی ہے۔

۱۲۵۲:- **وعن أَبي قتادة** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **أَنَّ رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **سُئِلَ عَنْ صِيامِ يَوْمِ عَاشُوراءَ، فَقَالَ: ((يُكَفِّرُ السَّنَةَ المَاضِيَةَ))** رواہ مسلم.

ترجمہ:- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دسویں محرم کے روزہ کے متعلق پوچھا گیا (کہ اس کی کیا فضیلت ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گذشتہ سال کے گناہوں کا کفّارہ ہوجائے گا۔

افادات:- یعنی ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور عرفہ کے روزہ کے متعلق فرمایا تھا کہ دوسال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ ملانے کا حکم

۱۲۵۳:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ : ((لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں محرم کے روزہ کے متعلق فرمایا کہ: اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو نویں کا بھی روزہ رکھوں گا۔

افادات:- اسلام نے عبادات کے بھی طریقے بتلائے ہیں اس میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ عبادات میں بھی غیر قوموں کی مشابہت لازم نہ آنے پائے، تو چوں کہ یہود بھی دسویں محرم کا روزہ رکھتے تھے اور وہ صرف ایک دن کا روزہ رکھتے تھے تو صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنے کی صورت میں ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی تھی، اس لیے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا، تا کہ نو اور دس دو دن کے روزے ہو جائیں، اور ان سے ہمارا طریقہ الگ ہو جائے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ عبادات میں بھی ان کے ساتھ مشابہت والی کسی شکل کو بھی پسند اور گوارہ نہیں کیا گیا؛ تو اب جو گناہ کے کام ہیں ان میں ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا کتنا زیادہ خطرناک ہوگا!

بہر حال! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ تو فرمایا لیکن جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے آئندہ سال آپ موجود نہیں رہے اس لیے نویں محرم کا روزہ رکھنے کی نوبت نہیں آئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد کی وجہ سے آج بھی یہی حکم ہے کہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں کا بھی رکھا جائے، اور اگر کوئی آدمی نویں تاریخ کا نہیں رکھ سکا اور اس نے دسویں کا روزہ رکھا تو پھر گیارہویں کا روزہ بھی ملا دیا جائے کہ نویں کا روزہ رکھنے

کا جو مقصد تھا غیروں کی مشابہت سے بچنا، وہ گیارہویں کا روزہ رکھنے سے بھی حاصل ہو جائے۔ پھر بھی اگر کسی نے صرف دسویں پر اکتفا کر لیا تو اگرچہ اچھا نہیں ہے، لیکن جائز ہے۔

باب استحباب صوم ستة أيام من شوال

شوّال کے چھ دن کے روزوں کا مستحب ہونا

۱۲۵۴:-عن أبي أيوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنّ رسولَ الله ﷺ قال: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتّاً مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)) رواه مسلم.

ترجمہ:- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی رمضان کے روزے رکھے، اس کے بعد شوال کے چھ دن کے روزے رکھے؛ تو اس کو سال بھر یا ہمیشہ روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔

افادات:- اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نیک عمل کا ثواب کم سے کم دس گنا ملتا ہے۔ اب رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھے تو دس گنا کے حساب سے دس مہینوں کا ثواب ملا، اور شوال کے چھ روزے رکھیں گے تو ان کا ساٹھ دن کا ثواب ملا، اس طرح کل بارہ مہینے ہو جائیں گے، اس طرح گویا پورے سال کے روزوں کا ثواب مل جائے گا۔ رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے میں یہ حکمت ہے۔

باب استحباب صوم الإثنين والخميس

پیر اور جمعرات کے روزوں کا مستحب ہونا

۱۲۵۵:- عن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه أنَّ رسول الله ﷺ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الإِثْنَيْنِ، فَقَالَ: ((ذَلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ، وَيَوْمٌ بُعِثْتُ، أَوْ أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ))

(رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن کے روزہ کی فضیلت کے متعلق پوچھا گیا، تو ارشاد فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں۔ اور اُسی دن میں مبعوث ہوا، مجھ پر پہلی وحی بھی اسی دن میں نازل ہوئی۔

افادات:- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش پیر کے روز ہوئی، اور وفات بھی پیر کے روز ہوئی، اس میں تو کوئی تردّد اور اشکال نہیں ہے، یہ دونوں چیزیں صحیح روایت سے ثابت ہے، البتہ تاریخ کے معاملہ میں اختلاف ہے۔

پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش فرما کر انسانیت پر ایک بڑا انعام واحسان فرمایا ہے، اس معنیٰ کر پیر کے روز کو ایک خاص اہمیت اور خصوصی امتیازی شان حاصل ہے، اور اس معنیٰ کر پیر کے روزہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

۱۲۵۶:- وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن رسول الله ﷺ قَالَ: ((تُعْرَضُ الأَعْمَالُ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ وَالخَمِيسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ))

رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن))، ورواه مسلم بغير ذِكر الصوم.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: پیراور جمعرات کے دن لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔اس لیے میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اللہ کے حضور ایسی حالت میں پیش کئے جائیں کہ میں روزہ سے ہوں۔

افادات:- اللہ تعالیٰ ویسے تو ہر ایک کے عمل سے واقف ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کا یہ نظام قائم کیا ہے تو اس میں باقاعدہ حکومت اور سلطنت کا ایک نظام قائم کیا جاتا ہے اور ہر چیز کے لئے ایک ترتیب بنائی جاتی ہے، اسی طرح بندوں کے اعمال اللہ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے بھی ایک نظام ہے، اُسی کے ماتحت جو لوگ زندہ ہیں ان کے اعمال پیر اور جمعرات کو اللہ کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اسی لیے حرمین خاص کر مدینہ منورہ میں دیکھا کہ وہاں کے لوگ پیر اور جمعرات کے روزہ کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن جنّت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوتے ہیں، تو ہر وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا (یعنی ایمان والا ہوتا ہے) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے، البتہ جن دو آدمیوں کے درمیان دشمنی اور عداوت ہوتی ہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جب تک یہ دونوں صلح نہ کرلیں وہاں تک ان کا معاملہ پینڈ ینگ رکھو۔

اب دیکھئے! معمولی دشمنی کی وجہ سے اتنی بڑی فضیلت سے لوگ محروم رہتے ہیں! اس لیے آدمی کو چاہیے کہ اپنے قلب اور سینے کو لوگوں کی عداوت اور کینہ سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کرے۔ یہ بھی بہت بڑی عبادت ہے، اس سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں ہے۔

۱۲۵۷:-وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كَانَ رسولُ الله ﷺ يَتَحَرَّى صَومَ الإثْنَيْنِ وَالخَمِيس.(رواه الترمذی،وقال:((حديث حسن)).

ترجمہ:-حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیراور جمعرات کے روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

باب استحباب صوم ثلاثة أيام من كل شهر

وَالْأَفْضَلُ صَوْمُهَا فِيْ الْأَيَّامِ الْبِيْضِ، وَهِيَ: الثَّالِثُ عَشَرَ، والرَّابِعُ عَشَرَ، وَالْخَامِسُ عَشَرَ وَقِيلَ: الثَّانِيَ عَشَرَ، وَالثَّالِثُ عَشَرَ، والرَّابِعُ عَشَرَ؛ والصَّحِيْحُ الْمَشْهُوْرُ هُوَ الْأَوَّلُ

ہر مہینے میں تین روزوں کی فضیلت اور اس کا مستحب ہونا

ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھنا مستحب ہے۔ اور کسی بھی تین دن کے رکھ سکتے ہیں لیکن ایّامِ بیض کے روزے رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور ایّامِ بیض تیرہویں، چودہویں، پندرہویں ہیں۔ اور دوسرا قول بارہ، تیرہ اور چودہ کا بھی ہے، لیکن پہلے والی بات یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ والی ہی زیادہ صحیح ہے۔

۱۲۵۸:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي** صلی اللہ علیہ وسلم **بِثَلاثٍ: صِيَامِ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَكْعَتَيِ الضُّحَى، وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ.** متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی تاکید فرمائی؛ ایک تو ہر مہینہ میں تین دن کے روزے۔ دوسرا چاشت کی دو رکعت۔ اور تیسرا سونے سے پہلے میں وتر پڑھ لوں۔

افادات:- جو نصیحت بہت تاکید اور اہتمام سے کی جائے اس کو

’’وصیّت‘‘ کہا جاتا ہے۔ اور چوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طالبِ علم تھے، رات کو دیر تک طلبِ علم اور حدیثوں کو محفوظ رکھنے کے لئے جاگنے کی نوبت آتی تھی، تو ہو سکتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں آنکھ نہ کھل سکے، اس لیے سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی۔ حالاں کہ وتر کے سلسلہ میں پہلے گزر چکا ہے کہ اگر کسی آدمی کو رات کے آخری حصہ میں اٹھنے کا یقین ہو تو اس صورت میں وتر کی نماز رات کے آخری حصہ ہی میں ادا کرنی چاہیے۔

۱۲۵۹:- وعن أَبي الدرداءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ **قَالَ: أوصانی حَبِيبی** صلی اللہ علیہ وسلم **بِثَلاثٍ لَنْ أَدَعَهُنَّ مَا عِشْتُ: بِصِيَامِ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَصَلاَةِ الضُّحَى، وبِأَنْ لاَ أَنَامَ حَتَّى أُوتِرَ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی تاکید فرمائی، جب تک میں زندہ رہوں گا کبھی بھی ان کو نہیں چھوڑوں گا۔ ایک تو ہر مہینہ میں تین دن کے روزوں کی۔ دوسرا چاشت کی نماز کی۔ اور تیسرا یہ کہ جب تک وتر نہ پڑھ لوں وہاں تک نہ سوؤں۔

افادات:- دیکھو! حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما دونوں کو یہی تاکید فرمائی گئی ہے۔

۱۲۶۰:- وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما **قَالَ: قَالَ رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم: **((صَوْمُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ))** متفقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مہینہ میں تین دن کے روزے ہمیشہ کے روزوں کی طرح ہیں۔

افادات:- اس لئے کہ تین دن کے روزے رکھیں گے تو گویا اس کا دس

گُنا ثواب ملے گا یعنی تیس دن کا ثواب ہوجائے گا۔ تو تین دن کے روزے رکھ کر پورے مہینہ کے روزوں کا ثواب حاصل کرلیا جائے، اس طرح پورے سال کے روزوں کا ثواب ہوجائے گا۔

۱۲۶۱:- وعن مُعاذة العدوية: أنها سألت عائشة رضی اللہ عنہا: أكَانَ رسول الله ﷺ يَصُومُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلاَثَة أيَّامٍ؟ قالت: نَعَمْ. فقلتُ: مِنْ أيِّ الشَّهْرِ كَانَ يَصُومُ؟ قالت: لَمْ يَكُنْ يُبَالِي مِنْ أيِّ الشَّهْرِ يَصُومُ. رواه مسلم.

ترجمہ:- حضرت معاذہ عدویہ سے منقول ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: جی ہاں۔ تو حضرت معاذہ نے پوچھا: مہینہ کے کونسے حصہ میں رکھتے تھے؟ (شروع میں، بیچ میں، یا آخر میں؟) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ مہینہ کا کون سا حصہ ہے۔

افادات:- یعنی کبھی شروع میں ادا فرماتے تھے، یا کبھی درمیان میں، کبھی آخر میں۔ جیسا کہ بتلادیا کہ پورے مہینہ میں کسی بھی تین دن کے روزے رکھوگے تو یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی؛ البتہ ایّامِ بیض میں روزے افضل ہیں۔

۱۲۶۲:- وعن أبي ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ: ((إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلاَثاً، فَصُمْ ثَلاَثَ عَشْرَةَ، وَأرْبَعَ عَشْرَةَ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ))

رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن)).

ترجمہ:- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم مہینہ میں تین روزے رکھو؛ تو تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کا روزہ رکھو۔

۱۲۶۳:- وعن قتادة بن مِلْحَان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ رسولُ الله ﷺ يأمُرُنَا

بِصِيَامِ أَيَّامِ الْبِيضِ : ثَلَاثَ عَشْرَةَ، وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ. (رواه أبو داود)

ترجمہ:- حضرت قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم کو ایّامِ بیض یعنی چاند کے مہینہ کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کے روزوں کا حکم دیا کرتے تھے۔

۱۲۶۴:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ ﷺ لَا يُفْطِرُ أَيَّامَ الْبِيضِ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ. (رواه النسائي بإسنادٍ حسن)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایّامِ بیض میں کبھی افطار نہیں کرتے تھے (یعنی روزہ نہیں چھوڑتے تھے) چاہے حضر میں ہوں یا سفر میں۔

افادات:- اس سے معلوم ہوا کہ ان دنوں کے روزوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنا اہتمام فرماتے تھے۔

باب فضل من فطَّر صائماً وفضل الصائم الذي يؤكل عنده ودعاء الآكل للمأكول عنده

روزہ دار کو افطار کرانے کی اور کھانے والوں کے سامنے روزہ دار کے صبر کرنے کی فضیلت اور کسی کے یہاں کھانا کھائے؛ تو کیا دعا دے؟

اس باب میں تین چیزیں بتلاتے ہیں کہ کوئی آدمی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کی کیا فضیلت ہے؟ اسی طریقہ سے ایک آدمی نے نفل روزہ رکھا ہے اور دوسرے لوگ اس کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہیں، اور چوں کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے اس وجہ سے ان کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوسکتا، تو اس کے لئے کیا فضیلت ہے؟ اور جس کے وہاں کھانا کھایا جائے ان کے واسطے کھانے والے کا دعا کرنا۔

۱۲۶۵:-عن زید بن خالد الجُهَنِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قَالَ:((مَنْ فَطَّرَ صَائِماً، كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لاَ يُنْقَصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْءٌ))

(رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:- حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کو اُس روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا (یعنی اُس روزہ رکھنے والے کو روزہ رکھنے پر جو ثواب ملا اِس کو روزہ افطار کرانے پر اتنا ہی ثواب ملے گا) اور اس کی وجہ سے روزہ دار کے ثواب میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوگی۔

افادات:- کتنی بڑی فضیلت ہے! اور افطار کرانا پیٹ بھر کر کھلانے پر موقوف نہیں ہے، صرف ایک کھجور کھلادی، یا لسّی پلادی، یا کولڈ رنک پلادیا؛ تب بھی یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

۱۲۶۶:-وعن أُمِّ عُمَارَةَ الأنصارِيَّةِ رضی اللہ عنہا **أَنَّ النبيَّ** ﷺ **دَخَلَ عَلَيْهَا، فَقَدَّمَتْ إِلَيْهِ طَعَاماً، فَقَالَ: ((كُلِي)) فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ، فَقَالَ رسول الله** ﷺ**: ((إِنَّ الصَّائِمَ تُصَلِّي عَلَيْهِ المَلاَئِكَةُ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ حَتَّى يَفْرغُوا)) وَرُبَّمَا قَالَ: ((حَتَّى يَشْبَعُوا))** (رواہ الترمذی، وقال: حدیث حسن)

ترجمہ:- حضرت امِ عُمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے کھانا پیش کیا (جیسے: ہمارے یہاں بھی جب کوئی مہمان آتا ہے تو کھانے کی چیز سے اس کی تواضع کی جاتی ہے) تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا: تم بھی کھاؤ۔ انہوں نے کہا: میرا تو روزہ ہے، اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی روزہ دار کے پاس بیٹھ کر لوگ کھا رہے ہوں تو اُس روزہ دار کے لئے فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں جب تک یہ لوگ کھا کر فارغ نہ ہوجائیں۔

افادات:- بعض روایتوں میں یہ ہے کہ جب تک یہ شکم سیر ہو کر کھا نہ لیں وہاں تک فرشتے اُس روزہ دار کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ کیوں کہ اُس نے اللہ کے واسطے اپنے کھانے کے تقاضہ کو روکا۔ چوں کہ ایسے موقع پر جی میں ہوتا ہے کہ ان

کے ساتھ شریک ہوا جائے، لیکن روزہ کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکتا تو اس کی جزا اور بدلہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملے گا۔

۱۲۶۷:- وعن أنسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم جاءَ إلَی سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فَجَاءَ بِخُبْزٍ وَزَيْتٍ، فَأَكَلَ، ثُمَّ قَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ((أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ المَلاَئِكَةُ)) رواه أبو داود بإسناد صحيح.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہاں تشریف لے گئے تو وہ حضورِ اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے روٹی اور زیتون کا تیل لائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نوش فرمایا اس کے بعد ان کو یہ دعا دی: ''أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ'' روزہ دار لوگ تمہارے یہاں افطار کریں ''وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَار'' اور نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں ''وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ'' اور فرشتے تمہارے لئے دعاءِ رحمت کریں۔

افادات:- یہ دعائیہ کلمات ہیں، جس کے وہاں کھانا کھائے اس کے لئے یہ دعا کرنی چاہیے۔ ایک اور دعا یہ بھی ہے: ''أَللّٰهُمَّ أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنَا وَاسْقِ مَنْ سَقَانَا'' اے اللہ! جس نے ہم کو کھلایا؛ تو ان کو کھلا، اور جس نے ہم کو پلایا؛ تو ان کو پلا۔ ایک دعا یہ بھی ہے: ''أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ'' اے اللہ! تو ان کی روزی میں برکت دے، اور ان کے گناہوں کو معاف فرما، اور ان پر رحمت نازل فرما۔

کتَاب الاعْتِکَاف

باب الاعتكاف في رمضان

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کا لغوی معنی ٹھہرنا،، اور چوں کہ اعتکاف میں مسجد کے اندر ہی ٹھہرا جاتا ہے؛ اس لئے اس کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اعتکاف کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت سے اللہ کے واسطے روزہ کے ساتھ مسجد میں رُکنا۔

اعتکاف کئی قسم کا ہوتا ہے: (۱) سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ (۲) واجب (۳) نفل تو رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی جس محلہ میں مسجد واقع ہے اس محلہ کا ایک آدمی بھی اعتکاف کرلے گا تو پورے محلہ والوں کی طرف سے یہ سنت ادا ہوجائے گی، اور جتنے لوگ کریں گے سب کو سنّت کا پورا پورا ثواب ملے گا، اور اگر کوئی بھی اعتکاف نہیں کرے گا تو سب گنہگار رہوں گے۔ اور اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی ہے تو نذر کا اعتکاف واجب ہے۔ اور مسجد میں جب داخل ہو اُس وقت اعتکاف کی نیت کرلے کہ جتنی دیر مسجد میں رہوں گا اُتنی دیر اعتکاف میں رہوں گا، تو یہ اعتکاف نفل کہلائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول

۱۲۶۸:- عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ ﷺ يَعْتَكِفُ العَشْرَ

الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ. متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے (اسی لئے اس کو سنتِ مؤکدہ کہا گیا ہے)

۱۲۶۹:- وعن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ العَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ تَعَالَى، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ. متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا (یعنی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول رہا) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا (اس لیے عورتیں بھی اپنی گھر کی مسجد میں یعنی گھر میں جو جگہ نماز کے لئے مقرر کی گئی ہے، وہاں اعتکاف کرسکتی ہیں)۔

۱۲۷۰:- وعن أَبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: كَانَ النبيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ أيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ العَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوماً.

رواه البخاري

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے، لیکن جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اُس سال رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

افادات:- اُس سال قرآنِ کریم دو مرتبہ ختم ہوا تھا، اور اعتکاف بھی دس دن کے بجائے بیس دن کا فرمایا تھا۔ اعتکاف کے مستقل مسائل ہیں اور اس سلسلہ میں رسائل بھی چھپے ہوئے ہیں، ضرورت کے موقع پر ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

کتَاب الحَجّ

باب وجوب الحج وفضله

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ فضائل کا سلسلہ چل رہا ہے، اسی سلسلہ میں آج عنوان قائم کیا ہے:-

فضائلِ حج

سب سے پہلے تو وہ آیت پیش کی جو حج کی فرضیت کے سلسلہ میں نازل ہوئی:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ اور اللہ کے واسطے لوگوں کے اوپر بیت اللہ کا حج ضروری ہے جو بھی وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جسے بیت اللہ تک جا کر واپس آنے کی استطاعت ہے اس پر حج فرض ہے۔

استطاعت سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا: "الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ"، توشہ اور سواری۔ یعنی آدمی جہاں رہتا ہے وہاں سے مکہ مکرمہ، منٰی، عرفات وغیرہ جہاں حج کے مناسک اور افعال ادا کئے جاتے ہیں وہاں تک جانے اور آنے کا کرایہ، اور اتنی مدت کا اپنے سفر کا خرچہ، اور اپنے گھر والوں کا اور جن کا نفقہ اس کے اوپر واجب ہے ان سب کا خرچہ اس کے پاس موجود ہو۔ یہ دو باتیں ہوں تب ہی استطاعت کہلائے گی۔

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ اور جو آدمی کفر اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا نہیں لاتا تو اللہ تعالیٰ بندوں کی ان عبادتوں کا محتاج نہیں ہے۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

۱۲۷۱:- وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: بُنِیَ الإِسْلَامُ عَلَی خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رسولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ البَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

افادات:- یہ روایت پہلے بھی (نماز، روزے وغیرہ کے بیان میں) آچکی ہے۔ جتنے بھی فرائض ہیں ان میں سب کے آخر میں سنہ ۹ ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی ہے، اور جس سال حج کی فرضیت والی آیت نازل ہوئی اس سال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا، اس کے بعد سنہ ۱۰ ھ میں خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے تشریف لے گئے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ حج کی فرضیت کے بعد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کی ادائیگی میں تاخیر کیوں فرمائی؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ حج کی ادائیگی میں ایسی تاخیر جس میں یہ اندیشہ ہو کہ حج فوت ہو جائے گا اس کی ممانعت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بذریعۂ وحی بتلا دیا گیا تھا کہ آپ آئندہ سال حج

فرمائیں گے۔ اور دوسری حکمت بھی تھی کہ حج کا سلسلہ عرب میں شروع سے چلا آرہا تھا، اسلام سے پہلے عرب کے قبائل مختلف گروہ بنا کر حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ آتے تھے اور جاہلیت کے طریقہ کے مطابق حج کے افعال انجام دیا کرتے تھے، اور دورِ جاہلیت کی کچھ چیزیں ایسی بھی تھیں جو باقی رکھنے کے قابل نہیں تھی، مثلاً مشرک بھی حج کرتے تھے اور بیت اللہ کا طواف برہنہ حالت میں کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حج کے لئے بھیج کر پہلے سے ہی اس بات کا انتظام کردیا گیا کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لئے تشریف لائیں تو یہ ساری چیزیں ختم ہو چکی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں یہ باتیں نہ ہوں، چناں چہ اس موقع پر جو اعلانات کئے گئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا: لَا یَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا یَطُوفَ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ (بخاری ومسلم) اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے حج کے لئے نہیں آسکتا، اور کوئی آدمی ننگا اور برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں حج فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو اعلان کردیا گیا، چناں چہ اس اعلان کے نتیجہ میں بے شمار لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کے ارادہ سے چلے، ان کی تعداد کے سلسلہ میں اختلاف ہے، نوے ہزار اور اس سے بھی زیادہ بتلائی جاتی ہے۔

بہرحال! یہ پانچ اسلام کے بنیادی فرائض ہیں، اس میں حج بیت اللہ کا بھی شمار کیا گیا ہے، اسی لئے اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔

زیادہ کھود کرید میں مت پڑو

۱۲۷۲:- وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: خَطَبَنَا رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمُ الحَجَّ فَحُجُّوا. فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَارَسولَ

اللهِ؟ فَسَكَتَ، حَتَّى قَالَهَا ثَلاثاً. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ. ثُمَّ قَالَ: ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ؛ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، اس لئے تم حج کرو (جب آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا) تو ایک آدمی نے اٹھ کر سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال (حج کرنا ضروری ہے؟) یہ سوال سن کر نبیٔ کریم ﷺ خاموش رہے (آپ کی یہ خاموشی وحی کے انتظار میں تھی) یہاں تک کہ سوال کرنے والے نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کی ادئیگی ضروری ہو جاتی اور پھر تم اس کو نہیں کر سکتے، پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں (یعنی کسی حکم کے سلسلہ میں میں اپنی طرف سے کوئی وضاحت نہ کروں) وہاں تک تم اس سلسلہ میں کچھ بھی پوچھا مت کرو، کیوں کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ کثرت سے سوال کرنے اور اپنے انبیاء کے ساتھ مخالفت کرنے کے نتیجہ میں ہلاکت میں مبتلا ہوئیں ہیں (اس لئے حضور اکرم ﷺ اپنی امت کو ہدایت فرما رہے ہیں کہ) میں اگر تمہیں کسی بات کے کرنے کا حکم دوں تو تم سے جو ہو سکے اس کے مطابق عمل کرلو (اور اس سلسلہ میں زیادہ پوچھ تاچھ میں مت پڑو۔ ڈیپ (Deep) میں مت جاؤ) اور اگر کسی چیز سے میں تم کو روک دوں؛ تو تم رک جاؤ۔

افادات:- بعض قوموں کو جب دین کا کوئی حکم دیا جاتا تھا تو اس کو سننے کے بعد اس حکم کو ظاہری حالت پر باقی رکھتے ہوئے اور تفصیلات میں گئے بغیر عمل کرنے کا اہتمام کرنے کے بجائے اس کی اندرونی چیزیں بار بار پوچھتے تھے، نتیجہ میں خود ہی

دشواری اور تکلیف میں مبتلا ہوتے تھے۔اس لئے کہ جوں جوں سوالات پوچھے جائیں گے ان کا جواب بھی دیا جائے گا، اور اس طرح پابندیاں عائد ہوتی چلی جائیں گی، جیسا کہ بنواسرائیل میں ایک آدمی کا قتل ہوگیا تھا تو ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ! آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کریں کہ کسی طرح قاتل کا علم ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ ایک گائے خرید کر ذبح کرو اور اس کے جسم کا کچھ حصہ مرنے والے کے جسم پر رکھ دو، وہ زندہ ہوکر بتادے گا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ یہ سن کر ان لوگوں نے تحقیقات شروع کر دیں کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟ کس رنگ کی ہونی چاہیے؟ جوں جوں وہ لوگ اس سلسلہ میں پوچھتے رہے، ان کے لئے قیدیں بڑھتی رہیں۔ظاہر ہے کہ پہلے کوئی پابندی، کوئی قید اور شرط نہیں لگائی گئی تھی، بغیر کسی قید اور شرط کے کسی بھی گائے کو لاکر ذبح کرتے ہوئے یہ حکم پورا کر لیتے؛ تو معاملہ آسان تھا لیکن انہوں نے خود ہی پوچھ کر اپنے لئے دشواریاں پیدا کر دیں۔اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو یہ ہدایت فرمارہے ہیں کہ اگلی امتوں کو دئے گئے بہت سارے احکام ایسے تھے جو انہوں نے اپنے نبیوں سے کثرتِ سوالات کے نتیجہ میں اپنے اوپر لازم کروائے، پھر ان کو نبھا نہ سکے۔اور ہلاکت میں پڑے، لہٰذا اگر میں تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں، تو تم سے جتنا ہو سکے اس کے مطابق عمل کرلو، زیادہ پوچھ تاچھ میں مت پڑو، اور اگر کسی چیز سے تمہیں روک دوں؛ تو رک جاؤ۔

بے ضرورت سوال کرنے کی ممانعت ہے

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوالات کرنے سے اس لئے بھی منع فرمایا کہ آپ کی موجودگی میں شریعت کے احکامات کے نزول کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے سوال کرنے کی صورت میں یہ امکان تھا کہ اس سلسلہ میں مزید قید اور شرط والا کوئی نیا حکم بھی آ جائے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ وہ آدمی بڑا برا ہے کہ کوئی چیز حرام نہیں تھی لیکن اس کے سوال کرنے کے نتیجہ میں وہ حرام کی گئی۔ اگر وہ نہ پوچھتا تو اس چیز کے حرام ہونے کی نوبت نہ آتی، گویا اس کے سوال نے لوگوں کے لئے دشواری پیدا کردی، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا تھا، لیکن آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب یہ معاملہ نہیں رہا۔ گویا شریعت مکمل ہو چکی ہے، اب آدمی اپنے عمل کے واسطے ضرورت کے مطابق اگر تفصیل پوچھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن بلا ضرورت سوال کرنے کی ممانعت ہے، مثلاً: اس سوال کا تعلق عمل سے نہیں ہے، یا عمل کرنے کا ارادہ نہیں ہے، بس خواہ مخواہ بطور امتحان کے، یا بلا وجہ بحث میں پڑتے ہوئے پوچھنا چاہتا ہے؛ تو اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا۔

حجِ مبرور

۱۲۷۳:-وعنه قال سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أيُّ العَمَلِ أفْضَلُ؟ قَالَ: إيمَانٌ بِاللهِ وَرسولِهِ. قيل: ثُمَّ ماذا؟ قَالَ: الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ. قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبرُورٌ. (متفقٌ عَلَيْهِ)

((المبرور)) هُوَ: الَّذِي لا يرتكِبُ صاحِبُهُ فِيهِ معصيةً.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کونسا عمل افضل ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنا۔ پھر پوچھا گیا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بعد کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ پھر پوچھا گیا: اس کے بعد کون سا عمل افضل

ہے؟ فرمایا: حجِ مبرور۔

افادات:- اس قسم کے سوالات کے جوابات میں نبیٔ کریم ﷺ نے حسبِ موقع - جیسا سوال کرنے والا، جیسا وقت ہوا - مختلف جوابات دیئے ہیں، ایک ہی سوال اور جوابات مختلف ہونے کی وجوہات پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ یہاں تو یہ روایت اسی لئے لائے کہ حجِ مبرور کی شریعت کی نگاہوں میں اتنی اہمیت ہے۔

اب حجِ مبرور کسے کہتے ہیں؟ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی ایک بات بتلائی ہے کہ حج کرنے والا اپنے اس حج کے دوران اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے؛ تو یہ حجِ مبرور کہلاتا ہے۔ چناں چہ احرام کی جو پابندیاں ہیں ان کے خلاف کوئی کام کرے گا تو وہ بھی ایک طرح کی معصیت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے، اس کے نتیجہ میں بھی حج مبرور نہیں رہتا۔ گویا اللہ تعالیٰ کے یہاں نیکی والا حج ہی قبول کیا جاتا ہے۔

حج میں قصداً جنایت کرنا

بعض لوگ حج کے دوران بعض ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہیں جو احرام کی حالت میں نہیں کرنی چاہئیں کہ اس پر دم تو نہیں ہے؟ اگر دم ہے، تو ہم دم دے دیں گے، یا کفارہ ہے تو ہم وہ ادا کر دیں گے، اور اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو قصداً توڑتے ہیں، تو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر چہ دم دینے سے تلافی تو ہو جائے گی؛ لیکن ایسا حج مبرور نہیں رہتا، دم تو اس لئے رکھا گیا ہے کہ آدمی سے نادانستہ طور پر کوئی غلطی ہو جائے؛ تو دم کے ذریعہ سے اس کی تلافی ہو جائے۔

گناہوں سے پاک صاف ہوکر لوٹتا ہے......

۱۲۷۴:-وعنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: مَنْ حَجَّ، فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس آدمی نے حج کیا اور کوئی فحش بات نہیں کی، اور نہ کوئی فحش کام کیا (اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو نہیں توڑا) تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوکر لوٹے گا جیسا کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

افادات:- ظاہر ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو اس پر کوئی گناہ اور معصیت نہیں ہوتی، بالکل معصوم ہوتا ہے، گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے، جو آدمی حج کرتا ہے وہ بھی گناہوں سے اسی طرح پاک صاف ہوکر لوٹتا ہے، البتہ اس میں دو شرطیں لگائی ہیں، ایک یہ کہ کوئی فحش بات نہیں کی ہو۔ ''رَفَث'' کا معنیٰ ہے: کوئی بھی فحش کام کرنا، مثلاً: بیوی کے سامنے صحبت کی بات کرلی، تو یہ بھی ''رفث'' میں داخل ہے۔ اسی طرح ''فسوق'' کا مطلب ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی۔ نافرمانی اور دنوں میں، دیگر حالات میں بھی ممنوع ہے، لیکن احرام کی حالت میں اس کی ممانعت زیادہ سخت ہوجاتی ہے۔ ہاں! بعض چیزیں وہ ہیں جو احرام کے علاوہ تو ممنوع نہیں ہے لیکن احرام کی حالت میں ممانعت ہے، اس سے بھی حج کے اندر خاص طور پر بچنا چاہیے، اگر ان سے نہیں بچے گا تو دم واجب ہوگا۔

یہاں پر بھی گناہوں سے پاک صاف ہوکر لوٹنے کے بارے میں عام طور پر علماء یہی فرماتے ہیں کہ اس سے صغائر مراد ہیں، جیسے دیگر عبادتوں کے سلسلہ میں بتلایا

ہے؛ البتہ بعض حضرات اس طرف بھی گئے ہیں کہ حج کی وجہ سے صغائر اور کبائر سب ہی گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حجِ مبرور کا بدلہ جنت کے علاوہ کچھ نہیں

۱۲۷۵:-وعنه أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: العُمْرَةُ إِلَى العُمْرَةِ، كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالحَجُّ المَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الجَنَّةَ. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک عمرہ سے لے کر دوسرا عمرہ؛ درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے، اور حجِ مبرور کا بدلہ جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے (گویا حج کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ جنت ہی میں بھیج دیں گے)۔

افادات:- یعنی ایک آدمی نے عمرہ کیا پھر ایک مدت کے بعد دوبارہ عمرہ کیا، تو ان دونوں عمروں کے درمیان کے زمانہ میں جو گناہ ہوئے ہیں، وہ سب معاف ہوجائیں گے۔ اس سے عمرہ اور حج کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

عورتوں کے لیے بہترین جہاد

۱۲۷۶:-وعن عائشة رضي الله عنها قَالَتْ: قُلْتُ: يَارسول الله! نَرَى الجِهَادَ أَفْضَلَ العَمَلِ، أَفَلَا نُجَاهِدُ؟ فَقَالَ: لَكِنَّ أَفْضَلُ الجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ. (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد بہترین عمل ہے؛ تو کیا ہم (عورتیں) جہاد نہ کریں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتوں کے لیے بہترین جہاد حجِ مبرور ہے۔

افادات:- ویسے بھی روایتوں میں آتا ہے کمزوروں، بیماروں، بوڑھوں،

عورتوں اور بچوں کے لئے بہترین جہاد حجِ مبرور ہے۔ حج میں بھی آدمی کو بڑی مشقّت اٹھانی پڑتی ہے۔

عرفہ کے دن جہنم سے آزادی کا پروانہ

۱۲۷۷:- وعنها أن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يَعْتِقَ اللهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ. (رواه مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی دن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم سے اتنا زیادہ آزاد نہیں فرماتے جتنا عرفہ کے دن۔

افادات:- یعنی نویں ذی الحجہ کو جب لوگ میدانِ عرفات میں ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے، عام طور پر وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو میدانِ عرفات میں ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے گناہوں کو اللہ معاف کر کے ان کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دیتے ہیں۔ اور اس دن میں جس کثرت سے بندوں کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے کسی اور دن میں اتنی آزادی نہیں ملتی۔

رمضان کے عمرہ کی فضیلت

۱۲۷۸:- وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما أَنَّ النبيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً -أَوْ حَجَّةً مَعِي. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان کے اندر عمرہ کرنا حج کے برابر ہے؛ یا یہ فرمایا کہ: میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

افادات:- چناں چہ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابیات کا ارادہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے قافلہ میں شریک ہوکر حج کرنے کا تھا، لیکن کسی وجہ سے وہ شریک نہیں ہوسکیں، اور انھوں نے بطور شکایت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات عرض کی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اچھا! رمضان میں عمرہ کرلو، تم کو میرے ساتھ حج کرنے پر جو ثواب ملتا، وہ اس عمرہ سے بھی مل جائے گا اس سے رمضان المبارک کے عمرہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

کیا بار بار حج عمرے کرنا غلط ہے؟

بہر حال! حج اور عمرہ کے بڑے فضائل ہیں، ان فضائل کے حصول کی غرض سے کوئی آدمی اگر ان اعمال کو انجام دیتا ہے تو وہ قابلِ تنقید نہیں ہے۔ آج کل ایک مزاج بنتا جارہا ہے کہ بعض لوگ انہی فضائل کے پیشِ نظر حج یا عمرہ کا اہتمام کرتے ہیں، تو دوسرے لوگ جن کو یہ توفیق بھی میسر نہیں ہوتی، وہ یوں کہتے ہیں کہ دیکھو نا! فلاں ہر سال عمرہ کرنے کے لئے جاتا ہے، اس میں اتنے پیسہ خرچ کرتا ہے، اور یہاں غریبوں کو جھونپڑے بنانے کی ضرورت ہے، اگر اتنے پیسے یہاں دیتا تو اس کا کیا چلا جاتا؟ درحقیقت ان پر اعتراض کرکے جو کام کروانا چاہتے ہیں اس کی بھی توفیق ان کو میسر نہیں ہوتی۔

تو دیکھو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غریبوں کو جھونپڑا بنانے میں پیسہ دینا نیکی کا کام ہے، اور اگر وہ ضرورت کا تقاضہ ہے تو اس میں زیادہ نیکی ملے گی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس آدمی کو آپ قابلِ تنقید قرار دیں۔ جب یہ آدمی خود اپنے پیسے خرچ کرکے جارہا ہے، تو اس کو چاہیئے تھا کہ کسی بڑے سے پوچھتا کہ اس وقت میرے سامنے دو چیزیں ہیں، ان فضائل کے پیشِ نظر جو حج وعمرہ کے ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ

میں حج یا عمرہ کروں، لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میری نگاہوں کے سامنے کچھ غرباء ہیں جن کو ضرورت ہے۔ یا فلاں اپنی بیٹیوں کا نکاح کرانے کے واسطے، یا جھونپڑے بنانے کے واسطے، یا فلاں کام کے واسطے، یا فلاں جگہ نیکی کا کام ہے؛ ان دونوں میں سے میرے لئے اس وقت کیا زیادہ مناسب ہے۔ یہ تو اس کو چاہئے تھا کہ پوچھتا کہ اب میں کیا کروں؟ اور اس کو جو بتایا جائے اس کے مطابق وہ عمل کرتا۔ لیکن آپ بیچ میں دخل کیوں دیتے ہیں اور اس کو نشانہ اور ٹوپک (Topic) بنا کر غیبتوں میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں۔ جو لوگ گناہوں کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں ان کو کوئی کہنے نہیں جاتا، اس پر کوئی تنقید نہیں کرتا، جو لوگ نکاحوں اور منگنیوں میں ویڈیو لا کر اور دوسری جگہوں میں فضول خرچی کے طور پر ہزاروں لاکھوں کروڑوں روپے بلا وجہ اڑا دیتے ہیں؛ وہاں کوئی نہیں بولتا۔ یہ بھی عجیب مزاج بنا ہوا ہے، یہ بالکل غلط طریقہ ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

ہاں! اگر آپ کا اس سے تعلق ہے، تو تنقید کے طور پر نہیں بلکہ بطور مشورہ اس سے کہیں کہ بھائی! تم حج کے لیے جاتے ہو، تو اس سلسلہ میں تحقیق کرلو، جانکاروں سے پوچھ لو، اور اس معاملہ میں جو مناسب ہو اس پر عمل کرو، آپ اپنی طرف سے مشورہ نہ دیں۔ باقی وہ جو کر رہا ہے اس کا عمل کوئی گناہ کا کام نہیں ہے۔ وہ تو ایسے انداز سے لوگ بیان کرتے ہیں جیسے کوئی بہت بڑا مجرم اور بڑا قابلِ نفرت ہو، اور ایسے انداز سے اس کے متعلق نفرت بھرے الفاظ بولتے ہیں۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ شریعت کے حکم کے پیشِ نظر نہیں ہوتا، بلکہ اپنا ایک اندرونی معاملہ ہوتا ہے، اسی دشمنی کو نکالنے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے، یہ یاد

رہے۔اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

جب ہم کوئی عمل نیک نہیں کر پاتے تو کسی نیک عمل کرنے والے پر تنقید کیوں کریں۔نیک اعمال کے مختلف درجے ہیں اس کی حیثیتیں ہیں، کوئی کم درجہ کا عمل کرتا ہے، تو اس پر اعتراض نہیں کیا جائے۔وہ بھی نفل ہے، یہ بھی نفل ہے، وہ بھی کوئی فرض و واجب نہیں ہے، دونوں کام نفل ہیں، اب ان میں سے کسی کام کی حیثیت کسی خاص حالات کے پیش نظر بڑھ گئی، وہ بات دوسری ہے۔یہ بات خود اس کو سوچنی چاہئے تھی، لیکن اس نے اس کے علاوہ دوسرا نفلی کام کیا تو اس کی وجہ سے ہم اس کے اوپر تنقید کریں اور اس کو اپنی مجلسوں کا موضوع بنائیں، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ آج کل اس طرح کا جو مزاج بنتا جا رہا ہے، وہ غلط ہے۔ہاں! جو لوگ فضول خرچی میں پیسہ استعمال کرتے ہیں، غلط جگہوں پر اپنے پیسے کو استعمال کرتے ہیں، ان پر آپ تنقید بھی کر سکتے ہیں، کیوں کہ وہ گناہ کے کام ہیں، ان کی تنقید کیجئے، لیکن وہاں کسی کو تنقید کرنے کی جرأت ہوتی نہیں۔

حجِ بدل کی اجازت

۱۲۷۹:- وعنه أنَّ امرأة قالت: يَا رسول الله، إنَّ فَرِيضَةَ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ فِى الحَجِّ، أَدْرَكَتْ أَبِى شَيْخاً كَبِيراً، لاَ يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَم. (متفق عليه)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا فریضہ اس کے بندوں پر جو حج کی شکل میں ہے وہ حکم میرے ابا پر ایسے وقت آیا کہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں (بڑھاپے کی وجہ سے) سواری پر

جم کر بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے (اس لئے کہ سواری پر آدمی کو اپنے آپ کو سنبھالنا پڑتا ہے) کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں۔

۱۲۸۰:- وعن لقيط بن عامر رضي الله عنه أنّه أتى النبيّ صلى الله عليه وسلم فقال: إنّ أبي شيخ كبير لا يستطيع الحجّ، ولا العمرة، ولا الظّعن؟ قال: حُجّ عن أبيك واعتمر.

(رواه أبوداؤد والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ:- حضرت لقیط بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے ابا بہت زیادہ بوڑھے ہو چکے ہیں، نہ حج کی طاقت رکھتے ہیں نہ عمرہ کی، اور نہ سوار ہو کر سفر کرنے کی ان میں طاقت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے ابا کی طرف سے حج بھی کرو اور عمرہ بھی کرو۔

افادات:- بعض عبادتیں ایسی ہیں کہ ان میں نیابت نہیں چلتی، جیسے نماز، روزہ۔ اگر کوئی آدمی نماز نہیں پڑھ سکتا، وہ دوسرے کو کہے کہ میری طرف سے نماز پڑھ لو؛ تو یہ نہیں چلے گا، اگر دوسرا پڑھے گا تو اس کی طرف سے کافی نہیں ہوگی، یہی حال روزہ کا ہے، لیکن حج ایسا عمل اور ایسی عبادت ہے کہ اس میں نیابت کرسکتے ہیں، حج دوسرے سے کرا سکتے ہیں؛ اسی کو حجِ بدل کہا جاتا ہے۔

ویسے عمرہ فرض تو نہیں ہے، لیکن اگر کوئی آدمی دوسرے کی طرف سے عمرہ کرے گا تو وہ بھی درست ہے۔ اب یہ ہے کہ کسی پر حج فرض ہوا اور وہ نہیں جا سکتا تو دوسرے کو حج کے لئے بھیجے اس کے لئے کچھ تفصیلات اور مستقل احکام ہیں، جو آدمی ایسا کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ جانکاروں اور مفتیوں سے مل کر اس سلسلہ میں معلوم کرے اور پھر اس کے مطابق عمل کرے۔

بچوں کو بھی حج کے لیے لے جاسکتے ہیں

۱۲۸۱:-وعن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: حُجَّ بِی مَعَ رسولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فی حَجَّةِ الوَدَاعِ، وَأَنَا ابنُ سَبعِ سِنِینَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر حج میں لے جایا گیا، اس وقت میں سات سال کا تھا۔

افادات:- ان کے ماں باپ اور ان کے خاندان والے ان کو اپنے ساتھ حج میں لے گئے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کو بھی حج کے لئے لے جایا جاسکتا ہے، اور ماں باپ یا جو کوئی بھی بچے کو حج کے لیے لے جائیں گے ان کو بھی ثواب ملے گا۔ باقی یہ ہے کہ اس سے اس بچہ کا فرض ادا نہیں ہوگا، بالغ ہونے کے بعد اگر اس کے پاس مال آئے تو اس کا بچپن کا کیا ہوا حج فریضہ کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔

۱۲۸۲:-وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَقِیَ رَکْباً بالرَّوْحَاءِ فَقَالَ: ((مَنِ القَوْمُ؟)) قالوا: المسلِمُونَ. قالوا: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: ((رسولُ اللهِ)). فَرَفَعَتِ امْرَأَةٌ صَبِیّاً، فَقَالَتْ: أَلِهَذَا حَجٌّ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ)) (رواہ مسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفرِ حج میں ایک قافلہ سے مقامِ روحاء پر ملے (''روحاء'' ایک مقام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان آتا ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں۔ (یہ سن کر) ایک عورت نے اپنے ہاتھ میں بچہ اٹھایا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! اس بچہ کا بھی حج ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! اس کا بھی حج ہوجائے گا اور تمہیں ثواب ملے گا۔

افادات:- ظاہر ہے کہ بچہ کو حج کرانے میں ماں باپ کو مشقت لاحق ہوتی ہے۔ بعض تو بالکل چھوٹے ہوتے ہیں جو خود چل بھی نہیں سکتے، ان کو گود میں اُٹھا کر حج کرانا پڑتا ہے۔ یا جو چل سکتے ہیں ان کو بھی حج کرانے میں مشقت لاحق ہوتی ہے، اس لیے حج کرانے والے کو ثواب ملے گا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس حج سے بچہ کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، باقی اس کی وجہ سے حاجی بن جائے گا۔ اگر بچپن میں کسی نے حج کیا ہو تو ہمارے یہاں اس کو ''حاجی'' کہتے ہیں کہ وہ پکا حاجی ہو جاتا ہے، بڑے والے سے بھی بڑا حاجی ہوتا ہے، بلکہ ''حاجی'' اس کے نام کا جزو ہی بن جاتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بوقتِ حج ایک ہی سواری

۱۲۸۳:- وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حَجَّ عَلَى رَحْلٍ وَكَانت زَامِلَتهُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سواری پر حج کیا اور یہی آپ کا بوجھ اٹھانے والا اونٹ بھی تھا۔

افادات:- اہلِ عرب جب سفر کرتے تھے تو دو طرح کے اونٹ ساتھ ہوتے تھے، بعض اونٹ وہ ہوتے تھے جو صرف بوجھ اٹھانے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے، مسافر اپنا بوجھ لادنے کے لئے اس کو ساتھ رکھتا تھا۔ اور کچھ وہ ہوتے تھے جو سواری کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ تو جو اونٹ صرف بوجھ اٹھانے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے؛ ان کو ''زَامِلَةٌ'' کہتے ہیں، اور جو سواری کے لئے استعمال کئے جاتے تھے اس کو ''رَاحِلَةٌ'' کہتے تھے، ہر اونٹ سواری کرنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ جیسے آج کل ہمارے یہاں بھی مشین سے بنی ہوئی گاڑیاں بھی دو طرح کی

ہوتی ہیں، جیسے: ٹرک، ٹیمپو وغیرہ سواری کے لئے نہیں ہوتے، اگر کوئی سوار ہو جائے تو دوسری بات ہے، باقی وہ ٹرانسپورٹ کے لئے، اور سامان اٹھانے اور منتقل کرنے کے لئے ہوتی ہیں، سواری کے لئے تو دوسرے قسم کی گاڑیاں ہوتی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام کی بلندی کی وجہ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ کی سواری کا جانور الگ ہوتا اور آپ کا سامان اُٹھانے والا جانور الگ ہوتا، آپ کو اس بات کا حق تھا لیکن اس کے باوجود حال یہ تھا کہ آپ کے ساتھ ایک ہی جانور تھا، اسی پر آپ سوار بھی تھے اور اسی کو بوجھ اٹھانے کے کام میں بھی استعمال فرما رہے تھے۔

اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے

۱۲۸۴:-وعن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ، وَمَجِنَّةُ، وَذُوالْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِيْ الجَاهِلِيَّةِ، فَتَأَثَّمُوا أَن يَتَّجِرُوا فِي المَوَاسِمِ، فَنَزَلَتْ: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ} (البقرة:۱۹۸) فِي مَوَاسِمِ الحَجِّ. (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عُکاظ، مَجِنَّہ اور ذُوالمجاز؛ یہ زمانۂ جاہلیت میں تین بازار تھے (جہاں حج کے زمانہ میں بھی بازار لگا کرتے تھے) تو لوگوں نے موسمِ حج میں اس میں تجارت کرنے کو اخلاص کے منافی سمجھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر حج کے دنوں میں تم کوئی چیز خرید وفروخت کرلو؛ تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔

افادات:- ''**عُکاظ، مَجِنَّہ اور ذُوالمجاز**'' یہ تین جگہیں تھی جہاں ہنگامی بازار اور میلے لگا کرتے تھے، اس کا مقصد ہی تجارت ہوتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں حج ہی کے دنوں میں وہاں پر بازار لگتے تھے اور لوگ تجارت بھی کرتے تھے۔ جب اسلام آیا

تو چوں کہ اسلام نے ہر عمل کے متعلق تاکید فرمائی کہ وہ عمل خالص اللہ کے واسطے ہونا چاہیے، اس لیے جو لوگ حج کے ارادہ سے آتے تھے وہ یوں سوچتے تھے کہ ہم تو حج کے لئے آئے ہیں، اگر ان بازاروں میں جا کر خرید وفروخت کریں گے، تو حج والا عمل جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا چاہیے، اس میں دوسری چیز کو ہم نے شامل کرلی۔ گویا یہ اخلاص کے منافی ہے، یہ سمجھ کر گویا انھوں نے حرج محسوس کیا۔ تو اس پر قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (البقرۃ: ۱۹۷)﴾ اگر حج کے دنوں میں تم کسی چیز کی خرید وفروخت کرلو، اور تمہاری نیت حج ہی کے لئے آنے کی تھی، تجارت کے لئے نہیں تھی؛ تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔

اس لئے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آخری زمانہ میں اس امت کے حکام اور امراء تو سیر وتفریح کے لئے حج کریں گے، اور درمیانی طبقہ کے مالدار لوگ تجارت کے لئے حج کریں گے کہ ادھر سے مال لے گئے، ادھر سے مال لائے۔ اور علماء نام آوری کے لئے حج کریں گے کہ فلاں مولانا صاحب نے اتنے حج کئے، اور غرباء بھیک مانگنے کے لئے حج کریں گے۔ اور عام طور پر آج کل یہی دیکھا جارہا ہے۔

اس لیے اگر آدمی کے سفر کا مقصد حج ہی ہے اور نیت خالص اللہ ہی کے لئے حج کرنے کی ہے، لیکن ضمنی طور پر ضرورت کی کوئی چیز خرید لی، یا کسی نے کوئی چیز مانگی کہ اگر آپ کو پہنچنی ہو تو میں لے لوں اور آپ نے بیچ دی، یہاں سے سامان بیچنے کی نیت سے نہیں لے گئے تھے؛ تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اور یہ عمل خلوصِ نیت کے منافی بھی نہیں ہے، بلکہ اس کی اجازت ہے۔

’’محمودالرسائل‘‘ کا تعارف

حضرت اقدس کے بیانات وافادات مختلف مواقع پر کتابی شکل میں شائع ہوتے رہے، جن میں سے دس رسائل کا مجموعہ بہ نام ’’محمودالرسائل‘‘ شائع ہو چکا ہے، ان دس رسائل کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

(۱) نگاہ وشرمگاہ کی حفاظت:

انسانی آنکھ جب بےلگام ہوجاتی ہے تو اکثر فواحش کی بنیاد بن جاتی ہے، اسی لئے محققین کے نزدیک بدنظری ’’ام الخبائث‘‘ کے مانند ہے، ان دو سوراخوں سے ہی فتنے ابلتے ہیں اور معاشرہ میں عریانی وفحاشی کے پھیلنے کا سبب بنتے ہیں۔

حضرت مرشدالعلماء نے اس بیان میں آیات کریمہ، احادیث مبارکہ اور عبرتناک واقعات کے ذریعہ کوشش کی ہے کہ شیطانی قوتوں کی طرف سے بےحیائی پھیلانے والی حیاسوز تدابیر سے اجتناب کیا جائے۔

(۲) رمضان المبارک کی تیاری:

اس بیان میں رمضان المبارک کو صحیح وصول کرنے کے لئے اپنے آپ کو مستعد کرنے کے حکیمانہ طریقے دلنشیں انداز میں بیان کئے ہیں۔

یہ دونوں رسالے مسجد انوار؛ سورت کی مجلس کا ایک حصہ ہے۔

(۳) جامعہ کے دواہم خطاب:

احاطۂ جامعہ ڈابھیل کے دو بیان کو رسالہ کی شکل دے دی ہے۔

پہلا بیان: ۱۴۱۱ھ میں جامعہ کے مثالی مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ کے وصال کے دوسرے روز جامعہ کے اجلاس تعزیت میں کیا تھا، جس میں تعزیت کی حقیقت پر

روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا بیان: جامعہ کی انجمن، شعبۂ تقریر وتحریر کے موقع پر سالانہ اجلاس میں کیا ہے، جس میں مافی الضمیر کو فصاحت وبلاغت کے ذریعہ بیان کرنے کے ماٰخذ ومراجع کا ذکر ہے۔

(۴) فضلاء سے اہم خطاب:

حضرت مرشد العلماء کی پوری زندگی مدارس کے ماحول میں گزری، مدارس میں تیزی سے بڑھتے ہوئے انحطاط اور اس کی بنیادی روح کی کمزوری کا احساس انہیں اچھی طرح ہے۔ استاذ وشاگرد کا یہ خشک رسمی رشتہ جو کسی زمانہ میں عصری تعلیم گاہوں کا خاصہ تھا، اب ہمارے مدارس میں تدریجاً آرہا ہے، علم وتحقیق کا قافلہ کہاں پہنچ رہا ہے اور ہم ''پدرم سلطان بوذ'' کو اپنے فخر کے لئے کافی سمجھ رہے ہیں۔ مدارس کے فضلاء کی ذمہ داری، ان کے کردار کی بلندی اور ان میں صلاح وتقوی پیدا کرنے کے لئے ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ میں دار العلوم سعادت دارین ستپون؛ بھروچ میں یہ بیان کیا گیا۔ مزید تفصیل اس کے ''پیش لفظ'' میں ملاحظہ کرلیں۔

(۵) حدیث کی حجیت اور اس کی حفاظت واشاعت:

۱۴۱۹ھ میں جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں بخاری شریف کا افتتاح ہوا، افتتاح کے موقع پر حضرت نے حدیث شریف کی حجیت کے موضوع پر بلیغ بیان فرمایا تھا جس میں مغربی افکار سے بیحد مرعوب سرسید احمد اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی اور عبد اللہ چکڑالوی کے انکار حدیث کے سلسلہ میں بنیادی نظریات پر تردید بھی ہے۔ یہ بیان جمبوسر سے اسی وقت ''جامعہ علوم القرآن جمبوسر کا پہلا درس بخاری'' کے نام سے شائع شدہ رسالہ میں چھپا تھا۔

(۶) منگنی اور شادی کے مسائل کا حل:

۱۴۱۷ھ کے طویل استفتاء کا جواب ہے، جس میں منگنی اور شادی میں مروجہ رسوم

کے قبائح کا مفصل و مدلل رد ہے۔ اخیر میں شب زفاف گزارنے کا اسلامی طریقہ دلنشیں انداز میں بتلایا ہے۔ اصل فتویٰ گجراتی زبان میں تھا، دارالافتاء جامعہ ڈابھیل کے دو فاضل مفتی طاہر سورتی اور مفتی شمعون احمد آبادی نے اردو میں منتقل فرمایا، فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ مفتی محمود صاحب بارڈولی زید مجدہ [مجاز فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ] کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ موصوف نے گجراتی، اردو اور انگریزی زبان میں ان مسائل کی نشر و اشاعت کا خوب اہتمام کیا۔ ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں اور پمفلٹوں میں چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا، اب ان مسائل کو اس مجموعہ میں شامل کرلیا گیا ہے۔

(۷) حضرت مولانا ابوالحسن علی میاںؒ کی مقبولیت کا راز:

حضرت مولانا علی میاںؒ کے وصال کے بعد ۳۰/ جولائی ۲۰۰۰ء ڈیوزبری برطانیہ میں M.C.F (مسلم کمیونٹی فارم) کے ذمہ داروں نے ایک تاریخی سمپوزیم قائم کیا، جس میں برطانیہ کے سرآوردہ اہل علم کے علاوہ دیگر ممالک کے اصحاب فضل وکمال کو مدعو کیا گیا تھا، یہ مقالہ اس سمپوزم کے لئے لکھا تھا۔ مقالہ سے پہلے احقر کا ’’پیش لفظ‘‘ ہے جس میں مزید تفصیل مذکور ہے۔

(۸) خطبۂ صدارت:

۱۹۹۵ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا بارہواں اجلاس احمد آباد میں منعقد ہوا، دو عظیم الشان سادات بزرگ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ اور مفتیٔ گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ کے ایماء پر حضرت نے یہ خطبہ لکھا تھا۔ سامعین نے خطبہ کو خوب پسند کیا، بعض ارباب بصیرتِ نے اجلاس کا لُبّ لُباب قرار دیا۔ مزید تفصیل ’’مولانا علی میاں کی مقبولیت کا راز‘‘ کے مقدمہ میں ملاحظہ کیجئے۔

(۹) بیعت ہونے والوں کو ہدایت:

حضرت مرشد العلماء کو اللہ تعالی نے علم ظاہر و باطن سے سرفراز فرمایا ہے۔ ایک طرف آپ مفتی و شیخ الحدیث ہیں تو دوسری طرف آپ پیرِ طریقت بھی ہیں، جس طرح طبیب جسمانی بیماریوں کا علاج کرتا ہے اسی طرح آپ روحانی بیماریوں کا علاج فرماتے ہیں اور اِس وقت بے شمار روحانی مریض آپ کے زیر علاج ہیں، بیمار جس وقت آپ کے روحانی شفاخانہ میں داخل ہوتا ہے اس وقت اس سے علاج کا نسخہ اختیار کرنے اور بد پرہیزی سے بچنے کا عہد لیا جاتا ہے۔ یہ رسالہ رہروان سلوک کے لئے سرمایۂ بصیرت و مشعلِ راہ ہے۔ ۱۴۲۱ھ میں احمد آباد کے ایک مخلص خادم نے قلم بند کرکے اہل بیعت کی سہولت کے خاطر گجراتی میں شائع کیا تھا جس کو بعد میں اردو کے لبادہ میں ڈھال کر کے افادہ عام کردیا گیا۔

(۱۰) مدارس کے سفراء کے ساتھ ہمارا سلوک ایک لمحۂ فکریہ:

ظاہر ہے کہ ہر مقصد کے حصول کے اپنے طریقے ہوتے ہیں، ہمارے اکابرؒ نے سر زمین ہند میں مدارس کی داغ بیل ڈالی، ان کے بقاء کے لئے عوامی چندہ کا طریقہ اختیار فرمایا جو مدارس ملّت کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ اس کی برکات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ گجرات کے بعض علاقوں میں ان سفراء کے ساتھ بدسلوکی کی شکایت موصول ہوئی، حضرت کے حساس دل میں اس کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوئی، اسی وقت اس موضوع پر طویل مضمون املاء کروایا جس میں چندہ کا ثبوت، اکابر دیوبند کا عمل اور اس سلسلہ کے دوسرے واقعات مذکور ہیں، اصل مضمون اردو زبان میں تھا، جناب عبد القادر فاقی والا صاحب زید مجدہ نے اسے گجراتی زبان کا جامہ پہنایا اردو مضمون ماہنامہ ''اذان بلال'' آگرہ، گجراتی ماہنامہ ''الاصلاح'' سملک اور ہفتہ واری اخبار ''امید'' سورت میں قسط وار طبع ہوا، اب اسے بھی مجموعۂ ہذا کا جزء بنایا گیا ہے۔